علمی، فنی، تاریخی ادبی، فلسفی، طبی، سیاسی ، مذہبی
اور متفرق مضامین کا بہترین مجموعہ

میری ڈائری

جلد دوم



محمد عدنان حنفی

میری ڈائری

(جلد دوم)

محمد عدنان حنفی

©جملہ حقوق محفوظ ہے

تفصیلات

نام کتاب: میری ڈائری (جلد دوم)

مؤلف: محمد عدنان حنفی

سنہ اشاعت: اگست ۲۰۲۳ء/صفر ۱۴۴۴ھ

فہرست مضامین

انتساب

ان عظیم ہستیوں کے نام
جن کی بدولت
میں اس مقام تک پہنچا

سخن من

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''میری ڈائری'' جلد دوم اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، جلد دوم بھی جلد اول کی طرح کسی خاص موضوع یا خاص فن پر نہیں لکھی گئی، نہ کسی خاص عنوان پہ مواد جمع کیا گیا ہے، بلکہ مختلف اور متفرق عنوانات کا مجموعہ ہیں۔

چونکہ میرا تعلق کتب بینی سے ہے اور جس کا تعلق کتب بینی سے ہو وہ جانتا ہے کہ مطالعہ کرنے والا کتاب میں جب کوئی نئی بات یا اہم بات دیکھتا ہے تو اسے یا ذہن میں محفوظ کرتا ہے یا اپنی ڈائری یا کسی کاپی پر لکھ لیتا ہے۔ اور یہی حال میرا بھی ہے، جب بھی کوئی کتاب پڑھتا ہوں اور کوئی عنوان زیر نظر ہو، تو اس کو لکھ دیتا ہوں اور نوٹ کرتا ہوں۔ یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

نوٹ : یاد رکھے کہ یہ کتاب کسی خاص موضوع اور خاص عنوان پر نہیں لکھی گئی، ایک معلوماتی مجموعہ ہیں، اس لئے اس میں ہر طرح کی مضامین ہیں، کسی مذہب اور مسلک کو نہیں دیکھا گیا ہے، بلکہ جو نقل کیا گیا ہے معلومات کی حد تک، ایسا کوئی مضمون اگر آپ کی نظر سے گزرے تو اس پر آپ کو تبصرہ کا پورا حق ہے۔

محمد عدنان حنفی

۲۴ اگست ۲۰۲۳ء

بروز جمعرات: بوقت ۱۰:۵۰

ڈائری لکھنے کے فوائد

(محمد بشارت نواز معاون مدیر ماہنامہ النخیل کراچی)

انسانی طبیعت فطری طور پر پسند کرتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے حالات و واقعات اور مشاہدات کو یاد رکھے اور حسب موقع ان سے سبق حاصل کرے۔ ان حالات و واقعات اور مشاہدات کو یاد رکھنے اور محفوظ کرنے کا سب سے اہم ذریعہ اس کو کاغذ پر اتار لینا ہے۔ جسے روز نامچہ یا ڈائری لکھنا کہتے ہیں۔ ڈائری لکھنے کا معمول صدیوں پرانا ہے۔ تسلسل کے ساتھ ڈائری لکھنا بے حد مفید عمل ہے۔ اس کی افادیت کی بنا پر دنیا کے کامیاب لوگوں نے اسے اپنے معمولات کا حصہ بنایا ہے۔

روز نامچہ یا ڈائری عموماً تفکر، افکار اور معاملات کے تاریخ وار لکھنے کے لیے ہی استعمال میں آتی رہی ہے۔ صدیوں پہلے لکھے گئے بہت سارے روز نامچے آج بھی بڑے شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ یہ حیرت انگیز امر ہے ڈائری لکھنے والے مرد ہوتے ہیں۔ پھر بھی دنیا میں جو مشہور روز نامچے ہوئے ہیں، ان میں لکھنے والی عورتیں بھی ہیں۔ ان میں "ڈوروتھی ورڈ سورتھ" اور "ورجینیا وولف" بہت مشہور ہوئی ہیں۔ اسی طرح یورپ کی ایک بڑی لکھاری "این فرینک" مانی جاتی ہیں۔ اس یہودی جوان لڑکی کو نیدرلینڈ پر نازی قبضے کے درمیان دو سال تک چھپے رہنا پڑا۔ اس کے بعد اس کے خاندان کو جرمن خفیہ پولیس گیسٹاپو نے پکڑ لیا اور ان کو پولینڈ میں موجود کانسنٹریشن کیمپ میں بھیج دیا۔ وہاں این کی ماں مرگئی۔ بعد میں اس کی بہن اور این دونوں ٹائیفائڈ سے مرگئیں۔ جب جرمن ہٹے اور روسیوں نے اس علاقے کو قبضے میں لیا جب این کی ڈائری ملی۔ اس کتاب کو "دی ڈائری آف اے ینگ گرل" کے عنوان سے چھاپا گیا اور اس کا

پچاسوں زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ اس روزنامچے کو سب سے زیادہ مقبول ڈائریوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ڈائری لکھنے کے کئی فوائد ہیں جنہیں نمبر وار ذکر کیا جاتا ہے:

پہلا فائدہ: ڈائری لکھنے کا ایک بڑا فائدہ اپنا احتساب کرنا ہے۔ احتساب جسے ''محاسبہ نفس'' بھی کہتے ہیں۔ یہ ہی وہ میزان ہے جس کی روشنی میں ایک بندہ مومن اپنی زندگی کو سنوار سکتا ہے۔ کیوں کہ محاسبہ کے بعد ہی اسے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ زندگی کے کس موڑ پر کھڑا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اپنا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ اپنا وزن کرو اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے اور قیامت کے دن بڑی پیشی کے لئے تیار ہو جاؤ جس دن کوئی چھپنے والا تم میں سے کوئی چھپ نہیں سکے گا۔

دوسرا فائدہ... ڈائری لکھنے سے انسان کا ماضی گم نہیں ہوتا۔ بچپن یا ابتداء جوانی سے ڈائری لکھنے کا معمول بن جائے تو ابتدائی عمر کی لکھی گئی باتیں آخری عمر میں بھی ملاحظہ کی جائیں تو ڈائری واپس بچپن میں پہنچا دیتی ہے، اور اگر آپ بیتی لکھنے کا موقع آئے تو یہ ڈائری بھرپور معاونت کرتی ہے۔ اکابر کی آپ بیتیوں میں ڈائری وغیرہ کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ اسی طرح اگر سفر میں ڈائری، روزنامچہ کا معمول رہے تو سفرنامہ مرتب کرنے میں ڈائری مدد اور معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ سفرناموں کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ مولانا رفیع الدین مرادآبادی جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں شامل ہیں انہوں نے 1202ھ میں حرمین کا سفر کیا۔ واپسی پر تاریخ کے ساتھ ہر دن کے معمولات کو حتی کہ بظاہر چھوٹی چھوٹی عام سمجھی جانے والی باتیں بھی ذکر کیں کہ انہیں بغیر ڈائری کے لکھنا شاید ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح کئی سفرنامے ایسے بھی ہیں جنہیں سفر کے کئی سال بعد صرف ڈائری کی مدد سے لکھا گیا۔

تیسرا فائدہ: اپنے اندر آنے والی تبدیلیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہماری زندگی میں کئی واقعات رونما ہوتے ہیں جن کے ہمارے ذہن پر اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کچھ عرصے بعد ہمارا ذہن ایک مختلف سانچے میں ڈھل جاتا ہے جس کا ہمیں خود بھی احساس نہیں ہوتا۔ اگر روز کے احوال لکھے جائیں اور کچھ عرصہ بعد ان مسودات کو دیکھا جائے تو ہم خود بھی حیران رہ جائیں گے کہ ہم میں کتنی تبدیلی آچکی ہے۔

چوتھا فائدہ: بیسوں سال پہلے لکھی گئی ڈائری تاریخی اعتبار سے مستند راوی کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ وہ روایت ایک فرد کے بارے میں بھی ہوسکتی ہے اور ایک معاشرے کے بارے میں بھی۔ اہم واقعہ کے بارے میں بھی ہوسکتی ہے اور کسی سانحے کے متعلق بھی۔ اسی طرح اہل علم کی ڈائریاں حسین یادوں کے قیمتی موتیوں کو رلنے سے بچالیتی ہیں۔ اس کی ایک بڑی مثال شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب شہید رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری جس کا سلسلہ آج سے ستر، اسی سال پہلے شروع ہوا تھا۔ اس میں روزانہ کی بنیاد پر لکھی گئی باتیں انتہائی قیمتی ہیرے ہیں۔ اس کا تعارف کراتے ہوئے ان کے بھتیجے لکھتے ہیں:

> ”ہم محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزہ واقارب، اہل محلہ گرد و پیش اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے۔ آپ کی اولین ڈائری ۱۹۲۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔ جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔ احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ تحقیقی عبارت علمی لطیفہ، مطلب خیز شعر، ادبی نکتہ، اور

تاریخی عجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزار ہا صفحات کے معطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیران ذوق مطالعہ استفادہ کرسکیں۔تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں۔''

پانچواں فائدہ: مستقل ڈائری لکھنے والے کی تحریری صلاحیتوں میں دن بدن نکھار آتا چلا جاتا ہے۔مستقل ڈائری لکھنے والے کے لیے آئندہ زندگی میں تحریری میدان کے اندر کامیابیوں کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں۔صرف لکھنے کا طریقہ ہی نہیں بلکہ لکھنے کی وجہ سے مطالعہ کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے۔مطالعہ کے ذریعے آدمی کی فکر اور سوچ کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، دماغی صلاحیتیں جلا پاتی ہیں۔اگر غور کیا جائے تو ڈائری لکھنے کے اور بھی بہت سارے فوائد ہیں۔گزرتے دور کے ساتھ جو چیزیں انحطاط کا شکار ہوئیں ان میں سے ایک ڈائری لکھنا بھی ہے۔آج کل کی مصروف زندگی میں روز نامچہ لکھنا ایک امر محال بن چکا ہے۔شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو اس روایت کو برقرار رکھے ہوئے ہو۔ان فوائد کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں ڈائری لکھنے کی عادت بنانی چاہیے۔

ڈائری لکھنے کا طریقہ:

ڈائری لکھنا جتنا مفید ہے اتنا ہی ''ہمت طلب'' بھی ہے۔ڈائری لکھنے کے لیے تسلسل اور مستقل مزاجی ضروری ہے۔اور محض روزمرہ معمولات کو ہی صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا ڈائری کا مقصد وحید نہیں ہوتا، بلکہ ان کے علاوہ کچھ دیگر چیزوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔مثال کے طور پر

ڈائری نویس جس خطے جس علاقے میں قیام پذیر ہو اس کے سیاسی و سماجی اور ادبی پہلو بھی نمایاں ہوں اور دن کے اہم ترین واقعات، مصروفیات اور دیگر حوالوں کو بھی اجمالی انداز میں بیان کیا جائے تاکہ اُس کی پڑھنے سے اندازہ لگایا جا سکے کہ ڈائری لکھنے والے نے کسی چیز یا واقعہ کو کس انداز اور کس زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح ڈائری لکھنے میں اس بات کا لحاظ ضرور کیا جائے کہ ایسی باتیں لکھنے سے گریز کیا جائے جنہیں دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے شرمندگی کا احساس ہو کیونکہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ ورق آئندہ کسی دوسرے شخص کے پاس بھی پہنچ سکتے ہیں اور وہ ہمارے والدین بھی ہو سکتے ہیں اور اولاد بھی۔ آج تک ڈائری لکھنے کے لیے کاغذ کا استعمال ہوتا آیا ہے لیکن ہر چیز میں جدت کی طرح ڈائری لکھنے کے طریقوں میں بھی جدت آ گئی ہے۔ ابھی بھی ڈائری لکھنے کے لیے سب سے بہتر چیز کاغذ کی ڈائری ہی ہے لیکن اگر اس میں کسی کے لیے مشکل ہو تو اینڈرائیڈ موبائل کے لیے پلے اسٹور سے ڈائری کے نام سے ایپ بھی مل جاتی ہیں، جن میں ڈائری لکھی جا سکتی ہے اور اس میں اپنا ای میل ایڈریس سیٹ کرنے سے اس میں لکھی گئی تحریر کا بیک اپ بھی بن جاتا ہے جس سے موبائل گم یا تبدیل ہونے کی صورت میں لکھی گئی ڈائری ضائع نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ کئی ویب سائٹ بھی موجود ہیں جہاں ہر روز ڈائری لکھنے کی سہولت موجود ہے اور ڈائری نہ لکھنے کی صورت میں یاد دہانی کے لیے ای میل بھی آ جاتی ہے لیکن اس جدید نظام میں پرائیویسی باقی نہیں رہتی۔ ڈائری کا سب سے بہترین طریقہ تو وہی متوارث، کاغذ پر لکھنے والا طریقہ ہی ہے۔

تخلیق انسانی کے مراحل قرآن کی روشنی میں

(از عبد العظیم جانباز)

جس طرح عالمِ آفاق کے جلوے اِجمالاً عالمِ اَنفس میں کارفرما ہیں، اسی طرح نظامِ ربوبیت کے آفاقی مظاہر پوری آب وتاب کے ساتھ حیاتِ انسانی کے اندر جلوہ فرما ہیں۔ انسان کے "احسن تقویم" کی شان کے ساتھ منصۂ خلق پر جلوہ گر ہونے سے پہلے اس کی زندگی ایک ارتقائی دَور سے گزری ہے۔ یہی اُس کے کیمیائی اِرتقاء (Chemical evolution) کا دَور ہے، جس میں باری تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کا مطالعہ بجائے خود ایک دلچسپ اور نہایت اہم موضوع ہے، یہ حقائق آج صدیوں کے بعد سائنس کو معلوم ہو رہے ہیں، جب کہ قرآنِ مجید انہیں چودہ سو سال پہلے بیان کر چکا ہے۔

کیمیائی ارتقاء کے مراحل:

قرآنِ مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کا کیمیائی اِرتقاء کم وبیش سات مرحلوں سے گزر کر تکمیل پذیر ہوا جو درج ذیل ہیں:

تراب (Inorganic matter)

ماء (Water)

طین (Clay)

طین لازب (Adsorbale clay)

صلصال من حماء مسنون (Old physically and chemically altered mud)

صلصال کالفخار (Dried and highly purified clay)

سلالہ من طین (Extract purified clay)

قرآنِ مجید مذکورہ بالا سات مرحلوں کا ذکر مختلف مقامات پر یوں کرتا ہے:

1۔تراب (Inorganic matter)

اللہ رب العزت نے اِنسان کے اوّلین جوہر کو غیر نامی مادّے سے تخلیق کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''هُوَ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ '' (المومن: 67)

''وہی ہے جس نے تمہیں مٹی (یعنی غیر نامی مادّے) سے بنایا۔''

اس آیت کریمہ میں آگے حیاتیاتی ارتقاء کے بعض مراحل کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مثلاً

(ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا)

لیکن قابل توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ انسانی زندگی کے ان ارتقائی مرحلوں کا ذکر باری تعالیٰ نے اپنی صفت ربُّ العالمین کے بیان سے شروع کیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ سے پہلی آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ (المومن: 66)

''اور مجھے حکم ہوا ہے کہ اس کے سامنے گردن جھکاؤں جو سارے عوالم اور اُن کے مظاہر حیات کو درجہ بدرجہ مرحلہ وار کمال تک پہنچانے والا ہے۔''

2۔ماء (Water)

یہاں اللہ رب العزت نے اپنی شانِ ربُّ العالمین کے ذکر کے ساتھ ہی دلیل کے طور پر انسانی زندگی کے اِرتقاء کا ذکر کر دیا ہے، جس سے واضح طور پر یہ سبق ملتا ہے کہ قرآن مجید باری

تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کو انسانی زندگی کے نظامِ ارتقاء کے ذریعے سمجھنے کی دعوت دے رہا ہے، کہ اے نسل بنی آدم! ذرا اپنی زندگی کے ارتقاء کے مختلف ادوار و مراحل پر غور کرو کہ تمہیں کسی طرح مرحلہ وار اپنی تکمیل کی طرف منتقل کیا گیا اور کس طرح تم بالآخر "احسن تقویم" کی منزل کو پہنچے۔ کیا یہ سب کچھ "رب العالمین" کی پرورش کا مظہر نہیں ہے جس نے بجائے خود ایک عالم بنا دیا ہے! یوں تو ہر جاندار کی تخلیق میں پانی ایک بنیادی عنصر کے طور پر موجود ہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی تخلیق میں بطورِ خاص پانی کا ذکر کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ ٱلَّذِي خَلَقَ مِنَ ٱلْمَآءِ بَشَرًا (الفرقان: 54)

''اور وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا۔''

اس آیت کریمہ میں بھی تخلیقِ انسانی کے مرحلے کے ذِکر کے بعد باری تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا بیان ہے:

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا (الفرقان: 54)

''اور تمہارا رب قدرت والا ہے''۔

گویا یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ تخلیقِ انسانی کا یہ سلسلہ اللہ ربُّ العزت کے نظامِ ربوبیت کا مظہر ہے۔ انسان کے علاوہ کرۂ ارض پر بسنے والی لاکھوں کروڑوں مخلوقات کی اوّلین تخلیق میں بھی پانی کی وہی اہمیت ہے جتنی انسان کی کیمیائی تخلیق میں۔ اس سلسلے میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ (الانبیاء: 30)

''اور ہم نے (زمین پر) ہر زندہ چیز کی نمود پانی سے کی، تو کیا وہ (ان حقائق سے آگاہ ہو کر بھی) ایمان نہیں لاتے؟۔''

یہ آیتِ کریمہ حیاتِ انسانی یا حیاتِ ارضی کے اِرتقائی مراحل پر تحقیق کرنے والے سائنسدانوں کے لیے دعوتِ فکر بھی ہے اور دعوتِ ایمانی بھی۔

3۔طین (Clay)

اِنسان کی کیمیائی تخلیق میں "تراب" اور "ماء" بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِن دونوں عناصر کے مِکس ہو جانے پر "طین" کو وُجود ملا۔ "طین" کا ذِکر اللہ ربّ العزت نے قرآنِ حکیم میں یوں کیا ہے:

هُوَ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن طِينٍ (الانعام : 2)

''(اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی کے گارے سے پیدا فرمایا۔''

یہاں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ مترجمین قرآن نے بالعموم "تُرَاب" اور "طِین" دونوں کا معنی مٹی کیا ہے، جس سے ایک مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا یہ دو الگ مرحلے ہیں یا ایک ہی مرحلے کے دو مختلف نام؟ اس لیے ہم نے دونوں کے امتیاز کو برقرار رکھنے کے لیے "طِین" کا معنی "مٹی کا گارا" کیا ہے۔ تُراب اصل میں خشک مٹی کو کہتے ہیں، امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

'' التراب الارض نفسھا۔ ''

''تراب سے مراد فی نفسہ زمین ہے۔''

جب کہ "طین" اس مٹی کو کہتے ہیں جو پانی کے ساتھ گوندھی ہو، جیسا کہ مذکور ہے:

'' الطین : التراب و الماء المختلط۔ '' (المفردات: 312)

''مٹی اور پانی باہم ملے ہوئے ہوں تو اُسے ''طین'' کہتے ہیں۔''

اسی طرح کہا گیا ہے:

’’ الطین : التراب الذی یجبل بالماء۔" (المنجد: 496)

’’طین سے مراد وہ مٹی ہے جو پانی کے ساتھ گوندھی گئی ہو۔‘‘

اسی حالت کو گارا کہتے ہیں۔

اس لحاظ سے یہ ترتیب واضح ہو جاتی ہے:

مٹی......................پانی......................گارا

4۔طین لازب (Adsorbale clay)

”طین“ کے بعد ”طین لازب“ کا مرحلہ آیا، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں یوں بیان کیا ہے:

إِنَّا خَلَقْنٰهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ (الصافات : 11)

’’بے شک ہم نے اُنہیں چپکتے گارے سے بنایا۔‘‘

’’طین لازب‘‘، طین کی اگلی شکل ہے، جب گارے کا گاڑھا پن زیادہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ لغتِ عرب میں ہے:

’’اِذَا زال عنه (الطین) قوۃُ الماءِ فھو طین لازب۔‘‘

’’جب گارے سے پانی کی سیلانیت زائل ہو جائے تو اُسے ”طین لازب“ کہتے ہیں۔‘‘

یہ وہ حالت ہے جب گارا قدرے سخت ہو کر چپکنے لگتا ہے۔

5۔صلصال من حماء مسنون (Old physically and chemically altered mud)

مٹی اور پانی سے مل کر تشکیل پانے والا گارا جب خشک ہونے لگا تو اُس میں بو پیدا ہو گئی۔

اس بودار مادّے کو اللہ ربّ العزت نے ”صلصال من حماء مسنون“ کا نام دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن صَلْصَٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (الحجر : 26)

''اور بیشک ہم نے اِنسان کی (کیمیائی) تخلیق ایسے خشک بجنے والے گارے سے کی ہے۔''

اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ تخلیق انسانی کے کیمیائی اِرتقاء میں یہ مرحلہ "طین لازب" کے بعد آتا ہے، یہاں "صلصال" (بجتی مٹی) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کی اصل "صلل" ہے۔ امام راغب اصفہانی "صلصال" کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

'' تردَ د الصوت من الشيء اليابس، مسمّی الطين الجاف صلصالاً'' (المفردات: 274)

''خشک چیز سے پیدا ہونے والی آواز کا تردّد یعنی کھنکناہٹ۔ اسی لیے خشک مٹی کو ''صلصال'' کہتے ہیں کیونکہ یہ بجتی اورآواز دیتی ہے۔''

لغت عرب میں "صلصال" کا معنی یوں بیان کیا گیا ہے:

'' الصلصال : الطين اليابس الذی يصل من يسبه أی يصوت۔'' (المنجد: 446)

"صلصال سے مراد وہ خشک مٹی ہے جو اپنی خشکی کی وجہ سے بجتی ہے، یعنی آواز دیتی ہے۔"

"صلصال" کی حالت گارے کے خشک ہونے کے بعد ہی ممکن ہے پہلے نہیں، کیونکہ عام خشک مٹی، جسے تُراب کہا گیا ہے وہ اپنے اندر بجنے اورآواز دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ لفظِ صلصال اِس اعتبار سے تراب سے مختلف مرحلے کی نشان دہی کر رہا ہے، لہٰذا صلصال کا مرحلہ"

طین لازب" یعنی چپکنے والے گارے کے بعد آیا۔ جب طین لازب (چپکنے والا گارا) وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خشک ہوتا گیا تو اُس خشکی سے اس میں بجنے اور آواز دینے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ یہ تو طبعی تبدیلی (Physical change) تھی مگر اس کے علاوہ اس پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کیمیائی تبدیلیاں بھی ناگزیر تھیں، جن میں اُس مٹی کے کیمیائی خواص میں بھی تغیر آیا۔ اِن دونوں چیزوں کی تصدیق اِسی آیت کے اگلے الفاظ مِّن ※ حَمَاٍ مَّسۡ ※ نُونٍ سے ہوجاتی ہے۔

"حَمَا" حرارت اور بخار کو کہتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ تپنے، کھولنے اور جلنے وغیرہ کے معنوں میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ارشاداتِ ربانی ہے کہ:

تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً (الغاشیہ : 4)

''دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے۔''

يَوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِيۡ نَارِ جَهَنَّمَ (التوبہ : 35)

''جس دن اُس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی۔''

لَّا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا بَرۡدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِيۡمًا وَّغَسَّاقًا (النباء : 24–25)

''اور اُس میں (کسی قسم کی) ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا۔ سوائے کھولتے ہوئے گرم پانی اور پیپ کے۔''

الغرض "حَمَا" میں اس سیاہ گارے کا ذکر ہے جس کی سیاہی، تپش اور حرارت کے باعث وجود میں آئی ہو، گویا یہ لفظ جلنے اور سڑنے کے مرحلے کی نشان دہی کر رہا ہے۔

"مسنون" سے مراد متغیر اور بدبودار ہے۔ یہ "سن" سے مشتق ہے جس کے معنی صاف کرنے، چمکانے اور صیقل کرنے کے بھی ہیں، مگر یہاں اِس سے مراد متغیر ہوجانا ہے۔ جس کے

نتیجے میں کسی شے میں بو پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اِحماء (جلانے اور سڑانے) کا لازمی نتیجہ ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔قرآنِ مجید میں ہے:

فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ (البقرہ: 259)

''پس (اَب) تو اپنے کھانے پینے (کی چیزوں) کو دیکھ، (وہ) متغیر (باسی) بھی نہیں ہوئیں۔''

جب گارے "طین لازب" پر طویل زمانہ گزرا اور اُس نے جلنے سڑنے کے مرحلے عبور کر لیے تو اس کا رنگ بھی متغیر ہو کر سیاہ ہو گیا اور جلنے کے اَثر سے اُس میں بو بھی پیدا ہو گئی۔ اِسی کیفیت کا ذکر صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ میں کیا جا رہا ہے۔

کسی شے کے جلنے سے بدبو کیوں پیدا ہوتی ہے، اس کا جواب بڑا واضح ہے کہ جلنے کے عمل سے کثافتیں سڑتی ہیں اور بدبو کو جنم دیتی ہیں جو کہ مستقل نہیں ہوتی۔ اس وقت تک رہتی ہے جب تک کثافتوں کے سڑنے کا عمل یا اُس کا اثر باقی رہتا ہے اور جب کثافت ختم ہو جاتی ہے تو بدبو بھی معدوم ہو جاتی ہے۔اس لیے ارشاد فرمایا گیا:

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر: 26)

''سِن رسیدہ (اور دُھوپ اور دیگر طبیعیاتی اور کیمیائی اثرات کے باعث تغیر پذیر ہو کر) سیاہ بدبودار ہو جانے والا گارا۔''

گویا لفظ "صلصال" واضح کر رہا ہے کہ اس مرحلے تک پہنچتے پہنچتے مٹی کی سیاہی اور بدبو وغیرہ سب ختم ہو چکی تھی اور اس کی کثافت بھی کافی حد تک معدُوم ہو چکی تھی۔

6۔صلصال کالفخار (Dried and highly purified clay)

اِنسان کے کیمیائی ارتقا میں چھٹا مرحلہ صلصال کالفخار ہے، جس کی نسبت ارشادِ باری تعالیٰ

ہے:

خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ مِن صَلْصَٰلٍ كَٱلْفَخَّارِ (الرحمٰن : 14)

''اُس نے اِنسان کو ٹھیکرے کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔''

جب تپانے اور جلانے کا عمل مکمل ہوا تو گارا پک کر خشک ہو گیا، اُس کیفیت کو ''کَالْفَخَّار'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تشبیہ میں دو اشارے ہیں:

(الف) ٹھیکرے کی طرح پک کر خشک ہو جانا۔

(ب) کثافتوں سے پاک ہو کر نہایت لطیف اور عمدہ حالت میں آ جانا۔

لفظ ''فخار'' کا مادّہ فخر ہے، جس کے معنی مباہات اور اظہارِ فضیلت کے ہیں۔ یہ فَاخر سے مبالغے کا صیغہ ہے، یعنی بہت فخر کرنے والا۔ ''فخار'' عام طور پر گھڑے کو بھی کہتے ہیں اور مترجمین ومفسرین نے بالعموم یہاں یہی معنی مراد لیے ہیں۔ ٹھیکرا اور گھڑا چونکہ اچھی طرح پک چکا ہوتا ہے اور خوب بجتا اور آوازیں دیتا ہے، گویا اپنی آواز اور گونج سے اپنے پکنے، خشک اور پختہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے اس لیے اُسے فخر کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بھی اپنی فضیلت اور شرف کو ظاہر کرتی ہے۔ امام راغب اصفہانی اس بارے میں لکھتے ہیں:

'' يعبر عن كل نفيس بالفاخر، يقال ثوب فاخرة وناقة فخور۔''

(المفردات: 374)

''ہر نفیس اور عمدہ چیز کو فاخر کہتے ہیں۔ اس لیے نفیس کپڑے کو 'ثوبِ فاخر' اور عمدہ اونٹنی کو 'ناقہ فخور' کہا جاتا ہے۔''

اور فَخَّار اسی سے مبالغہ کا صیغہ ہے جو کثرتِ نفاست اور نہایت عمدگی پر دلالت کرتا ہے، صاحبُ المحیط بیان کرتے ہیں:

'' الفاخِر: اِسم فاعلٍ و الجید من کل شیئ۔'' (القاموس المحیط، 2:112)

''الفاخر اسم فاعل ہے اور ہر شے کا عمدہ (حصہ) ہے۔''

فَخَّار میں عمدگی اور نفاست میں مزید اِضافہ مراد ہے۔ اس معنی کی رُو سے اِظہار شرف کی بجائے اَصل شرف کی طرف اشارہ ہے۔ دونوں معانی میں ہرگز کوئی تخالف اور تعارُض نہیں، بلکہ ان میں شان دار مطابقت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، باری تعالیٰ تخلیقِ انسانی کے سلسلۂ ارتقاء کے ضمن میں اس مرحلے پر یہ واضح فرما رہے ہیں کہ وہ مٹی اور گارا جو بشریت کی اصل تھا۔ اس قدر تپایا اور جلایا گیا کہ وہ خشک ہو کر پکتا بھی گیا اور ساتھ ہی ساتھ مٹی، پانی اور کثافتوں سے پاک صاف ہو کر نفاست اور عمدگی کی حالت کو بھی پا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ''صلصال کالفخار'' کے مرحلے تک پہنچی تو ٹھیکرے کی طرح خشک ہو چکی تھی اور کثافتوں سے پاک ہو کر نہایت لطیف اور عمدہ مادّے کی حالت اختیار کر چکی تھی۔ گویا اب ایسا پاک، صاف، نفیس، عمدہ اور لطیف مادہ تیار ہو چکا ہے کہ اُسے اشرف المخلوقات کی بشریت کا خمیر بنایا جا سکے۔ انسان اور جن کی تخلیق میں یہی فرق ہے کہ جن کی خلقت ہی آگ سے ہوئی، مگر انسان کی خلقت میں ''صلصال'' کی پاکیزگی، طہارت اور لطافت کے حصول کے لیے آگ کو محض استعمال کیا گیا، اُسے خلقتِ انسانی کا مادّہ نہیں بنایا گیا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ مِن صَلْصَٰلٍ كَٱلْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ ٱلْجَآنَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ
(الرحمٰن: 1514)

''اُسی نے اِنسان کو ٹھیکرے کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔''

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:

وَٱلْجَآنَّ خَلَقْنَٰهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ ٱلسَّمُومِ (الحجر : 27)

''اور اُس سے پہلے ہم نے جنوں کو شدید جلانے والی آگ سے پیدا کیا، جس میں دُھواں نہیں تھا۔''

اس لیے خلقتِ انسانی کے مراحل میں آگ کو ایک حد تک دخل ضرور ہے، مگر وہ جنات کی طرح اِنسان کا مادّہ تخلیق نہیں۔

7۔سلالہ من طین (Extract purified clay)

اِنسان کی کیمیائی تخلیق کے دوران پیش آنے والے آخری مرحلے کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن سُلَٰلَةٍ مِّن طِينٍ (المؤمنون : 12)

''اور بیشک ہم نے اِنسان کی تخلیق (کی اِبتدا) مٹی (کے کیمیائی اجزا) کے خلاصہ سے فرمائی۔''

اِس آیت کریمہ میں گارے کے اس مصفّٰی اور خالص نچوڑ کی طرف اشارہ ہے، جس میں اصل جوہر کو چن لیا جاتا ہے، یہاں اِنسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء ''طین لازب'' کے تزکیہ وتصفیہ (Process of Purification) کا بیان ہے۔ سُلٰلَۃ سَلَّ یَسُلُّ سے مشتق ہے، جس کے معنی میں نکالنا، چننا اور میل کچیل سے اچھی طرح صاف کرنا شامل ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ سے مراد اَلصَّفْوا الَّذِیْ یُسَلُّ مِنَ الْاَرْضِ ہے۔ یعنی مٹی میں سے چنا ہوا وہ جوہر جسے اچھی طرح میلے پن سے پاک صاف کر دیا گیا ہو۔ الغرض سُلٰلۃ کا کامل مفہوم اُس وقت وجود میں آتا ہے جب کسی

چیز کو اچھی طرح صاف کیا جائے، اس کی کثافتوں اور میلے پن کو ختم کیا جائے اور اُس کے جوہر کو مصفّٰی اور مزکّٰی حالت میں نکالا جائے۔ گویا سُلٰلَۃ کا لفظ کسی چیز کی اس لطیف ترین شکل پر دلالت کرتا ہے جو اُس چیز کا نچوڑ، خلاصہ اور جوہر کہلاتی ہے۔

تشکیل بشریت اور تخلیق آدم علیہ السلام:

کرۂ ارض پر تخلیقِ انسانی کے آغاز کے لیے خمیرِ بشریت اپنی کیمیائی اِرتقاء کے کن کن مراحل سے گزرا، اپنی صفائی اور لطافت کی آخری منزل کو پانے کے لیے کن کن تغیرات سے نبرد آزما ہوا اور بالآخر کس طرح اس لائق ہوا کہ اُس سے حضرتِ انسان کا بشری پیکر تخلیق کیا جائے اور اسے خلافت و نیابت الٰہیہ کے عالی شان منصب سے سرفراز کیا جائے، اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ تو مذکورہ بالا بحث سے ضرور ہوسکتا ہے۔ یہاں یہ امر پیشِ نظر رہے کہ ان اِرتقائی مراحل کی جس ترتیب اور تفصیل کا ہم نے ذکر کیا ہے اسے حتمی نہ سمجھا جائے، کوئی بھی صاحبِ علم اِن جزئیات و تفصیلات کے بیان میں اختلاف کرسکتا ہے، البتہ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ آیاتِ قرآنی میں مختلف الفاظ و اصطلاحات کے استعمال سے کیمیائی ارتقاء کے تصور کی واضح نشان دہی ہوتی ہے۔

جب ارضی خمیرِ بشریت مختلف مراحل سے گزر کر پاک صاف ہو چکا اور اپنی جوہری حالت کو پہنچا تو اس سے باری تعالیٰ نے پہلے انسان کی تخلیق ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی صورت میں فرمائی اور فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا فرمانے والا ہوں جس کا پیکرِ بشریت اس طرح تشکیل دوں گا۔ یہ تفصیلات قرآنِ مجید میں سورۃ البقرہ (30-34)، سورۃ الحجر (26-35)، سورۃ الاعراف (11-16) اور دیگر مقامات پر بیان کی گئی ہیں۔

فرشتوں کا اِس خیال کو ظاہر کرنا کہ یہ پیکر بشریت زمین میں خون ریزی اور فساد انگیزی کرے گا، اسی طرح ابلیس کا انکار سجدہ کے جواز کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی بشریت اور صَلْصَٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ کا ذکر کرنا وغیرہ یہ سب اُمور اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ان کی نظر انسان کی بشری تشکیل کے ابتدائی اور دورانی مراحل پر تھی اور ایسا خیال وہ اُن اجزائے ترکیبی کے خواص کے باعث کر رہے تھے جن کا استعمال کسی نہ کسی شکل میں اس پیکر خاکی کی تخلیق میں ہوا تھا۔ وہ مٹی کی کثافت اور آگ کی حرارت جیسی اشیاء کی طرف دھیان کیے ہوئے تھے، اُن کی نظر مٹی کی اس جوہری حالت پر نہ تھی جو مصفّٰی اور مزکّٰی ہو کر سراسر کندن بن چکی تھی، جسے باری تعالیٰ سُلَٰلَةٍ مِّن طِينٍ سے تعبیر فرما رہا ہے۔ مٹی کی یہ جوہری حالت (سُلَٰلَةٍ) کیمیائی تغیرات سے تزکیہ و تصفیہ کے ذریعے اب یقیناً اس قابل ہو چکی تھی کہ اس میں روحِ الٰہیہ پھونکی جاتی اور نفخ روح کے ذریعے اس کے پیکر کو فیوضاتِ الٰہیہ کے اخذ و قبول اور انوار و تجلیات ربانی کے اِنجذاب کے قابل بنا دیا جاتا۔ اس لیے ارشاد فرمایا گیا:

فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُۥ سَٰجِدِينَ (الحجر : 29)

''پھر جب میں اس کی (ظاہری) تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکر (بشری کے باطن) میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔''

چنانچہ بشریت اِنسانی کی اسی جوہری حالت کو سنوارا گیا اور اسے نفخِ روح کے ذریعے وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلْأَسْمَآءَ كُلَّهَا (اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھا دیے) کا مصداق بنایا گیا اور تب یہی حضرتِ انسان مسجودِ ملائکہ ہوا۔

کینسر کے بارے میں اہم معلومات

(ڈاکٹر عبدالقدیر خان (ماخوذ ماہنامہ النخیل کراچی)

ڈاکٹر عبدالقدیر خان مشہور سائنس دان اور پاکستان ایٹم بم کے بانیوں میں سے ہیں۔ان کا کینسر کے بارے میں اہم معلومات پر مشتمل تازہ مفید مضمون نذیر قارئین ہے۔ادارہ

یہ ایک سچا اور نہایت دلچسپ واقعہ ہے جو میرے ایک دوست نے مجھے بھیجا ہے۔اس کی دلچسپی اور اہمیت کی خاطر اس کو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

زندگی بھر بیمار نہ ہونے کا راز: پچھلے دنوں ایک فلم کی لوکیشن کی سلیکشن کیلئے میرا فلج ملا جانا ہوا، جو شارجہ سے بذریعہ املقین فجیر اجاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔ یہاں اونٹ فارمنگ کے ساتھ بہت وسیع ریس کورس بھی ہے۔ ہے تو گاؤں لیکن جدید سہولتوں سے آراستہ ہے۔ہم گیارہ بجے پہنچے تو گائیڈ سے ریس کورس کا راستہ پوچھ کے اس کے ساتھ ہو لئے، راستے میں ایک قدیم مسجد دیکھنے کو ملی اور اس کے ساتھ ہی چائے کی کینٹین جس کے باہر بینچ پر کئی عربی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ان میں ایک کافی بوڑھا شخص بھی تھا جو شکل سے بلوچ لگتا تھا۔ میں علم کی تلاش میں سرگرداں، خود سے شرط باندھی کہ اس بوڑھے کے ساتھ چائے نہ پی تو نام رہے اللہ کا۔

اسٹاف کو دور بٹھایا اور چائے لے کر ان کے پاس جا کر سلام کیا تو انداز درست نکلا وہ بلوچ ہی تھے۔اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو انہوں نے پاس بٹھا لیا اور پھر میرے اصرار پر اونٹوں کے بارے میں نہایت مفید اور تفصیلی معلومات فراہم کیں جس کا ذکر پھر کبھی کروں گا لیکن ایک دلچسپ بات کہے بنا نہیں رہ سکتا کہ نسلی اونٹ میں انا کا بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔خیر بات ختم کرتے

وقت میں نے اپنی عمر بتائی اور ان کی پوچھی تو معلوم ہوا 95 برس کے ہیں اور ان کی والدہ کا انتقال 105 برس کی عمر میں ہوا تھا۔ کہنے لگے تم تو میرے مقابلے میں ابھی جوان ہو۔ میں نے بات کو پلٹتے ہوئے اور ذرا ہچکچاہٹ سے پوچھا کہ اچھی صحت کا راز تو بتائیں۔ کہنے لگے بس بیمار نہ پڑو۔ میں نے کہا یہ تو ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہنستے ہوئے کہنے لگے بہت آرام سے ہمارے بس کی بات ہے۔ میں نے کہا آپ بتائیں میں ضرور عمل کرونگا۔ میرے قریب آ کر آہستہ سے کہنے لگے منہ میں کبھی کوئی چیز بسم اللہ کے بغیر نہیں ڈالنا چاہئے، پانی کا قطرہ ہو یا چنے کا دانہ۔ میں خاموش سا ہو گیا۔ پھر کہنے لگے اللہ نے کوئی چیز بے مقصد اور بلا وجہ نہیں بنائی، ہر چیز میں ایک حکمت ہے اور اس میں فائدے اور نقصان دونوں پوشیدہ ہیں۔ جب ہم کوئی بھی چیز بسم اللہ پڑھ کر منہ میں ڈالتے ہیں تو اللہ اس میں سے نقصان نکال دیتا ہے۔ ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ پیو اور دل میں بار بار خالق کا شکر ادا کرتے رہو اور جب ختم کر لو تو بھی ہاتھ اُٹھا کر شکر کرو کبھی بیمار نہ پڑو گے۔ میری آنکھیں تر ہو چکی تھیں۔ ہمارے بعض مولوی حضرات اور عالموں سے یہ کتنا بڑا عالم تھا۔

دیر ہو رہی تھی، میں سلام کر کے اُٹھنے لگا تو میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے، کھانے کے حوالے سے آخری بات بھی سنتے جاؤ۔ میں "جی" کہہ کر پھر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے اگر ساتھ بیٹھ کر کھا رہے ہو تو کبھی بھول کے بھی پہل نہ کیا کرو چاہے کتنی ہی بھوک لگی ہو، پہلے سامنے والے کی پلیٹ میں ڈالو وہ جب تک لقمہ اپنے منہ میں نہ رکھ لے تم شروع نہ کیا کرو۔ میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ اس کا فائدہ پوچھوں لیکن وہ خود ہی کہنے لگے یہ تمہارے کھانے کا صدقہ ادا ہو گیا اور ساتھ ہی اللہ بھی راضی ہوا کہ تم نے پہلے اس کے بندے کا خیال کیا۔ یاد رکھو غذا جسم کی اور بسم اللہ روح کی غذا ہے، اب بتاؤ کیا تم ایسے کھانے سے بیمار پڑ سکتے ہو؟ یہ بیان کردہ واقعہ صحت سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ کو چند اور مفید و اہم باتیں صحت و بیماری کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ کینسر کی بیماری بہت

موذی اور تکلیف دہ ہے۔آیئے اس سے متعلق چند آسان نسخے بیان کرتا ہوں:

(1): بین الاقوامی کینسر کے علاج کی دوائیں بنانے والے کبھی یہ نہیں بتاتے کہ کینسر محض وٹامن B_17 کی کمی کا نام ہے اور بین الاقوامی سطح پر ایسے ٹانک بنانا ممنوع ہیں جو B_17 فراہم کرتے ہوں۔اللہ پاک نے بادام میں B_17 کی اچھی مقدار رکھی ہے۔اگر آپ روزانہ بادام کے 7.6 دانے کھالیں تو B_17 کی کمی کی بیماری نہیں ہوتی ہے۔بادام کھائے اور کینسر سے محفوظ رہیے۔

(2): چقندر، گاجر، سیب اور ایک لیموں کا عرق اگر صبح شام آپ استعمال کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کو کینسر سے نجات دلاتا ہے اور محفوظ بھی رکھتا ہے۔

(3): کریلے کے تین چار چھلکے کاٹیں، کپ میں ڈال کر گرم پانی اس پر ڈالیں، چند منٹ رہنے دیں اور پھر یہ پانی دو تین مرتبہ پی لیں، ان شاء اللہ کینسر کے سیل ختم ہو جائیں گے۔

(4): ناریل (کھوپرا) کے چند باریک ٹکڑے کاٹیں اور اس پر گرم پانی ڈال دیں۔کچھ وقت کے بعد پانی سفید ہو جائے گا، اس کے پینے سے کینسر کے سیل ختم ہو جاتے ہیں۔

(5)...ایک لیموں لے کر اس کا عرق نکالیں۔اس میں نیم گرم پانی ڈالیں، اگر شوگر کی بیماری نہیں ہے تو اس میں شہد ملا کر تین مرتبہ دن میں استعمال کریں۔ان شاء اللہ آرام ملے گا۔

(6): سرسوں کا ساگ کھانے سے کینسر کا خطرہ نہیں رہتا۔

(7) تحقیق کے مطابق مختلف اقسام کے کینسر سے بچنے کیلئے درج ذیل اشیا کا استعمال بھی مفید پایا گیا ہے۔بروکلی، گاجر، پھلیاں لوبیا، بیریز، دارچینی، خشک میوہ جات یعنی بادام، مغز، اخروٹ کی گری وغیرہ، روغن زیتون، ہلدی، سٹرس فروٹ، السی کے بیج، ٹماٹر وغیرہ۔

(8)...: ناصر دواخانہ 0476211434 سچی بوٹی کی گولیاں خریدیں اور چار صبح چار دو

پہر چار شام کو پانی سے لیں۔ اس سے کیموتھراپی وغیرہ کا اثر یعنی بال گرنا، ہوموگلوبین کم ہونا، نہیں ہوتا۔ یہ آزمایا ہوا نسخہ ہے۔

اللہ پاک ان تمام مریضوں کو جن کو یہ موذی مرض لاحق ہے مکمل شفا دے تندرست رکھے اور عمر دراز کرے۔ آمین!

دل کے آپریشن سے بچنے کا ایک کامیاب نسخہ

(حکیم عبدالوحید سلیمانی (ماخوذ ماہنامہ النخیل کراچی)

پانچ سال پہلے کی بات ہے، میں مطب میں بیٹھا تھا۔ مریض آجا رہے تھے۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی، چونگا اٹھایا، تو دوسری طرف شریف جاوید بول رہے تھے۔ میرے بے تکلف دوست ہیں، تیس بتیس سال سے ان سے روابط ہیں، مگر اس دن ان کی آواز میں پریشانی جھلک رہی تھی۔ پوچھنے پر بتایا کہ کچھ دنوں سے طبیعت خراب ہے اور ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ ''میرے دل کے دو والو بند ہیں''۔ انجیوگرافی بھی ہوگی اور بائی پاس بھی! میں انجیوگرافی سے تو نہیں گھبراتا لیکن بائی پاس نہیں کروانا چاہتا۔ آپ کے پاس اس کا علاج کوئی دیسی نسخہ ہو تو بتایئے بلکہ تیار کر دیجیے۔

میں ابھی جواب نہیں دے پایا تھا کہ مطب میں تین آدمی داخل ہوئے اور سامنے پڑی کرسیوں پر خاموشی سے بیٹھ گئے، وہ بلوچی لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، کندھوں پر اجرک اور سر پر بلوچی طرز کی ٹوپیاں تھیں۔ میں گفتگو میں مصروف رہا اور شریف جاوید صاحب کو یقین دہانی کراتا رہا کہ میرے پاس ایسا نسخہ موجود ہے، جو ان شاء اللہ آپ کے مرض کا قلع قمع کر دے گا مگر اس کی تیاری میں کچھ وقت لگے گا۔ بات ختم کر کے میں نے جونہی چونگا رکھا، ان آدمیوں

میں سے ایک بولا: سائیں یہ کس کا فون تھا؟" میں نے ذرا ناگواری سے کہا کہ ایک مریض تھا، اس نے پوچھا: مگر سائیں وہ کہتا کیا تھا؟ کہیں اس کے دل کے والو تو بند نہیں؟"

اب میں نے حیرانی سے اسے دیکھا، جس نے یقیناً ہماری گفتگو سن لی تھی اور ہولے سے سر ہلایا۔ سائیں برا نہ مانیں، آپ کے پاس تو اس کی دوائی موجود ہے۔ الماری سے نکالیں، مریض کو بلائیں اور اس کے حوالے کر دیں۔

اب میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور اس سے سوال کیا: '' آپ پہلی مرتبہ میرے پاس آئے ہیں، پھر آپ کو کیسے پتا چلا کہ اس مریض کا علاج میرے پاس موجود ہے؟''

دیکھئے میں اپنا تعارف کرا دوں، ہم لوگ مستونگ (بلوچستان) سے آئے ہیں۔ میں باقاعدہ طبیب نہیں، بلکہ بینک ملازم ہوں۔ آج سے پچیس سال پہلے میرے ماموں کے دو والو بند ہو گئے تھے۔ مستونگ، کوئٹہ اور کراچی علاج کروایا مگر خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ اس زمانے میں دل کا بائی پاس کراچی میں ہوتا تھا لیکن بہت گراں۔

پھر میں نے آپ کے والد صاحب (حکیم محمد عبداللہ مصنف کنز المجربات) کو جہانیاں (ملتان) خط لکھا اور ساری کیفیت بیان کی، چند دن بعد ان کا جواب آیا، لکھا تھا: " آپ کے ماموں کی بیماری کی تشویشناک صورتحال کا علم ہوا۔ ایک دوائی اپنے پاس سے بھیج رہا ہوں۔ دوسری بذریعہ ڈاک ارسال نہیں کی جاسکتی تھوڑی سی زحمت کر کے خود تیار کر لیجئے۔ جو دوا انہوں نے مجھے بھیجی وہ جواہر مہرہ تھی طب اسلامی کی مایہ ناز دوا، جو دل کے لئے ہی نہیں بے شمار امراض کے لیے شفا کا پیغام ہے، اسے بعد از نماز عصر دو چاول کے دانوں کی مقدار میں استعمال کرنا تھا۔ مجھے دوا کی تیاری کا کہا گیا، وہ عمدہ اور تازہ گلاب اور سونف کا عرق کشید کر کے اس کے دو آتشہ کرنا تھا۔ میں نے عرق نکالنے کے آلے (قرع انبیق ... بھبکے) سے عرق کشید کیا، پھر دوبارہ بھوکارہ

یعنی جوش دیا، یوں دو آتش عرق تیار ہو گیا۔ یہ عرق صبح ناشتے کے بعد نصف پیالی مقدار میں دینا تھا۔ پھر عصر کے بعد اتنی ہی مقدار میں لیکن دو چاول جو ہرمہرہ کے ساتھ اور رات سوتے وقت چوتھائی پیالی عرق پینا تھا۔ حکیم صاحب قبلہ نے پندرہ دن کے لیے یہ نسخہ تجویز کیا تھا۔

دو ہفتے بعد طبی معائنہ کروایا تو دونوں والو کھل چکے تھے۔ تاہم احتیاط میں نے انہیں نسخہ ایک ماہ تک استعمال کر دیا۔ اللہ کے فضل و کرم سے میرے ماموں آج خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس واقعے کے بعد میرے پاس اردگرد کے علاقے سے بے شمار دل کے مریض آئے، جنہیں میں جو ہرمہرہ آپ کے دوا خانے سے اور عرق خود تیار کر کے دیتا رہا۔ اللہ نے بے شمار لوگوں کو اس نسخہ کے طفیل شفا دی۔ مجھے وہاں کے لوگ دل کا ڈاکٹر کہتے ہیں۔ سائیں آپ کے والد صاحب کا نسخہ تھا وہ میں نے آپ تک پہنچا دیا، آپ جانیں اور آپ کا کام۔

جب انہوں نے بات ختم کی تو شریف جاوید صاحب بھی آ گئے۔ میں نے انہیں یہی دوائی دی اور پندرہ دن استعمال کرنے کے لیے کہا، کہنے لگے: میری انجیوگرافی میں صرف بارہ دن باقی ہیں اور آپ پندرہ دن کا علاج تجویز کر رہے ہیں۔" سائیں میرے مہمان نے کہا: " آپ دوا شروع کریں، اللہ بھلی کرے گا۔"

شریف صاحب دوا لے گئے اور بارہ دن بعد فون پر اطلاع دی کہ پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی میں داخل ہونے جا رہا ہوں اور کل انجیوگرافی ہے، دعا کیجئے گا۔ دو دن بعد موبائل پر اطلاع دی ڈاکٹر میرے طبی معائنے کی رپورٹ دیکھ کر حیران رہ گئے، کیونکہ تمام والو کھلے ہوئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے مزید پندرہ دن دوائی استعمال کی اور الحمدللہ بھلے چنگے ہو گئے۔

اس واقعے کے چند دن بعد ایک بزرگ میرے پاس سرائے عالمگیر سے تشریف لائے اور فرمانے لگے: میں شریف جاوید کا بڑا بھائی ہوں۔ میرے پاس اردگرد کے علاقے سے دل کے

کچھ مریض آئے ہیں۔ آپ وہی دوا پانچ مریضوں کے لئے عنایت کر دیں جو شریف جاوید کو دی ہے۔ چند دن بعد وہ مزید مریضوں کے لیے دوا لے گئے۔ رفتہ رفتہ اس دوا کی شہرت ہوگئی، روزانہ ایک دو مریض یہ دوا لے جاتے اور اللہ کے فضل سے صحت یاب ہو جاتے۔ میں نے یہ دوا ان لوگوں کو بھی دی جن کے تعین والو بند تھے۔ اللہ کے کرم سے انہیں بھی شفاء علی حتی کہ ایسے مریض جن کے ساڑھے تین والو بند ہو چکے تھے، وہ بھی شفایاب ہوئے اور انجائنا کے مریضوں نے بھی صحت پائی۔

1999ء میں مجھے خود دل کی تکلیف ہوئی اور تین والو بند ہو گئے۔ میں نے ایک ماہ یہی دوا استعمال کی، الحمدللہ بالکل صحت یاب ہو گیا۔ عرق گلاب اور سونف اب میں دو آشتہ کے بجائے سہ آشتہ استعمال کرتا ہوں اور اسے قلبی کا نام دیا ہے۔ یوں اس کی تاثیر بڑھ گئی اور سینکڑوں مریضوں نے استفادہ کیا ہے۔ میں مستونگ کے اس سندھی نژاد کا شکر گزار ہوں، جس نے انسانیت کی فلاح کے لیے مجھے اتنے اچھے نسخے سے آگاہ کیا۔ جس سے میں بے خبر تھا، حالانکہ وہ میرے ہی والد محترم کا تجویز کردہ تھا۔

خیالی تصویریں

ہمارے زمانے میں تخیل کے زور پر زمانہ قدیم کے لوگوں کی تصویریں بنانے کا رواج بہت عام ہو رہا ہے، اسی سلسلے میں عرصہ ہوا ''ریڈرز ڈائجسٹ'' میں ایک دلچسپ واقعہ نظر سے گزرا تھا، ضیافت طبع کے لئے حاضر ہے:

یونی چیمبرلن ایک بوڑھے پادری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ چند صدیوں پہلے صقلیہ کے ایک کلیسا نے کسی مصور کو کچھ دیواری تصویریں بنانے کا کہا، اور مقصد یہ تھا کہ کلیسا کی

دیواروں پر تصویریں بنا کر حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کا ایک خاکہ پیش کیا جائے۔

مصور نے ان تصویروں کو بنانے میں نہایت جانفشانی سے کام لیا، یہاں تک کہ تقریباً تمام تصویریں مکمل ہوگئیں، البتہ ابھی دو اہم تصویریں باقی تھیں جن کے بغیر یہ خاکہ نامکمل تھا، ان میں سے ایک تو حضرت مسیح علیہ السلام کے بچپن کی تصویر تھی، دوسری یہوداہ اسکریوتی کی، (یہوداہ اسکریوتی حضرت مسیح علیہ السلام کا وہ حواری ہے جس کے بارے میں انجیل میں لکھا ہے کہ اس نے تمہیں روپے کے لالچ میں حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرادیا تھا۔) یہ دو صورتیں ایسی تھیں جن کا کوئی مناسب نمونہ مصور کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، اس لئے وہ اس تلاش میں تھا کہ کہیں ایسے چہرے نظر پڑیں جن کی تصویریں دو شخصیتوں پر فٹ بیٹھ سکے۔

ایک دن وہ شہر میں ایک سڑک سے گزر رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک بارہ سالہ لڑکے پر پڑی، جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ گلی میں کھیل رہا تھا۔ مصور کی نگاہ اس لڑکے پر رک کر رہ گئی مصور نے اس معصوم چہرے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کے لئے نہایت مناسب پا کر اسے اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کیا اور گھر لا کر اس کی تصویر بنانی شروع کردی، چند روز میں یہ تصویر مکمل ہوگئی اور ایک مسئلہ حل ہوا۔

لیکن ابھی یہوداہ اسکریوتی کا مسئلہ باقی تھا، اس کے لئے اسے عرصہ دراز تک کوئی مناسب چہرہ نہ مل سکا۔ بہت سے لوگوں نے جو اپنے آپ کو نہایت خبیث النفس سمجھتے تھے، یہوداہ اسکریوتی کی تصویر بنانے کے لئے اپنے چہروں کی پیشکش کی، لیکن ان میں سے کوئی مصور کے دل کو نہ لگا۔ وہ یہوداہ اسکریوتی کی تصویر کے لئے ایسا چہرہ بنانا چاہتا تھا جسے دیکھتے ہی انسان پکار اُٹھے کہ یہ شخص حرص وہوس کا پتلا اور گمراہیوں کا مخزن ہے۔ اسی تلاش میں کئی سال بیت گئے۔

ایک روز سہ پہر کے وقت وہ ایک شراب خانے میں بیٹھا تھا کہ اچانک اسے ڈیوڑھی کے

سامنے ایک نحیف ونزار شخص دکھائی دیا، جس کے چہرے پر وحشت اور تباہ حالی بُری طرح ٹپک رہی تھی، وہ لڑکھڑاتا ہوا شراب خانے کی چوکھٹ میں داخل ہوا، اور ایک بھکاری کی طرح اس نے آواز لگائی: شراب، شراب۔ مصور نے جب اُسے دیکھا تو اسے اس شخص کے چہرے میں ہر اُس گناہ کا عکس نظر آیا جو کوئی آدم کا بیٹا انجام دے سکتا ہے۔ مصور اسے دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑا اور اس سے کہا: ”میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں شراب دُوں گا۔“

گھر لا کر مصور نے اس کی تصویر بنانی شروع کی، وہ شخص ساکت وصامت بیٹھا رہتا اور مصور اس کی تصویر بنایا کرتا، جب تصویر مکمل ہونے لگی تو ایک دن مصور نے دیکھا کہ اس شخص کے چہرے پر اپنی تصویر دیکھ کر خوف وحیرت اور استعجاب کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ مصور نے اس سے پوچھا: کیوں؟ کیا بات ہے؟" اس شخص نے کچھ دیر کے لئے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا، اور ایک آہ بھر کر بولا:

”ذرا مجھے غور سے دیکھو! تم مجھے نہیں پہچانتے؟ چند سال پہلے یسوع مسیح کے بچپن کی تصویر بنانے کے لئے تم نے میرا ہی چہرہ منتخب کیا تھا۔“

(تراشے از مفتی تقی عثمانی صاحب بحوالہ ریڈرز ڈائجسٹ مئی ۱۹۶۳ء بحوالہ سٹرڈے ریویو ۱۴ مارچ ۱۹۳۲ء)

حکایات مولانا رومیؒ

(ماخوذ حکایات رومی از صوفی آصف محمود)

سیاہ سانپ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار وضو کے بعد موزہ پہننے کا قصد فرمایا لیکن دیکھا کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موزہ ایک عقاب اڑا کر لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ماجرا دیکھ کہ حیران ہوئے۔

تھوڑے ہی وقفے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ عقاب نے موزہ کا منہ زمین کی طرف کیا جس سے ایک سیاہ سانپ گرا۔ اس عمل کے بعد عقاب نے موزہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اسی ضرورت سے گستاخی کی تھی کہ اس کے اندر سانپ گھسا ہوا تھا۔ مجھے حق تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت پر معمور فرمایا۔ ورنہ میری کیا مجال تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور ایسی بے ادبی کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا اور فرمایا ''ہم نے جس حادثہ کو باعث صدمہ سمجھا وہ دراصل وفا اور باعث رحمت تھا''۔

عقاب نے عرض کیا کہ ''میں نے ہوا میں اُڑتے ہوئے موزہ شریف میں سانپ دیکھ لیا تو یہ میرا کمال نہیں یا رسول اللہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے نور اور روشنی کا فیضان اور عکس تھا۔ آپ تو سراج منیر ہیں اگر کسی دل کے اندھے کو نظر نہیں آتا تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ کیونکہ تاریکی کا عکس تاریک ہی ہوتا ہے۔''

دانا پرندہ:

ایک شکاری نے بڑی ترکیبوں اور مشکل کے ساتھ ایک نادر اور خوبصورت چڑیا پکڑی۔ جب وہ چڑیا جال میں پھنس گئی اور آزاد ہونے کی کوئی صورت نہ پائی۔ تب چڑیا شکاری سے کہنے لگی: ''اے عقل مند انسان! تو مجھ جیسی ننھی سی چڑیا کو پکڑ کر کیا کرے گا۔ اگر تو مجھے ذبح کرے گا تو میرے ذرا سے گوشت اور گنتی کی چند نرم و نازک ہڈیوں سے تیرا کیا بنے گا۔ مجھے فروخت کر کے بھلا تجھے کتنا مال ملے گا۔ میری بات سن اگر تو مجھے آزاد کر دے گا تو میں تجھے تین ایسی بیش بہا نصیحتیں کروں گی جو ہمیشہ تیرے کام آئیں گی۔ ان میں سے پہلی نصیحت تو تیرے ہاتھ پر بیٹھ کر کروں گی وہ نصیحت ایسی ہوگی جسے سن کر تیرا خون بڑھ جائے گا۔ دوسری نصیحت دیوار پر بیٹھ کر کروں گی۔ جو اعلیٰ درجے کی ہوگی۔ تیسری نصیحت درخت کی شاخ پر بیٹھ کر کروں گی۔ اس لئے تیری دانائی، جواں مردی اور دور اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ تو مجھے آزاد کر دے۔ ان تینوں نصیحتوں پر عمل کر کے تو دنیا میں بڑا نام پائے گا۔''

شکاری تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد راضی ہو گیا۔ چڑیا اڑ کر شکاری کے ہاتھ پر آن بیٹھی۔ پہلی نصیحت یہ ہے کہ ناممکن بات خواہ کیسا ہی شخص کہے اس پر یقین نہ کر۔ یہ کہہ کر چڑیا گھر سے اُڑی اور دیوار پر جا بیٹھی۔ اس نے دوسری نصیحت یہ کی گزری ہوئی بات کا غم نہ کر۔ اس کے بعد چڑیا نے کہا میرے وجود میں دس درہم وزن کا ایک ایسا قیمتی موتی ہے۔ جس کی قیمت ہفت اقلیم میں کہیں نہیں۔ یہ موتی پا کر تو اور تیری اولاد عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے۔ مگر افسوس! کہ تو نے مجھے آزاد کر کے یہ بیش بہا موتی ہاتھ سے کھو دیا۔ یہ تحفہ تیرے مقدر میں نہ تھا۔

اتنا سننا تھا کہ شکاری رونے چلانے اور ماتم کرنے لگا جیسے اس کا کوئی عزیز مر گیا ہو۔ بار بار

ٹھنڈی آہیں بھرتا اور سینہ پیٹ کر کہتا کہ ہائے! میں تو برباد ہو گیا مجھ بے وقوف نے ایسی نادر چڑیا کو کیوں آزاد کر دیا۔ ننھی سی جان نے مجھے ہتھیلی میں جنت کی جھلک دکھلا کر لوٹ لیا۔ شکاری جب رو دھو چکا۔ تب چڑیا نے کہا ''اے بے وقوف میں نے پہلے ہی تجھے نصیحت کر دی تھی کہ گزری ہوئی بات کا غم نہیں کرنا چاہے۔ جب یہ بات ہو گئی تو کف افسوس ملنا کس کام کا''؟ دوسرا چڑیا نے کہا ارے نادان تو نے میری پہلی بات غور سے نہیں سنی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ ناممکن بات کا ہرگز یقین نہیں کرنا چاہیے۔ خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ ذرا سوچ تو سہی مجھ ننھی سی جان کا پورا وجود تین درہم وزن سے زیادہ نہیں ہے۔ بھلا دس درہم وزن کا موتی میرے وجود میں کہاں سے آ گیا۔ یہ بات سُن کر شکاری رونا دھونا بُھول گیا۔ حیرت سے چڑیا کو تکنے لگا اور کہنے لگا بے شک تو ٹھیک کہتی ہے۔ پھر شکاری کہنے لگا: اے نازک بدن چڑیا مہربانی کر کے وہ تیسری نصیحت بھی کرتی جا۔ چڑیا نے کہا: ارے بھائی تو نے میری دو نصیحتوں پر کون سا عمل کیا جو تیسری نصیحت بھی مجھ سے سننا چاہتا ہے وہ قیمتی نصیحت تجھ جیسے بے مغز انسان کے لیے نہیں ہے۔

ایک پیغام طوطے کے نام:

ایران کا ایک سوداگر تجارت کے سلسلے میں ہندوستان آیا ہوا تھا۔ یہاں سے اس نے ایک خوبصورت اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے والا طوطا خریدا۔ جس کی ادائیں بڑی دل پسند اور آواز بڑی پیاری تھی۔ وہ تاجر اسے اپنے ملک میں لے گیا۔ وہ باتیں کر کے نا صرف تاجر کو خوش کرتا تھا۔ بلکہ ہر عام و خاص کا دل اپنے نغموں سے خوش رکھتا تھا۔

ایک دفعہ وہی سوداگر تجارت کی غرض سے دوبارہ ہندوستان جانے لگا اور روانگی سے قبل اپنے اہل خانہ اور غلاموں سے پوچھا کہ وہ ان کے لیے ہندوستان سے کیا کیا لائے۔ ہر ایک نے اپنی

اپنی پسند بتائی۔ طوطے سے کہا۔ تم بھی بتاؤ تمہاری کیا فرمائش ہے۔ طوطے نے کہا میری صرف یہ درخواست ہے کہ دورانِ سفر جب تم فلاں دریا کے پار ہو جاؤ گے تمھیں وہاں ایک پرفضا جزیرہ نظر آئے گا۔ وہاں میرے ہم جنس طوطوں کو سلام پہنچا کر کہنا کہ تمہاری قوم کا فلاں طوطا میری قید میں ہے اور تمہاری ملاقات کو جی ترس گیا ہے۔ تم آزادی کے ساتھ باغوں اور سبزہ زاروں میں مزے کر رہے ہو۔ تمھیں اپنے غریب الوطن ساتھی کی کوئی خبر نہیں۔

این چنین باشد وفائے دوستان
من درین حبس و شما در بوستان

کیا اس کا نام دوستوں کی وفا ہے کہ میں پنجرے میں پڑا رہا اور تم باغوں میں عیش کر رہے ہو، اور انھیں کہنا کہ وہ اپنی آزادی کے بارے میں مشورہ طلب کرتا ہے ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ تمہاری ملاقات کی حسرت لئے اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں، یارو یہ کیا انصاف ہے؟ کیا یہی آئین وفاداری ہے۔؟ سوداگر نے وعدہ کیا کہ وہ تمہارا یہ پیغام تمہارے ہم جولیوں تک پہنچا دے گا۔

سوداگر سفر کرتا ہوا جب ہندوستان پہنچا اور اپنے طوطے کے بتلائے ہوئے پُرفضا جزیرے سے گزرنے لگا تو وہاں سے طوطوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں وہاں اس نے انھیں مخاطب ہو کر کہا: اے طوطو! اپنے ایک بچھڑے ہوئے بھائی کا پیغام سُن لو۔ جو میرے گھر میں ہے وہ سلام کہتا ہے اور وہ تم پر افسوس کرتا ہے کہ تم کو اس کے بغیر سبز شاخوں پر جھولنا کس طرح بھاتا ہے؟ کوئی اس کی ملاقات کی فکر کرو۔ ابھی سوداگر نے بمشکل اپنی بات مکمل کی تھی کہ درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا ایک طوطا پھڑ پھڑانے لگا اور پھر بیدم ہو کر زمین پر گر پڑا چند لمحے تک اس کا جسم تھرتھرایا پھر بے جان ہو گیا۔ سوداگر سوچنے لگا بعض اوقات ایسی گفتگو سے خاموشی بہتر ہوتی ہے جو فساد

اور اضطراب پیدا کرے سوداگر اس پیغام رسانی پر بڑا شرمندہ ہوا کہ جس نے ناحق اپنی زبان سے ایک جان گنوائی تلوار کا زخم بھر جاتا ہے مگر زبان کا ظلم نہیں بھرتا۔

یہ مرنے والا شاید اس طوطے کا کوئی عزیز ہے میری اس بے موقع خبر سے اسے اتنا رنج ہوا کہ برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ وہاں سے افسوس کرتا ہوا رخصت ہوا کچھ عرصے بعد کاروبار سے فارغ ہو کر جب اپنے وطن واپس آیا۔ اور اہل خانہ کو ان کے حسب فرمائش تحائف دیئے۔ طوطے نے پوچھا: " کیا میری فرمائش پوری کی۔ میرے ہم جنسوں نے کیا جواب دیا اور تو نے کیا دیکھا؟ سوداگر نے ایک سرد آہ بھری اور چہرے پر رنج والم کے آثار نمودار ہونے لگے۔ کہنے لگا: بہتر یہی ہے جو کچھ ہوا۔ مت سُن ورنہ تجھے صدمہ ہوگا۔ میں خود تیرا پیغام دے کر پچھتا تا ہوں، اب تک اس کی مذمت میرے دل میں ہے کہ کاش میں پیغام نہ پہنچاتا۔ طوطا بولا: اے مالک ایسی خدانخواستہ کیا بات ہوئی جو تو زبان پر لاتے ہوئے ڈرتا ہے۔؟ بے تکلف بیان کر اب جو ہونا تھا ہو گیا۔

سوداگر کہنے لگا: جب میں ہندوستان کے اس پر فضا مقام پر پہنچا۔ وہاں کے طوطوں کو تیرا پیغام دیا اور جو تیرا حال تھا سب بیان کیا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک طوطا تیرا دردآشنا اور عزیز تھا میری باتیں سنتے ہی پھڑ پھڑا کر گرا۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ شاید اسے تیری گرفتاری کا اتنا رنج پہنچا تھا کہ وہ برداشت نہ کر سکا۔ اس کے یوں دم دینے سے میں بے حد پشیمان ہوں۔

دیکھتے ہی دیکھتے سوداگر کے طوطے کے بدن پر تھرتھری چھوٹی، آنکھیں پتھرا گئیں اور صرف ایک آواز ہائے نکالی قفس کے اندر گر پڑا اور تڑپتے ہوئے جان دے دی۔ سوداگر نے اپنی آنکھوں کے سامنے پیارے طوطے کو مرتے ہوئے دیکھا تو غم واندوہ سے نڈھال ہو گیا۔ ٹوپی سر سے اتار پھینکی سینے پر بار بار ہاتھ مار کر روتا اور یہ کہتا کہ اے خوش بیاں طوطے تجھے کیا ہو

گیا۔ یہ تو نے کیا کیا اگر مجھے خبر ہوتی تو یوں داغ جدائی دے گا تو یہ منحوس قصہ نہ سناتا۔ غرض دیر تک طوطے کے مرنے کے غم میں اسی طرح روتا رہا۔

جب خوب دل کی بھڑاس نکال لی تو مرتے ہوئے طوطے کو قفس سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ باہر پھینکنا تھا کہ فوراوہ طوطا پھر سے اُڑ کر درخت کی شاخ پر جا بیٹھا، اُس مرے ہوئے طوطے نے آزاد فضا میں ایسی اڑان کی جیسے مشرق سے آفتاب اُبھرتا ہے۔ سوداگر گزرا ہوا معاملہ بھول گیا۔ طوطے کی اس حرکت پر حیران وششدر رہ گیا اور کہنے لگا: اے چالاک پرندے یہ کیا ماجرا ہے اے میرے بلبل ذرا یہ تو بتا کہ ہندوستان کے طوطے نے تجھے کیا خفیہ پیغام دیا جسے تو بھانپ گیا اور جس سے تو میری آنکھوں پر اپنے مکر وفریب کا پردہ ڈالنے میں کامیاب ہوا۔ ارے غضب خدا کا تو نے کمال دکھایا کہ ہمیں جلا کر خود روشن ہو گیا۔ طوطا بولا: ”میرے بھائی طوطے نے مجھے سبق دیا اور اپنے عمل سے بتایا کہ میں قید سے کس طرح رہائی پا سکتا ہوں۔ میں نے اس پیغام کو سمجھا اور اس پر عمل کیا اس نے اشارہ یہ دیا کہ نغمہ گوئی اور میٹھی بول چال ترک کر تو اپنی اس سحر انگیز آواز کے سبب ہی گرفتار قفس ہوا ہے۔ پھر اس نے میری آزادی کے لیے خود کو مردہ بنایا کہ اے نادان پرندے اور ہر کس وناکس کا دل خوش کرنے والے مردہ بن جا تا کہ قید سے نجات پائے۔

طوطے نے یہ کہہ کر اپنے اصلی وطن کا رخ کیا آخر کار ایک دن اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔

نادان کی دوستی:

محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ندی کے کنارے چوہے اور مینڈک کی ملاقات ہو گئی، ایک دوسرے کے تعارف کے بعد ندی کے قریب خوشگوار ماحول میں کافی دیر تک باتیں

ہوتی رہیں۔ یہ ملاقات دوستی میں تبدیل ہوگئی۔ چند دنوں کے بعد یہ دوستی کی گرہ محبت میں تبدیل ہوگئی یہ محبت، عشق و آشنائی تک جا پہنچی، پھر یہ چاہت اور بے تابی اس حد تک بڑھ گئی کہ دونوں وقت معین پر ہر صبح کو ملاقات کے پابند ہو گئے اور دیر تک دونوں تبادلہ خیالات کرتے رہتے، کچھ جگ بیتی اور کچھ آپ بیتی کے متعلق آپس میں باتیں کر کے ایک دوسرے کا دل خوش کرتے، آپس میں راز گو تھے، بے زبان بھی تھے اور بازبان بھی۔

جوش نطق از دل نشان دوستی است
بستگی نطق از بے الفتی است

گویائی اور گفتگو کا جوش دل سے اٹھنا علامت محبت ہے اور گویائی میں رکاوٹ علامت بے الفتی ہے۔ جس نے دلبر کو دیکھ لیا تو وہ ترش رو کب رہ سکتا ہے اور جب بلبل پھول کو دیکھ لیتا ہے تو خاموش کیسے رہ سکتا ہے۔

یار کی پیشانی لوح محفوظ کی مانند ہے جو عاشق پر کونین کے اسرار آشکارا کر دیتی ہے۔ اب عاشق زار پر جدائی اور فرقت کے لمحے بھاری ہو گئے۔ ایک دن چوہے نے کہا آپ تو پانی کے اندر دوڑ لگا دیتے ہیں اور ہم خشکی پر آپ کی جدائی کا غم کھاتے رہتے ہیں، ندی کے کنارے جا کر تجھے آواز دیتا ہوں تو پانی کے اندر ہماری آواز سنتا ہی نہیں، میں اب اتنے وقت کی گفتگو سے سیر نہیں ہوتا، تیرے دیدار سے اپنی آنکھوں کی پیاس بھی نہیں بجھا پاتا، سنا ہے نماز تو پانچ وقت کی فرض ہے لیکن عاشق تو ہر وقت محبوب کی یاد میں مسرور اور مست رہتا ہے۔ تیرا چہرہ دیکھے بغیر میرا کوئی لمحہ بھی اب چین سے نہیں گزرتا۔ میرے دن کی روشنی اور رات کا چین تیرے ہی دم سے ہے۔

نیست زرغباً نشان عاشقان

سخت مستقی است جان صادقان

باری باری ناغہ دے کر ملاقات عاشقوں کے لئے نہیں ہے صادقین کی جانیں تو سخت پیاسی ہوتی ہیں۔ تیرا یہ احسان ہوگا کہ تو مجھے مسرور کردے اور وقت بے وقت ملاقات کا لطف چکھا دیا کر۔ اے بے پرواہ امیر مجھے اپنے محسن کی زکوۃ دے۔ اس غریب پر نظیر عنایت فرما اور شرف دیدار سے فیض یاب کر۔ کاش! میں پانی کے اندر آ کر تجھ سے ملاقات کر سکتا مگر میں اس سے عاجز اور مجبور ہوں اے دوست امیں خاکی ہوں اور تو آبی۔ مینڈک اپنے عاشق زار کی باتیں سُن کر بے حد متاثر ہوا اور فرط محبت سے اس کا دل بھر آیا۔ دونوں دلوں کو اکٹھا رکھنے کی اب کیا تدبیر کریں؟ آخر چوہے نے یہ رائے پیش کی کہ ایک مضبوط دھاگہ لے کر جس کا ایک سرا تمہارے پاؤں میں بندھا ہوا ہو اور دوسرا سرا میرے پاؤں میں بندھا رہے۔ جب تیری یاد مجھے تڑپانے لگے گی تو میں ڈوری کو ہلا دیا کروں گا۔ تم میرا اشارہ سمجھ کر پانی سے باہر آجایا کرنا۔ مینڈک کو دل میں یہ ترکیب پسند نہ آئی اس کے باوجود اس نے چوہے کی درخواست قبول کر لی۔

عقل پر جب طبعی خواہش غالب آجاتی ہے تو یہ نہایت خطرناک مستقبل کا نقطہ آغاز ہوتا ہے۔ پھر یہ دونوں ڈوری ہلا کر بار بار ملاقات کی لذت کے عادی ہو گئے اور اس طرح کئی دن ملاقاتوں میں گزر گئے۔ آخر کار انجام وہی ہوا۔" جو مجازی عشق و محبت والوں کا ہوتا ہے۔

عاشق زار محبت کی پینگ بڑھائے ہوئے تھے اور اپنے محبوب کو پیغام محبت دینے والے تھے کہ پکڑے گئے۔ چیل نے اوپر سے چھاپہ مارا اور چوہے کو اپنے پنجوں میں دبا کر اڑ گئی۔ جب چوہا فضا میں بلند ہوا تو پیغام رسانی والی تار فوراً موت کا پیغام لے کر مینڈک تک جا پہنچی۔ چیل فضا میں بلند ہوئی تو مینڈک صاحب بھی پاؤں پر باندھے ہوئے دھاگے کی وجہ سے فضا میں معلق ہو گئے۔ لوگوں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو بڑے حیران ہوئے کہ چیل نے ایک تیر سے دو

شکار کیسے کر لئے ادھر مینڈک نے زبان حال سے لوگوں کو بتایا کہ اے لوگو! یہ تمہارے لئے عبرت کا مقام ہے۔ یہ سزا اس حماقت کی ہے جو نااہل سے محبت کی پینگیں بڑھائے۔

پھر چیل نے ویرانے میں جا کر دونوں کو اکٹھے ہی سزائے موت دے کر دشمنانِ محبت کی طرح خوب جشن منایا۔

ڈی اولیری کی کتاب "فلسفہ اسلام" پر ایک نظر

(ماخوذ: افکارِ عالم جلد/ ۱۔ از مولانا نظام الدین اسیر ادروی)

پاکستان میں چھپی ہوئی ایک کتاب ''فلسفہ اسلام'' میرے ایک دوست سفر پاکستان سے واپسی میں بطور خاص لائے تھے انھوں نے مجھے مطالعہ کے لئے دی اور اس پر کچھ لکھنے کی ضرورت کا اظہار کیا، کتاب کا مصنف ایک مستشرق ڈی اولیری لیکچرار رامی وسریانی، برسٹل یونیورسٹی ہے، کتاب کا اردو ترجمہ احسان احمد بی اے (علیگ) نے کیا ہے جو سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے رکن تھے، نفیس اکیڈمی کراچی نے اس کو شائع کیا ہے، میرے سامنے اس کا دوسرا ایڈیشن ہے، جو نومبر ۱۹۸۰ء کا مطبوعہ ہے، کتاب کے ناشر چودھری محمد اقبال سلیم نے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے پیش لفظ لکھا ہے:

''یہ حیدرآباد دکن جامعہ عثمانیہ میں داخل نصاب رہی اور علم وتحقیق کی کسوٹی پر بارہا کسی گئی اور کتاب کو ہر اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی علمی وتحقیقاتی مرکز قرار دیا گیا اور یہ امر واقعہ ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی دوسری کتاب اُردو یا انگریزی میں ابھی تک نہیں لکھی گئی ہے، یہ کتاب ایسا علمی خزانہ ہے جس میں دو قیمتی معلومات کے جواہر بھرے ہوئے ہیں"۔

اس بلند بانگ دعوے اور شاندار تعارف نے خاص طور پر مطالعہ کے لئے مہمیز کیا اور ان جواہرات کی تلاش میں کتاب کو حرفاً حرفاً پڑھا گیا جو بقول ناشر کتاب میں بھرے ہوئے ہیں، میں انھیں جواہرات سے کچھ آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں تاکہ آپ بھی ان جواہر کو ایمان ہی نہیں علم وتحقیق، اسلامی تعلیمات وروایات، قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ کی کسوٹی پر پرکھ کر خود دیکھیں کہ کیا واقعتاً یہ جواہرات ہیں یا خرف ریزے؟ یہ آب حیات ہے یا زہر کا پیالہ؟ یہ سدا بہار پھولوں کا گلدستہ ہے یا کانٹوں کا انبار؟ پوری کتاب پر تبصرہ تو سردست ممکن نہیں اس لئے

مصنف کے کچھ دعووں پر اپنی گفتگو محدود رکھنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ یہی دعوے اس کی پوری کتاب کی روح ہیں، اور اسی سے یہ اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ مصنف کا مقصد کسی علمی تحقیق کو پیش کرنا ہے یا صرف اسلام دشمنی نے اس کو اس کتاب کے لکھنے پر مجبور کیا ہے؟ اور وہی انداز فکر اختیار کیا ہے جو عام طور پر مستشرقین کے یہاں پایا جاتا ہے؟ کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے دل کے پورے درد و کرب کے ساتھ سوچا کہ اگر ایسی ہی کتابیں ہماری یونیورسٹیوں میں اسلام کے تعارف کے لئے پڑھائی جاتی رہیں تو پڑھانے والوں اور پڑھنے والوں دونوں کے ایمان کا خدا ہی حافظ ہے۔ ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

کتاب کا دوسرا باب جہاں سے شروع ہوتا ہے اس کا عنوان ہے "عربی دور" یہیں سے اس نے خالص اسلام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، اسلامی دور کے بجائے "عربی دور" کا لفظ اس نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر کسی مذہب کی تشکیل یا اشاعت ہی نہیں تھی، بلکہ اس دور میں عرب کے اندر ایک نئی طاقت اُبھر رہی تھی جس نے جیرہ اور غسان میں اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں، اس کامیابی سے عربوں نے سمجھ لیا کہ ایرانی سلطنت اور شاید رومی بھی باوجود اپنی شان وشوکت کے قابل شکست ہیں، اور اگر کوئی پرعزم کوشش کی جائے تو دونوں کی دولت آسانی کے ساتھ عربوں کے ہتھے چڑھ سکتی ہے، بس اسی جذبے سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میدان عمل میں آئے تھے، مذہب کی تشکیل کا خیال تو مدینہ جانے کے بعد یہودیوں کی مذہبی زندگی کو دیکھ کر پیدا ہوا اور مجبوراً ایک مذہب کی داغ بیل ڈالی۔ ڈی اولیری اپنی کتاب کے دوسرے باب کا آغاز اس جملہ سے کرتا ہے:

''اسلام اپنی ابتدائی شکل میں کلیۃً ایک عربی مذہب تھا''۔

اس کے بعد مصنف اپنے قارئین کو بتاتا ہے کہ:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تبلیغ کا دنیاوی پہلو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم انھیں حجاز کے قبائل کو برادرانہ اتحاد میں مربوط کرنے کی کوشش کرنے، لوٹ مار کرنے کے دستور کو محدود کرنے اور ایک منظم جماعت بنانے میں مصروف پاتے ہیں۔''

ڈی اولیری نے چند صفحوں کے بعد بتایا ہے کہ عرب خانہ بدوش قوم تھی، ان کو صرف لوٹ مار سے دلچسپی تھی، اس لئے بدوی قبائل میں کبھی منظم حکومت نہیں ہوسکتی تھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مدینہ چلے جانے کے بعد بھی ملکہ کے لوگ ان کی ماتحتی میں نہیں آنا چاہتے تھے وہ تو انھوں نے مدینہ میں اپنا ایک جنگجو دستہ بنالیا تھا، اور مکہ پر طاقت کے زور سے قبضہ کرلیا تھا اور مکہ والوں کی طاقت توڑ دی تھی اس لئے مجبوراً وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہو گئے تھے وہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس کے بعد بنوامیہ کے بارے میں لکھتا ہے:

''ان خالص دنیادار عربوں کا سرگروہ قبیلہ قریش کے بنوامیہ تھے، چونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قریشی تھے اور اسلام کی عظمت سے قریش کی عظمت ہوتی تھی، اس کی وجہ سے وہ ایک قسم کے امراء کا طبقہ بن گئے تھے، اگرچہ اس طرح بنوامیہ اپنے شخصی غرور کو مطمئن کر سکتے تھے جو ایک نیم متمدن جماعت کینفسیات میں ہمیشہ ایک طاقتور عامل ہوتا ہے، اور دوسرے قبائل پر بہت کچھ قابو حاصل کر چکے تھے، لیکن اس نے اسلام کے پہلے کے قبائل کے رشک وحسد ہی کو دوام بخشا، کیونکہ قریش کے تفوق کے باعث ان کے اکثر حریف سخت مخالف تھے، حقیقی عرب جماعت مذہب کی طرف سے زیادہ بے پرواہ تھی اور اب تک ہے۔''

مصنف ایک اور جگہ لکھتا ہے:

''بلاشبہ عرب مفتوح عجمیوں کو حلقہ بگوش اسلام ہو جانے پر بھی بھائی تسلیم کرنے پر مائل نہ

تھے، ان کے نزدیک بیرونی ممالک کی فتح کے معنی صرف بڑی بڑی جائدادوں، بے شمار دولت، اور غیر محدود قوت حاصل ہونے کے تھے۔''

اس سے آگے چل کر لکھتا ہے:

''بنوامیہ اسلام قبول کرنے کی ہمت افزائی نہیں کرتے تھے کیونکہ اس سے مال گزاری میں کمی واقع ہوتی تھی کہے''۔

ڈی اولیری کے نزدیک اسلام کے پاس اپنا کچھ نہیں ہے مختلف مذاہب سے مختلف احکام اخذ کر کے اپنا لیا ہے، اسلامی فقہ کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ وہ ساری کی ساری رومن لاء سے لی گئی ہے، عربوں نے اس کی دفعات کو جس طرح سے شام اور مصر میں رائج پایا ان کو قبول کر لیا، جہاں تک قانونی دیوانی کی حقیقی ضروریات کا تعلق ہے اس کا بڑا ماخذ رومی قانون تھا، اور احادیث کا بڑا حصہ ان ضروریات پر مشتمل ہے، بنوامیہ کے دور میں فقہاء قانون کی کوتاہی کو اپنی رائے سے پورا کر دیتے تھے، جس کے معنی تھے کہ حق وانصاف کا تصفیہ کرتے ہوئے ایسے شخص کی رائے سے کام لیا جا رہا ہے جو رومی قانون کی تربیت پا چکا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی غار حرا میں اس وقت نازل ہوئی جب وہ راہبانہ زندگی گزار رہے تھے، یہ عیسائیوں کی رہبانیت سے اثر پذیری کا ثمرہ تھا، اسلامی تصوف کے متعلق اس کا خیال ہے کہ یونانی اثرات کا نتیجہ ہے۔

چند من گھڑت احادیث

(ماخوذ: چند معروف غیر مستند احادیث، از مفتی صداقت علی)

حدیث موضوع یعنی من گھڑت حدیث اس کو کہتے ہیں جو خود کسی نے بنایا ہو و راس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کریں۔ ذیل میں چند من گھڑت روایات کو پیش کیا جاتا ہے جو بچپن سے سنتے چلے آرہے ہیں۔

حدیث: اپنے نفس کی پہچان سے رب کی پہچان:

''من عرف نفسه فقد عرف ربه''

جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

محدثین کرام اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نہیں۔ حافظ سخاویؒ ابن السمعانیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ یحی بن معاذ رازی کا قول ہے۔ دیگر بعض محدثین فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں۔

(المقاصد الحسنہ ص/ ۴۶۶)

حدیث: اللہ تعالی کا ارشاد کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔۔۔

''كنت كنزا مخفيا فاجبت ان اعرف فخلقت خلقا''

اللہ تعالی کا ارشاد کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے چاہا کہ اپنا تعارف کرواؤں تو میں نے مخلوقات پیدا کیں۔

اس روایت کو بھی ائمہ حدیث نے موضوع قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو (روح المعانی

جلد/۲۱ ص/ ۲۷ ۔ المصنوع فی معرفۃ الحدیث ص/ ۱۴۱ ۔المقاصد الحسنہ ص ۳۳۴)

حدیث: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنا:

اللہ تعالیٰ کی شفقت و رحمت بیان کرتے ہوئے عموماً یہ بات بطور حدیث بیان کی جاتی ہے۔ اگر اپنے معنی ومفہوم کے لحاظ سے درست ہے لیکن یہ بات حدیث میں موجود نہیں ہے۔ لہذا اسے حدیث بنا کر پیش کرنے سے گریز کیا جائے۔

حدیث: عقل کے سو حصوں میں سے ننانوے حصے حضور ﷺ کو دیئے گئے:

’’خلق الله العقل فقال له ادبر فادبر ثم قال له اقبل فاقبل ثم قال ما خلقت خلقا احب الی منک فاعطی الله محمدا صلی الله علیه وسلم تسعة و تسعین جزءا ثم قسم بین العباد جزءا واحدا‘‘

اللہ تعالیٰ نے عقل کی تخلیق کی، پھر اس کو حکم دیا کہ پیچھے ہوجا، تو وہ پیچھے ہوگئی پھر اس کو حکم دیا آگے ہوجا تو وہ آگے ہوگئی پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں سے ننانوے حصے حضرت محمد ﷺ کو عطا کئے اور ایک حصہ باقی بندوں میں تقسیم کیا۔

ملا علی قاریؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ’’یہ حدیث بالاتفاق جھوٹی اور من گھڑت ہے‘‘ (المصنوع فی معرفۃ الحدیث ص/ ٦٢) اس کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ سخاوی، علامہ جلال الدین سیوطی، حافظ ابن قیم، وغیرہ رحمہم اللہ عنہم نے اسے موضوع قرار دیا ہیں۔ (فتح

الباری، المقاصد الحسنہ۔ اللآلی المصنوعہ۔ المنار المنیف)

حدیث: آپ ﷺ کا ایک بوڑھی عورت کی گھٹڑی اٹھانا:

یہ واقعہ بھی مشہور ہے، اور ہم بچپن سے سنتے آ رہے ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی یہودی عورت سر پر گھٹڑی اٹھا کر مکہ مکرمہ سے جا رہی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تو اس سے گھٹڑی لے کر خود اپنے سر پر رکھ لی، جب اسے منزل تک پہنچایا تو اس بڑھیا نے آپ ﷺ کو نصیحت کی کہ مکہ مکرمہ میں ایک شخص ہے جو لوگوں کو ان کی آبائی دین سے پھیر کر ایک نئے دین کی دعوت دیتا ہے اور اس کا نام محمد ہے، تم اس سے بچتے رہنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میں ہی ہوں تو وہ بڑھیا آپ کے حسن اخلاق سے متأثر ہو کر ایمان لے آئیں۔

یہ واقعہ بھی من گھڑت ہے، اس کا کچھ اصل نہیں۔

حدیث: سخت بارش اور سردی میں آپ ﷺ کا ابو جہل کو دین کی طرف دعوت دینا:

یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ سخت بارش اور سردی میں آپ ﷺ نے ابوجہل کے دروازہ کھٹکھٹایا تو ابوجہل نے کہا کہ اتنی سخت بارش اور سردی میں ضرور کوئی بہت ہی حاجت مند شخص میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا تا ہے، میں ضرور اس کی حاجت پوری کروں گا۔ چنانچہ جب اس نے دروازہ کھولا تو آپ ﷺ سامنے کھڑے تھے لیکن ابوجہل نے پھر بھی آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

یہ روایت بھی ذخیرہ حدیث میں موجود نہیں ہے۔ اور نہ اس کا کچھ اصل ہے۔

حدیث: اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں:

''علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل''

یہ حدیث بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔ محدثینؒ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ (المقاصد الحسنہ ۔ المصنوع فی معرفۃ الحدیث)

حدیث: عالم کا سونا عابد کی عبادت سے افضل ہے:

یہ روایت بھی بہت مشہور ہے، لیکن اس روایت کا اصل متداول اور معتبر کتب حدیث میں موجود نہیں ہے۔

حدیث: سیدنا بلالؓ کے اذان نہ دینے کی وجہ سے سورج طلوع نہ ہونا:

حضرت بلالؓ کی طرف منسوب یہ واقعہ بھی عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا بلالؓ نے فجر کی اذان نہیں دی بلکہ کسی اور صحابیؓ نے اذان دی، جس کی وجہ سے اللہ تعالی نے سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا پھر جب حضرت بلالؓ دوبارہ اذان دی تب جا کر سورج طلوع ہوا۔

اس واقعہ کو بھی علماء کرام نے بے بنیاد اور موضوع قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو خیر الفتاوی جلد/۱ ص/ ۴۸۵)

اسلامی مساوات

اسلام کی تاریخ میں دنیا کی کوئی نظیر نہیں ۔مساوات عدالت بھی ہے تاریخ اسد الغابہ یہ ایک تاریخ کی کتاب ہے حضرت فاروق اعظم کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عباس کا گھر مسجد نبوی کے قریب تھا۔ ان کے گھر کے پرنالہ کے پانی سے راہ گزر کے کپڑے خراب ہو جاتے تھے تو حضرت عمر نے حضرت عباس کی غیر موجودگی کے باوجود پرنالہ اکھیڑ دیا اور فرمایا کہ دوسری طرف رکھو۔ کسی نے کہا کہ یہ معاملہ ہو چکا ہے۔ دیکھو جھگڑے کے وقت بھی صحابہ کرام سے سبق سیکھو۔ جب حضرت عباس کو علم ہوا تو ناراض ہوئے کہ میری عدم موجودگی میں امیر نے تصرف بیجا کیا ہے۔ تو حضرت ابی بن کعبؓ جو مدینہ منورہ کے قاضی تھے ان کی عدالت میں مقدمہ درج کرا دیا۔ تو قاضی صاحب نے قیصر و کسریٰ کے پرخچے اُڑانے والے کو عدالت میں حاضر ہونے کا حکم بھیجا جب عدالت میں حاضر ہوئے تو حضرت ابی ابن کعبؓ اوپر بیٹھے ہیں اور فاروق اعظم کو حضرت عباس کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر حضرت عمرؓ بولنے لگے تو فرمایا چپ رہو حضرت عباس مدعی ہیں پہلے ان کا بیان ہوگا۔ فرمایا کہ ایک تو یہ میری عدم موجودگی میں اکھیڑا گیا ہے دوسرا یہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور عہد صدیقی میں بھی تھا اور اس کی اجازت خود حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دی تھی۔ اور مجھے حکم فرمایا تھا کہ میرے کندھوں پر چڑھ کر پرنالہ رکھ دو۔ قاضی نے گواہ مانگے دو گواہ پیش کر دیئے گئے جنہوں نے واقعہ کی تصدیق کر دی۔ تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا اب سنائیں۔ آپ کہنے لگے کہ مجھے تو پتہ نہیں تھا کہ یہ حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم مبارک سے لگایا گیا تھا اب یہ ہے کہ میں بیٹھتا ہوں حضرت عباس میرے کندھے پر چڑھ کر دوبارہ لگا دیں۔ جب حضرت عباسؓ کے حق میں حضرت ابی ابن کعبؓ

نے فیصلہ دے دیا تو حضرت عباس نے فرمایا کہ آپ نے فیصلہ میرے حق میں دے دیا ہے تو سُن لو کہ یہ مکان میں مسجد کو وقف کر رہا ہوں اسے گرا کر مسجد کو وسیع کرلو۔ یہ کس درجہ کی مساوات ہے۔ کہیں دنیا کے قوانین میں ایسی مثال ملتی ہے۔

(نکات حضرت شمس الحق افغانیؒ ص/۱۵۷)

عورت کا تقدس

قانونِ قدرت کے مطابق اس زمین کی آبادی مرد و عورت سے ہے۔ اگر ایک نہ ہوتو یہ کائنات نہ ہوتی وبث فیھا رجالاً کثیرا اس جوڑے سے بہت بڑی تعداد پھیل گئی۔ صرف مرد یا صرف عورت سے یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا اور بڑے سے بڑا آدمی سوا حضرت آدم علیہ السلام کے سب انبیاء اس عورت سے جنے گئے۔ عورت کا تقدس کون نہیں مانتا۔ جو لوگ اسلام کے متعلق ترمیم کے قائل ہیں۔ مصر میں ایک کتاب لکھی گئی ہے۔ المکارمات۔ اس کتاب میں لکھا گیا ہے کہ رومن لاء یعنی اٹلی، فرانس۔ اور انگلینڈ وغیرہ کا قانون۔ جو یورپ کی زندگی کا مدار رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورت کسی کی وارث نہیں ہوسکتی۔ گویا یورپ کے قانون نے عورت کو وراثت سے محروم کر دیا۔ گائے اور بھینس کی طرح کہ جس طرح مرنے کے بعد حیوان کو وراثت کا حق نہیں اسی طرح عورت کو بھی وراثت کا حق نہیں۔ تو رومن لاء میں یہ ہے کہ عورت کوئی چیز خرید یا فروخت نہیں کر سکتی اور جو چیز کمائے وہ خاوند کی ملکیت ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ یہ چیزیں صرف حیوان نہیں کر سکتا۔ رومن اور قانون کی عجیب چیز یہ دیکھو کہ اسلام میں تو دلہا، دلہن کی حق المہر ادا کرتا ہے مگر اس رومن لاء میں دلہن کے ورثاء، دلہا کو حق المہر ادا کریں گے۔ ۱۹۱۴ء میں ایک کانفرنس کی گئی کہ عورت میں جان یعنی روح ہے یا نہیں۔ کانفرنس نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ عورت میں روح ہے۔ یا تو یہ جذبات تھے یا جذبات اس حد تک آئے کہ عورت کو مرد سے بھی بلند مقام دے دیا۔ بیوی کو انگریز مرد اپنے آگے چلائیں گے۔ خاوند کی کل آمدنی بیوی کے اختیار میں۔ اور عورت ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہے۔ جس قوم کا نسائی قوانین کے متعلق آئینہ یہ ہو کہ وہ اسلام پر کیا اعتراض کر سکتے ہیں یورپ جب لغزش کھاتا ہے تو پھر اسلام کا قانون لے لیتا ہے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں ۲۲ ویں تہذیب چل رہی ہے اور سابقہ ۲۱ تہذیبیں عورت کی وجہ سے برباد ہوئی ہیں۔

(نکات افغانی ص/ ۱۶۲)

مزاج کی تشریح

انسانی مزاج میں کبھی صفراء اور کبھی بلغم وغیرہ کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور ان اشیاء کے علیحدہ علیحدہ مزاج ہوتے ہیں مثلاً خون کا مزاج گرم تر وغیرہ اور صفراء کا رنگ زرد اور بلغم کا رنگ سفید اور خون کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ صفراوی زرد رنگ کی اشیاء خواب میں دیکھتا ہے۔ ایسے خواب کی تعبیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ دوسری قسم سفالی ہے۔ یعنی مرض کا نتیجہ ہے مثلا اگر ملیریا بخار ہے تو اس کے مطابق دیکھے گا اور جسے آپ محرقہ ہو تو وہ اس کے مختلف خواب لکھے گا۔ تیسری قسم اشغالی ہے۔ آدمی جس قسم کا کام کرتا ہو اسی قسم کے خواب آتے رہتے ہیں۔ درزی۔ کسان وغیرہ جو بھی کام ہو اسی طرح کے کام آتے رہتے ہیں بیداری کے مشاغل کے تحت جو خواب آتے ہیں وہ قابل تعبیر نہیں۔ چہارم قسم موسمی خواب ہیں۔ کہ گرمی و سردی کے موسم کے علیحدہ علیحدہ خواب ہوتے ہیں۔ پانچویں قسم ہے شیطانی خواب۔ مثلاً یہ دیکھے کہ دین کی کتاب اٹھا رکھی ہے اور پھر پاخانہ کر رہا ہو۔ تو جس خواب کی چیزیں بے ربط ہوں تو وہ شیطانی ہیں اور یہ ڈراؤنا بھی ہوتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے خواب سے پریشان نہ ہو بلکہ لا حول ولا پڑھا کرو۔ یہ پانچ قسم کے خواب آسمان اور تعبیر سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ خواب کی اصلی قسم جس پر بنیاد ہے وہ چھٹی قسم رحمٰنی ہے۔ آدمی کی روح مرنے کے بعد اپنے اصلی وطن عالم بالا کو چلی جاتی ہے۔ تو جب آدمی سو جاتا ہے تو روح عالم بالا وطن اصلی کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اور عالم بالا میں عالم مثال ہے۔ کہ دنیا جب سے بنی اور جب تک رہے گی درمیان میں جو واقعات ہیں ان کے نقشے عالم مثال میں محفوظ ہیں۔ تو ان نقشوں میں سے ایک واقعہ روح میں منقش ہو جائے گا۔ رحمٰنی خواب اگر امتی کا ہو تو اکثر صحیح ہوتا ہے مگر پیغمبروں کا تو وحی ہوتا ہے۔ کچھ

مقدس خوابوں کا ذکر قرآن نے بھی کیا ہے۔

ایک حضرت ابراہیم کا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ دوم۔ حضرت یوسف کا خواب کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے آگے گیارہ ستارے۔ سورج اور چاند سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور والد حضرت یعقوب نے فرمایا چپ بیٹے لقد صدق اللہ رسولہ الرویا الخ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے خواب دیکھا کہ ہم طواف کعبہ کر رہے ہیں۔

(نکات افغانی ص/ ۱۸۳)

لبید شاعر

لبید عرب کا مشہور شاعر گذرا ہے۔ اس کی عمر ایک سو ساٹھ برس کی تھی۔ ۸۰ سال کا فر رہا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں تھا مگر زیارت سے محروم رہا۔ جب اسلام لایا تو شعر پڑھنا بند کر دیا تو لوگوں نے کہا آپ اب شعر کیوں نہیں پڑھتے تو فرمایا کہ مجھے قرآن سے شرم آتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم زندہ تھے ایک شعر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ نے نے فرمایا کہ سب شعراء میں سے صرف لبید کی بات سچی ہے۔ اس کے پہلے مصرع کا ترجمہ۔

کہ خوب سن لو کائنات کا ہر ذرہ مٹ جائے گا ماسواء اللہ تعالیٰ کے کل شئی ما خلا اللہ باطل زائل۔ شارحین کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پہلے مصرع کو تو فرمایا تو دوسرے کا ذکر نہیں فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فقرہ کا مضمون غلط ہے کیونکہ ایک نعمت جنت بھی ہے جو مٹنے والی نہیں۔ مگر اس نے مصرع یوں کہا۔ وکل نعیم لا محالة زائلة تو

بہر حال جب یہ معلوم ہو گیا کہ دنیا حق و باطل کا مجموعہ ہے۔حق لازوال اور باطل زوال پذیر ہے۔حق کا تعلق اللہ سے ہے اور جو باطل سے جڑا وہ اللہ سے کٹ گیا۔

(نکات افغانی ص/ ۱۹۱)

دھریہ پروفیسر سے گفتگو

آج کل انسان عمل کرنے کی خاطر مسائل نہیں پوچھتے بلکہ دماغی فرحت کی خاطر مسئلہ تقدیر وغیرہ پوچھتے ہیں۔ کما ان للبصر حداً لایتجاوزہ، کذلک العقل حد لا یتجاوزہ. یہ دعویٰ کرنا کہ ہماری عقل کی پہنچ ہر جگہ ہوگی۔ یہ غلط ہے ہم بھی اس آیت کی تفسیر میں نہ پڑتے مگر آجکل عقیدہ بگڑنے کا خطرہ ہے اس لیے وضاحت کرتا ہوں۔ لیکن آپ کو ایک خاص مسئلہ واضح کرتا ہوں کہ تقدیر اور افعال کا خالق یہ دونوں اسلام کے مسئلے ہیں۔ صرف مولوی سے پوچھنا چاہیے؟ نہیں بلکہ ہر مذہب والوں سے پوچھنا چاہیے۔ یہ دہریہ منکرِ خدا یہود وغیرہ سب کے ذمہ ہے۔ مطلب یہ کہ جو کوئی پوچھے ہم اسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ بھی اسے حل کر دو۔ دہریہ کے سلسلہ میں ایک قصہ ذکر کروں۔

علی گڑھ کالج میں ایک مسلم سائنس دان تھا اس کو سائنس کے مطالعہ نے ایسے فلسفہ پر پہنچایا کہ خدا تعالیٰ کا انکار کرنے لگا۔ تو اسے معلوم تھا کہ انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ علم یورپین مما لک کا ہے۔ تو وہ میرے پاس دارالعلوم دیو بند آیا یہ عصر اور مغرب کا درمیانی وقت تھا۔ میں نے کہا کہ وقت تو بہت تنگ ہے اس لیے اسلام کے خلاف جو سب سے بڑا مشکل سوال ہو وہ آج بیان کریں باقی کل کرلیں گے۔ تو اس نے یہی تقدیر اور افعال کا خالق تقدیر والا کیا۔ تو وہ فلسفی تھا۔ اور فلسفہ بغیر علۃ وسبب کے بیان نہیں ہوسکتا ایک تو یہ اور دوسرا فلسفہ کے لیے قانون یہ ہے کہ ایک چیز اگر ایک مکان میں ہے اور اگر وہ دوسرے مکان میں ہو تو اس کے لیے خاص سبب کی ضرورت ہے اور رکھنے والے نے رکھا ہے۔ اور فلسفہ کے لیے تیسرا قانون یہ کہ ایک چیز کسی مختلف زمانہ میں ہوسکتی ہے۔ تو خاص جگہ پر ہونا یہ بھی خاص سبب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح

آپ روزانہ مسجد میں آتے ہیں مگر جمعہ اور اتوار کو خاص درس قرآن کی وجہ سے آتے ہیں۔ میں نے کہا، کہاں سے تشریف لائے، کہا علی گڑھ سے۔ میں نے کہا کب تشریف لائے، کہا کہ فلاں دن۔ میں نے کہا کہ علی گڑھ سے آنا یہ ایک حرکت ہے۔ آپ خاص اس دن کیوں آئے کسی دوسرے دن آجاتے۔ کہا کہ دہلی علاج کروانے کے لیے۔ میں نے کہا کہ بیماری کیوں ہوئی؟ کہا کہ فلاں چیز کھائی تھی۔ میں نے کہا کہ وہ چیز آپ اس وقت کے علاوہ اور وقتوں میں بھی کھا سکتے تھے۔ تو کیوں جو اس کے پیچھے لگا تو کھبرا گیا۔ کہنے لگا کہ اس طرح تو کیوں میرا پیچھا نہ چھوڑے گا تو دس منٹ بعد کہنے لگا کہ میرا پہلا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ یعنی خدا کا قائل ہو گیا کیوں کہ (کیوں) کا جو دور چلا تھا آخر یہ خدا تک جا پہنچتا اس لیے مان گیا۔ تو اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ یہ سوالات روس کے دہریہ وغیرہ سے بھی کر سکتے ہیں۔ کہ یہ کام کیوں ہوا وغیرہ۔ تو تمام منکرین خدا اور محبین خدا کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر مسئلہ کو دیکھیں کہ اس کی آخری کڑی کہاں جا پہنچتی ہے۔ تو یہ مسئلہ عقلی و نقلی دونوں اعتبار سے مشکل ہے۔

(نکات افغانی ص/ ١٩٣)

علمی لطیفہ

لکھنؤ کے لوگ بڑی مہذب اردو بولتے ہیں ایک مرتبہ ایک پنجابی کی لکھنو کے آدمی سے لڑائی ہوگئی پنجابی نے اسے ماں کی گالی دی اس آدمی نے جواب میں کہا کہ دیکھئے صاحب! یہ گستاخی نہ کیجئے ورنہ میں آپ کی ماں جو کہ میری بھی ماں ہے اس کی شان میں گستاخی کروں گا۔

(ملفوظات مولانا عبدالمجید لدھیانوی ؒ ص/ ١٠٠)

مولانا ابوالکلام آزاد کی مجعول کتب

(ماخوذ: اُردو کے ایوانوں میں، از ڈاکٹر مظفر عباس)

مولانا آزاد کی سیرت اور مقام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی ناشروں نے دوسرے لوگوں کی کتابیں ان کے نام سے شائع کر دیں۔ ان کتابوں کا مواد، انداز واسلوب کسی بھی طرح ابوالکلام کے انداز واسلوب سے لگا نہیں کھاتا، مندرجہ ذیل میں کتب ایسی ہیں جنہیں ابوالکلام کی مجعول کتابیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کو مجعول قرار دینے کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا انداز واسلوب ابوالکلام کے اسلوب سے یکسر مختلف ہے، دوسرے یہ کہ عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا غلام رسول مہر، شیخ اکرام، ڈاکٹر سید عبداللہ، مالک رام اور عابد رضا بیدار کسی نے بھی ان کتاب کو ابوالکلام کی تصانیف کی فہرست میں شمار نہیں کیا ہے اور پھر خود مولانا آزاد کی کسی تحریر مضمون یا تصنیف میں ان کا حوالہ نہیں ملتا۔ ان مجعول کتب کی تعداد چار ہے:

۱۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم (شائع کردہ مکتب عصمت، لاہور)

۲۔ خون شہادت کے دو قطرے (مطبوعہ مولا بخش کشتہ اینڈ سنز۔ امرتسر)

۳۔ انسانیت موت کے دروازے پر (مطبوعہ مکتبہ شعر وادب لاہور)

۴۔ شہید اعظم (مطبوعہ مکتبہ رحمانی دلی)

ان کتب کے بارے میں مفصل معلومات درج میں ہیں۔

۱۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ کتاب جو ۱۹/ ۳۰۔۲۰ سائز کے ۲۵۲ صفحات پر مشتمل ہے، مکتبہ عصمت لاہور سے اشرف پریس لاہور نے چھپوا کر شائع کی ہے، کتاب پر سن اشاعت درج نہیں ہے، قیمت پانچ

روپے ہے۔ یہ بنیادی طور پر ایک ڈرامہ ہے جس میں ولادت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر وصال تک کے حالات ڈرامائی انداز اور ایک مربوط پلاٹ کی صورت میں درج ہیں۔ ڈرامہ کے آغاز سے پہلے صفحہ ۵، ۶ پر مولانا کی جانب سے ایک مختصر دیباچہ شامل کیا گیا ہے جس میں اس ڈرامے کے لکھنے کی غرض سے بقول پبلشرز مولانا کے الفاظ میں مولانا کی جانب سے یہ بیان کی گئی ہے۔

''سیرت پاک پر بہت سی کتابیں اُردو میں نکل چکی ہیں مگر ناکافی ہیں اور بہت سی لکھنا چاہیے تاکہ مسلمان سیرت پاک کو اپنے دلوں پر نقش کرسکیں اور سیرت پاک کی روشنی میں اپنی زندگیاں سنوار سکیں۔ زندہ رہا تو انشاءاللہ سیرت پاک پر ایک ایسی کتاب لکھوں گا جیسی آج تک لکھی نہیں لکھی گئی لیکن یہ کتاب جو اس وقت آپ کے سامنے ہے، جب نذر سے گزری تو پسند آئی۔ کتاب نئے انداز سے لکھی گئی ہے اور یہ انداز ہمارے زمانے میں دنیا کے ہر ملک میں بہت پسند کیا جاتا ہے، سوچا اسے اُردو میں ترجمہ کردوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ صرف ایک مہینے کی مدت میں پوری کتاب اُردو میں ہوگئی۔''

دیباچے میں یہ بھی نہیں لکھا کہ یہ کس کتاب کا ترجمہ ہے البتہ یہ لکھا ہے کہ: ترجمے میں انشاء پرداری کی کوشش کی گئی ہے نہ عبارت کو بھاری بھرکم بنانے کی۔ سادہ اور آسان زبان سے کام لیا گیا ہے تاکہ سب کی سمجھ آجائے۔

میری رائے میں یہ اس لیے لکھا گیا ہے کہ قارئین کو ابوالکلام کے اسلوب خاص کا اس کتاب میں نہ ہونا کھٹکے نہیں۔ اس کتاب کو ابوالکلام کی تصنیف تسلیم نہ کرنے کی مستحکم شہادتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ اس کتاب کا نہ مولانا آزاد نے کہیں ذکر کیا نہ ان کے کسی نقاد نے ان کی تصانیف میں

اس کتاب کو شامل کیا ہے۔

۲۔اس کتاب کا اسلوب اور انداز بیان ابوالکلام کے اسلوب و انداز بیان سے یکسر مختلف ہے۔بعض جگہ تو انتہائی نچلی سطح کی زبان استعمال کی گئی ہے۔

۳۔اس کتاب کا معیار بھی ابوالکلام کے شایان شان نہیں،مولانا آزاد جیسا کہ اس کتاب کے دیباچے میں (اگر چہ یہ دیباچہ جعلی ہے) دعوی کیا گیا ہے اوران کی دیگر تحریروں سے بھی ثابت ہے،عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبے ہوئے عالم دین تھے وہ شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی صورت میں بھی گھٹانے کے سزاوار نہیں ہوسکتے جبکہ اس کتاب سے سراسر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اور یہ اس حدتک سوفیانہ انداز میں لکھی گئی ہے کہ کتاب سے مثالیں کرنا بھی سر ہرادب ہے۔

اس کتاب میں اس حدتک گستاخانہ اور سوقیانہ انداز میں لکھی گئی ہے کہ کتاب سے مثالیں بھی پیش کرنا ادب ہے۔ یہ خرافات اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے ان کی شان گھٹانا مقصود معلوم ہوتا ہے،ابوالکلام آزاد جیسے جید عالم اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی خرافات کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی۔ لہذا یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ یہ کتاب ابوالکلام کی نہیں ہے۔

صحیح صورتحال یہ ہے کہ یہ کتاب توفیق حکیم کے ڈرامے ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کا ترجمہ ہے جس کے مترجم عبدالرزاق ملیح آبادی ہیں اور مولانا کی شہرت اور مقام سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے پبلشر نے غلط طور پر یہ کتاب مولانا سے منسوب کر دی اور ساتھ ہی ان کی جانب سے دیباچہ بھی شامل کر دیا جو تم بارنے ستم ہے۔

۲۔خون شہادت کے دو قطرے:

یہ کتاب بھی غلط طور پر مولانا آزاد سے منسوب کر دی گئی ہے۔صحیح صورت یہ ہے کہ یہ ملا واحدی کی مرتب کتاب ہے جو دو مضامین پر مشتمل ہے۔ان مضامین میں ایک منصور حلاج پر ہے جو ملا واحدی کا لکھا ہوا ہے جبکہ دوسرا مضمون بعنوان "سرمد شہید" مولانا آزاد کا لکھا ہوا ہے۔سرمد شہید پر مولانا کا یہ مضمون ابتداء۔"نظام المشائخ دہلی کے شہید نمبر میں 1910ء میں شائع ہوا تھا اور بعد میں اس مضمون کو"رباعیات سرمد" (مترجم صولت لکھنوی) مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی (۱۹۳۸ء) کا دیباچہ بنا لیا گیا تھا۔البتہ اس کتاب کو شی مولانا بخش کشتہ اینڈ سنز پبلشرز امرتسر نے صحیح صورت میں شائع کیا ہے اور سرورق پر یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس کے مؤلف مولانا آزاد اور ملا واحدی دونوں ہیں۔ ہے مگر کتاب کے اندرونی صفحات کو پڑھ کر غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ دوسرے مضمون بعنوان سرمد شہید کی ابتداء میں مرتب کا نوٹ شامل ہے جس میں اس مضمون کے لکھے جانے پر مولانا آزاد کی تعریف و تحسین اور مولانا کا تعارف کرایا گیا ہے۔اور آخر میں یعنی مضمون کے خاتمے پر ابوالکلام آزاد دہلوی کے الفاظ درج ہیں۔جس سے دوسرے مضمون کے متن کا تعین ہو جاتا ہے لیکن پہلے مضمون کی ابتداء یا آخر میں کہیں بھی واحدی کا نام نہیں جس سے یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ مضمون کس کا ہے، اس بناء پر یہ دونوں مضامین آزاد سے منسوب ہو گئے اور بعض لوگوں نے اس کتاب کو بھی آزاد ہی تصانیف میں شامل کر لیا۔

اس کتاب کے آغاز میں مدیر، نظام المشائخ، دہلی کا مضمون بعنوان"منصور الشہید" شامل ہے، یہ مضمون کتاب کے صفحہ ۱ تا ۱۱ پر موجود ہے۔اس کے بعد صفحہ ۱۲ سے مولانا آزاد کے مضمون"سرمد شہید" کا آغاز ہوتا ہے۔اسی صفحے پر مرتب کی جانب کی یہ نوٹ موجود ہے۔

"سرمد کی شہادت اگرچہ ہر خاص و عام میں مشہور ہے مگر اس کے واقعات اُردو زبان میں آج

تک قلمبند نہیں ہوئے۔مولانا ابوالکلام محی الدین آزاد دہلوی (چیف ایڈیٹر" الہلال کلکتہ) شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس ضرورت اور کمی کو پورا کیا اور خوب پورا کیا بقول سید خواجہ حسن نظامی، باعتبار ماہر اُردو زبان میں اس سے اعلیٰ اور شاندار الفاظ آج تک کوئی جمع نہیں کرسکتا اور باعتبار معانی یہ سرمد کی زندگی وموت کی بحث معلوم نہیں ہوتی بلکہ مقامات درویش پر ایک البیلا اور مستانہ خطبہ نظر آتا ہے۔حضرت آزاد (مسلمانوں) کے اس دور آخر میں اچھے وقت کی زہادت وذکاوت کا مجسم ظہور ہیں۔اگر مسلمانوں کی قدردان حکومتیں باقی ہوتیں تو ہم جیسے بے نوا آزاد تک کہاں پہنچ سکتے کیونکہ ان کے گرد تابعداروں کا حلقہ ہوتا۔ آپ ایک مشہور صحافی بزرگ مولوی خیرالدین صاحب کے صاحبزادے ہیں جن کے اضلاع بمبئی وبنگال میں ہزارہا مرید پائے جاتے ہیں۔عربی، فارسی، اُردو تینوں زبانوں پر ان کو یکساں قابو حاصل ہے، تحریر کا نمونہ تو ناظرین کے سامنے ہے۔تقریر اس سے بڑھ کر دلآویز اور جادوخیز ہوتی ہے۔'' (مرتب)

اس نوٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزاد کا یہی مضمون کتاب میں شامل ہے اور پوری کتاب ان سے منسوب کرنا درست نہیں ہے پھر دونوں مضامین کا اسلوب بھی اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہے۔

۳۔شہید اعظم:

''شہید اعظم'' کے نام سے ابوالکلام آزاد کے حوالے سے یہ کتاب مکتب رحمانیہ دہلی نے ۱۹۲۷ء میں شائع کی تھی یہ کتاب چھوٹے سائز کے ۷۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ابتداء میں صفحہ ۳ ۴، پر مولانا کی جانب سے مختصر دیباچہ شامل کیا گیا ہے جس کے نیچے ۱۵ جولائی ۱۹۲۷ء کی تاریخ درج ہے۔کتاب کے صفحہ ۵ سے تمہید کے بعد واقعات کربلا کا آغاز ہوتا ہے جو صفحہ ٦٧ تک

چلتے ہیں۔ صفحہ ٦٨ پر ''اسوۂ حسنہ علیہ السلام'' کے عنوان سے ایک نئے مضمون کا آغاز ہوتا ہے۔ اس مضمون کے عنوان کے نیچے لکھا ہوا ہے۔

''از مولانا ابوالکلام آزاد''

درحقیقت یہی مضمون (جو مکمل نہیں ہے) مولانا آزاد کی تحریر ہے اور ابتدائی صفحات مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی تحریر ہیں جو ۱۹۰۳ء میں ''الہلال'' کی مختلف اشاعتوں میں بغیر نام کے شائع ہوتی رہی۔ یہ حصہ ''انسانیت موت کے دروازے پر'' میں بھی ہو بہو شامل ہے جو بالتحقیق ملیح آبادی کی تصنیف ہے۔

اس موضوع پر مولانا آزاد نے ۵ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ کو مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال کلکتہ میں ایک خطبہ دیا تھا۔ یہ خطبہ بعد میں ۱۹۴٦ء میں ''شہادت حسین'' کے نام سے آفندی برادرس لاہور سے شائع کیا ہے اور یہ یقیناً مولانا کی اپنی تالیف قرار دی جاسکتی ہے ''شہید اعظم'' میں اس خطبے کا ایک حصہ بطور مضمون بعنوان ''اسوۂ حسین علیہ السلام'' شامل کیا گیا ہے۔ اس مضمون کے ساتھ مولانا کے نام کا لکھنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ صرف یہی حصہ مولانا کی تحریر ہے اور اس سے پیشتر کا حصہ مولانا سے تعلق نہیں رکھتا اور محض کتاب کی شہرت کے لیے سرورق پر مولانا کا نام دے دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے جعلی ہونے کی دو اور مستحکم دلیلیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ اسوہ حسین کے زیر عنوان مضمون کا اسلوب مولانا آزاد کا مخصوص اسلوب ہے جبکہ ابتدائی حصے کا اسلوب اس سے یکسر مختلف اور مولانا کے مخصوص اسلوب سے بالکل علیحدہ ہے۔ یہ بات ناممکن ہے کہ ایک ہی کتاب میں ایک ہی مصنف دو مختلف اسالیب برتے۔

۲۔ مولانا کے سوانح واذکار لکھنے والوں میں سے کسی نے بھی اس کتاب کو مولانا کی تصانیف وتالیفات میں شامل نہیں کیا ہے اور عابد رضا بیدار نے تو واضح طور پر اسے جعلی کتابوں کی فہرست

میں رکھا ہے۔

۴۔انسانیت موت کے دروازے پر:

یہ کتاب چھوٹے سے سائز کے ۲۰۲ صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ شعر وادب لاہور سے مئی ۱۹۴۴ء میں شائع کی ہے۔اس میں انتالیس اسلامی شخصیات کے حالات شامل ہیں ابتداء میں آٹھ صفحات پر مشتمل فضل الٰہی عارف کا دیباچہ ہے۔

کتاب کے آغاز میں دیباچہ نگار لکھتے ہیں:

''الہلال'' کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بھرتی کا کوئی مضمون نظر نہیں آتا۔ بھرتی تو الگ رہی، کوئی مضمون ایسا نہیں جسے کم اہم اور کم مفید کہا جا سکے، اس میں جو مضامین خود مولانا آزاد کے قلم سے نکلے ہیں۔ان کی دلکشی اور جامعیت تو مسلم ہے لیکن جو مضامین دوسروں کے چھپے انہیں بھی مولانا نے اپنی مخصوص طرز کی اصلاح وترمیم سے اس طرح اپنا لیا ہے کہ اگر مضمون کے ساتھ مضمون نگار کا نام نہ ہوتو یہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ مضمون مولانا کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے یا کسی اور کا لکھا ہوا ہے۔''

یہی بات دراصل اس مجموعے کے مرتب کی اپنی غلط فہمی کا باعث بھی ہے اور وہ الہلال میں شائع شدہ مولانا کے ہاتھوں ترمیم واصلاح شدہ ان مضامین کو خود مولانا آزاد کا سمجھ بیٹھے ہیں کہ ایک سلسلہ مضامین اس عنوان کے تحت ۱۹۲۷ء میں الہلال میں جاری ہوا تھا اور عبدالرزاق ملیح آبادی اس عنوان کے تحت مضمون لکھا کرتے تھے جو نام کے بغیر شائع ہوتے تھے۔لہذا یہ مضامین مولانا کے نہیں ملیح آبادی کے ہیں۔کتاب کے جعلی ہونے کی مندرجہ ذیل شہادتیں ملتی ہیں۔

ا۔اس کتاب کے سرورق پر کتاب کے نیچے جلی قلم میں الہلال'' لکھا ہوا ہے، نیچے باریک

کے ساتھ ابوالکلام آزاد درج ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نام کا فائدہ اٹھانے کے لیے مولانا کے نام کو شامل کرلیا گیا ہے جبکہ مرتبین کو بھی معلوم ہے کہ مضامین کے مؤلف کا نام ''الہلال'' ہے (یعنی بغیر کسی شخص کے نام کے ارادے کی جانب سے چھپتے رہتے ہیں) یہ اس بات کی مستحکم دلیل ہے کہ مضامین مولانا آزاد کے نہیں ہیں۔

۲۔ اس بات کی شہادت کے یہ مضامین ملیح آبادی کے ہیں، ملیح آبادی کی کتاب ''ذکرآزاد'' کے اس اشتہار سے مل جاتی ہے جس میں مولانا ملیح آبادی کی دیگر تصنیف وتالیف کے زیر عنوان ''انسانیت موت کے دروازے پر'' کو مولانا ملیح آبادی کی تصانیف میں شامل کیا گیا ہے۔

۳۔ اگر اس کتاب کو ملیح آبادی کی تصنیف نہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی یہ بات مسلم ہے کہ یہ مضامین ''الہلال'' کی اشاعتوں میں نام کے بغیر شائع ہوئے لہذا احتیاطاً حتمی طور پر انہیں مولانا کی تصنیف قرار نہیں دیا جا سکتا جبکہ اس سلسلے میں کوئی شہادت بھی نہیں ملتی کہ یہ مولانا کے قلم کا شاہکار ہیں۔

۴۔ پھر وہی اسلوب کی بات آتی ہے۔ ان تمام مضامین کا اسلوب مولانا آزاد کا اسلوب معلوم نہیں ہوتا البتہ ملیح آبادی کے اسلوب سے یقیناً ملتا ہے، یہ ضرور ہے کہ مولانا کی ترمیم و اصلاح کے بعد اس کا درجہ بلند ہو گیا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کتاب بھی مولانا کی تصانیف وتالیفات میں شامل نہیں کیا جا سکتی اور اسے مجعول کتابوں کی فہرست ہی میں شامل کیا جانا چاہیے۔

جنگ، جہاد اور دہشت گردی

(ماخوذ: آ ساپ بلوچستان سیریز 10 ''دشمن کی عیاریاں''، مضمون نگار: منظور عزت بلوچ)

تاریخی اعتبار سے جن واقعات کو تاریخ تکرار کے ساتھ یاد کرتی ہے وہ ہے جنگوں کی تاریخ۔ جنگ' جہاد' لڑائیاں' فساد' جھگڑے' دہشت گردی انسانی فطرت کے اعتبار سے کیا کہلاتے ہیں۔ احساسات' محسوسات' جذبات' رجحانات' کا تعین نفسیات کی باریکیوں میں ڈھونڈا جا سکتا ہے لیکن جنگوں کی ان مختلف انواع کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں اور جنگوں کے ذریعے کیا مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں؟ ہم شاید یہی کہہ سکتے ہیں کہ جنگیں سیاسی' معاشی' جغرافیائی' مذہبی' تہذیبی و ثقافتی خطوط پر لڑی گئی ہیں اور لڑی جا رہی ہیں۔ جنگوں کے تناظر میں ''ہیراقلیطس'' (Heracleitus) کا کہنا ہے'' جنگ یا مسابقت ہر چیز کی ماں ہے'' اس سوچ کے تحت جنگوں کے اسباب مملکتوں اور افراد میں ایک ہی جبلتوں کے تحت پائے جاتے ہیں یعنی بالادستی و قبضہ گیری کی آرزو یا اقتصادی خود کفالت۔ سیاسی طاقت' ہمیشہ سے ریاستوں اور افراد کی جنگی جبلت پر ایک موثر عامل کے طور پر کارفرما چلی آ رہی ہے البتہ نظریاتی' تہذیبی' مذہبی جنگوں میں سردست اولیت اس مقصد کو حاصل رہی ہے جس کے تحت قومیت کے جذبے، مذہبی جوش اور تہذیبی اقداروں کو ایک مخصوص دائرے کے اندر ہوا دی گئی ہو لیکن مقاصد کی حصول یابی کے بعد ایک غیر محسوس طریقے سے قومیت کے جذبے' مذہبی جوش اور تہذیبی اقداروں کو پابندی کی زنجیر پہنائی جاتی ہے کہ وہ مدمقابل قوم' مذہب اور تہذیب کی قومی ثقافت و تہذیب' مذہبی آزادی' اور تہذیبی اقداروں کا خاص خیال رکھیں۔ اس کے لئے پھر خاص حکمت عملی کے تحت' سیاسی وفود' مذہبی علماؤں کی حمایت' ثقافتی طائفے حکومتی خرچ پر بادشاہوں کی طرف سے خاص تحفہ

تحائف پیغامات دے کر بھیجے جاتے ہیں تا کہ ایک دوسرے کی قومی آزادی' مذہبی وتہذیبی آزادی کا احترام کیا جا سکے۔جس کو ملیا میٹ' تہس نہس کرنے کے لئے جنگوں کے تباہ کن راستہ کو اختیار کر کے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے اعزازات اپنے سینے پر سجائے گئے تھے۔جنگوں کی بھیانک تاریخ آج بھی وحشت ودہشت کی داستان اپنے باطن میں سموئے ہمیں عبرت حاصل کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، ہم اگر عالمی جنگوں کی بھیانک تاریخ کا پہلا صفحہ کھولیں تو علاقہ گیری وقبضہ گیری کا جنون اس وقت ایک ''صد سالہ'' جنگ میں تبدیل ہوا، جب انگریزوں نے ''فرانسیسی'' علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے اپنے قدم فرانسیسی سرزمین پر رکھے۔قسطوں میں چلنے والی یہ لڑائی 1331ء سے شروع ہو کر 1453ء تک چلاتی رہی۔اس کے بعد انگلستان میں پھولوں کی جنگ کے نام سے یارک شائر اور لنکا شائر کے درمیان سیاسی مقاصد وطاقت حاصل کرنے کے لئے 1455ء سے لڑائی شروع ہو کر 1487ء تک چلتی رہی۔

1618ء میں عیسائیت کے دو فرقوں کے درمیان کھیتو لک لیگ' پروٹسٹنٹ جرمن ریاستوں کے درمیان ایک جنگی سلسلہ شروع ہوا جس کے نتیجے میں سوئٹر رلینڈ آزاد ہوا اور مذہبی آزادی کے اقرار نامہ تک 1648ء کو ختم ہوا۔اقتدار گیری کی ہوس 1765ء کو پروشیا میں شروع ہوئی جب فریڈرک دی گریٹ کو اقتدار سے ہٹانے اور ملکہ ماریا سالسبا کو اقتدار دلانے کے لئے پروشیا کی حمایت میں انگلینڈ اور دوسری طرف روس' فرانس' آسٹریا اور سویڈن' جنگ میں کود پڑے۔یوں یہ جنگ سات سال یعنی 1773ء تک جاری رہی۔1775ء میں انگریزوں نے جب شمالی امریکہ کی ریاستوں پر قبضہ کرنے کی خاطر اپنی فوجی دستے وہاں بھیجے تو وہاں ایک تین سالہ مزاحمت نے جنم لیا۔تب امریکہ انگریزی تسلط سے آزاد ہوا۔1788ء کو جنگ ختم ہوئی۔ادھر انقلاب امریکہ نے انقلاب فرانس کے لئے راہوں کو بڑی حد تک استوار کیا۔فرانس جہاں نا

ہموار معاشرتی نظام، متوسط طبقہ میں بے علمی، کسانوں پر ٹیکسوں کا بوجھ شرفاء کی عشرت پرستی نے فرانسیسی عوام کو بہت کرب واذیت میں مبتلا کر رکھا تھا اور غریب عوام اپنے حقوق کے لئے آواز نہیں اٹھا سکتے تھے اور 1854ء میں ''جنگ کریمین'' میں ترکی، برطانیہ، فرانس وغیرہ نے روس کے خلاف متحد ہو کر جنگ کا میدان گرم رکھا، اور اتحادی فوجوں نے 1856ء تک ''انکرمان'' اور بالا کلاوا پر اپنی فتح کے جھنڈا لہرانے تک یہ جنگ جاری رکھی۔ جھانسی کی رانی اور نانا صاحب کی لیڈر شپ میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے حق میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی 1857ء کے نام سے ہندوستان میں ایک بھرپور تحریک چلائی گئی لیکن یہ بری طرح ناکام رہی۔ جغرافیائی حدوں کی الگ شناخت کے حوالے سے 1860ء کو امریکی شمالی وفاقی ریاستو ں اور جنوبی ریاستوں کے درمیان 1865ء تک ایک جنگ لڑی گئی جسے تاریخ ''امریکی سول وار'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ایک جنگ مشہور جاپانی جنگوں کے نام سے کوریا کے مسئلے پر لڑی گئی۔ اس کے علاوہ قبضہ گیری کے تحت 1904ء تا 1905ء کو ایک جنگ روس اور جاپان کے درمیان لڑی گئی، جس میں روس نے پورٹ آرتھر پر قبضہ کیا اور یہ جنگ امریکی مداخلت پر 1905ء کو ختم ہوئی۔ 1912ء میں بلغاریہ اور سربیا نے جب ترکی کے یورپی علاقوں پر قبضہ کر لیا تو بلقان جنگ کے نام پر ایک جنگ شروع ہوئی جو 1913ء تک جاری رہی۔

ان سب کے علاوہ دنیا کی عظیم قوتوں کے درمیان معرکہ عظیم جو دنیا کی جنگی تاریخ میں ''جنگ عظیم اول'' کے نام سے مشہور ہے، جس میں جرمنی، آسٹریا، ترکی، بلغاریہ اتحادیوں کی صورت میں اکٹھے تھے۔ 1914ء کو شروع ہو کر گیارہ نومبر 1918ء کو ایک معاہدے کی رو سے ختم ہوئی اور پھر جنگ عظیم دوئم 1939ء کو اس وقت شروع ہوئی۔ جب جرمنی ہٹلر کی قیادت میں دوبارہ ابھرا اور اس نے اپنے علاقوں کی واپسی کا مطالبہ کر کے اپنی جنگی جنونیت میں مبتلا ہو کر یکم ستمبر 1939ء

کو پولینڈ پر حملہ کر دیا، اس بھیانک آگ کی بھوک اس وقت ختم ہوئی اور اس جنگ کا اختتام تاریخ انسانی کے ایک ایسے بھیانک موڑ پر ہوا کہ آج تک اس انجام کو سوچ کر مہذب دنیا اپنا چہرہ جیت کی پھٹی پرانی چادر سے ڈھانپ لیتی ہے۔ ایٹم بم کا استعمال پہلی بار ''ہیروشیما'' اور ''ناگاساکی'' جاپان پر امریکہ کی طرف سے کیا گیا اور لمحوں کے اندر جیتا جاگتا انسان مٹی میں ''رل مل'' گیا۔ تب 10 اگست 1945ء کو جاپان نے امن کا سفید (صلح) جھنڈا لہرا کر جنگ بندی کا اعلان کیا۔ جنگوں کی یہ نا ختم ہونے والی بھیانک داستان یہاں ختم نہیں ہوتی ہے۔ انسانی تحریر شدہ دستیاب تین ہزار چار سو اکیس 3421 برسوں کی تاریخ میں فقط دو سو اڑسٹھ 268 برس ایسے ہیں جن میں جنگوں کا تذکرہ موجود نہیں وگرنہ جنگ میراتھن، جنگ ایکٹیم اور ہیسٹنگز کی لڑائی، ترائن کی لڑائی، تھاسیر، پانی پت، پلاسی، نامل، ٹرافلگر، آسٹرلیز، پیٹرز گ، واٹرلو، تیوریئو اور پورٹ ارتھر ریئو کی لڑائیاں اپنی بطون میں سوچنے اور سمجھنے کے لئے نسل انسانی کے لئے سامان عبرت لئے ہوئے ہیں۔ جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جنگ کسی مسئلہ کا حل نہیں بلکہ جنگیں بذات خود سب سے بڑے مسئلے ہیں۔

عالمی جنگوں کی اس طویل اور تھکا دینے والی داستان جن میں سیاسی اقتدار، علاقائی قبضہ گیری کا جنون، تجارتی مقاصد، تجارتی منڈیاں، نوآبادیات، جیسے مقاصد کارفرما دکھائی دیتے ہیں ان کے علاوہ ہم انسانی سفر کے اس نشیب وفراز میں نظریات وافکار، مذہب کے پرچار، تہذیبی وثقافتی خطوط پر لڑی جانے والی جنگوں کی ایک طویل داستان سے بھی واقف ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب، امن و بھائی چارے، عدم تشدد کے پرچار کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں۔ جنگ جسے ہر سیاسی، معاشی، تہذیبی اور مذہبی سوچ وفلسفہ کا ایک ناگزیر اور آخری حربہ قرار دیا جاتا ہے اور اسلامی اصولوں کے مطابق فساد، لڑائی جھگڑا، تشدد کی تو انتہائی حد تک ممانعت کی

گئی ہے اور وہ جدید اصطلاح جو اپنی معنویت کے اعتبار سے انتہائی حد تک قدیم ہے جس کا اسلامی مذہب و معاشرے سے دور کا بھی رشتہ نہیں یعنی دہشت گردی جسے آج کی صورت حال میں مغربی ذرائع ابلاغ اسلامی قدروں سے جوڑ رہے ہیں اور وہ عمل جسے اسلام پسند قوتیں جہاد او رمغرب پسند قوتیں دہشت گردی قرار دے رہی ہیں جہاد کو اسلامی اصولوں اقدار و کردار و عمل کے لحاظ سے کس نظر سے دیکھا اور سمجھا جاتا ہے یعنی جس جذبے اور عمل کو جہاد کہتے ہیں وہ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ہے کیا۔؟ اس سلسلے میں ہمیں جہاد کے بنیادی فلسفہ سمجھنے کے لئے جہاد کی اقسام پر غور کرنا پڑے گا تا کہ ہم جہاد کی اصل روح کو سمجھ سکیں اسلامی نقطہ نگاہ میں پانچ ایسے مسلسل عمل ہیں جن کو جہاد کی قسموں میں شمار کیا گیا ہے یعنی علم کا جہاد' عمل کا جہاد' مال کا جہاد' نفس کا جہاد' اور آخری عمل جسے مغربی میڈیا ایک خاص حکمت عملی کے تحت ایک غیر منطقی طریقہ کار کے تحت دہشت گردی قرار دے کر اسلامی اقدار سے جوڑنے کی کوشش کر رہا ہے اسے ''جہاد بالقتال'' کہا گیا ہے' جس طرح جہاد کی پانچ قسموں میں ''جہاد بالقتال'' اسلامی شریعت میں آخری نمبر پر ہے اور جس طرح جنگ کو دنیا کے تمام معاشروں میں ''مجبوری'' اور آخری نمبر پر کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے اس موجودہ صورتحال میں اگر محسوس کیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آخری عمل جسے کہیں جنگ، کہیں جہاد اور کہیں دہشت گردی کہا جاتا ہے کس کے لئے آخری راستہ ہے اور کس کیلئے اولین ؟ اس کے شاید عالمی توسیع پسندانہ اور قبضہ گیرانہ Territoriad Aggrandisement جنگوں کی تاریخ کے علاوہ ان اسلامی جنگوں کی اسلامی تاریخ کو بھی سامنے رکھنا ہوگا جو خالصتاً مذہبی جوش و جذبہ اور رضائے خداوندی و اسلامی نظریات افکار کی سر بلندی کے لئے آخری راستہ کے طور پر اپنا کر لڑی گئی ہیں، ان جنگوں میں مسلمانوں اور کفار کے جانی نقصانات کا اگر عالمی جنگوں میں انسانی جانوں کی نقصانات سے موازنہ کر کے سامنے رکھا

جائے تو بلا شبہ اسلام کو ایک غیر خونی انقلاب کا نام دیا جا سکتا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے فقط 23 سال کی مدت میں نہ صرف ایک انقلاب رونما کیا بلکہ اس انقلاب کے اثرات پوری دنیا میں یوں پھیل گئے کہ آج تک اس اسلامی انقلاب کے اثرات کو روکنے کے لئے پوری دنیا اپنی تمام تر طاقت اور قوت کو بروئے کار لا رہی ہے اس اسلامی انقلاب کے دوران 80 مرتبہ آپؐ کو جنگ میں الجھانا چاہا مگر فقط تین مرتبہ جنگی نوبت پیش آئی۔ جنگوں کے اس گریز پا ہونے کی وجہ اسلامی نظریہ عدم تشدد ہے۔

مگر 11 ستمبر کے بعد ایک بھرپور ابلاغیاتی و عسکری حکمت عملی کے تحت اسلامی نظریہ عدم تشدد کو ''دہشت گردی'' کے گھناؤنے عمل سے جوڑنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ دہشت گردی کی یہ قدیم اصطلاح جسے جدید معنویت کے تحت مشرق وسطیٰ اور سینٹرل ایشیاء کے وسائل کو بروئے کار لانے کے لئے امریکہ اپنی کلچرل امپیریل ازم کے تحت مظلومیت کی چادر اوڑھے اسلام جیسے پرامن مذہب کو پرتشدد خطوط پر لے جانے کی گھناؤنے کوشش میں مصروف عمل ہے کیونکہ اس نقطہ نگاہ کے تحت اسلامی انقلاب کے اثرات کو مغربی ممالک میں پھیلانے سے روکا جا سکے گا۔ دوسری بات یہ ہوگی کہ اسلامی قوتوں کو جنگجوانہ راہ عمل پر ڈال کر مغربی قوتیں اپنی فوجی قوت کو ان پسماندہ اور دولت سے مالا مال ممالک میں عالمی امن کے نام و فلسفہ کے تحت بڑی ہوشیاری اور آسانی کے ساتھ جمع کر سکیں گی۔ امریکہ اپنے معاشی مقاصد اور جوع الارض Territoriad Aggrandisemunt کے تحت اس آخری آپشن کو اولین عمل کے طور پر بروئے کار لا کر دہشت گردی کی اس نئی اصطلاح کے تحت پوری دنیا کو جنگ کے شعلوں میں جھونک کر اپنے اسلحہ کے لئے نئی مارکیٹ اور اپنے اقتصادی پروگرام کی وسعت کے لئے جاپان اور چین کے بڑھتے ہوئے تجارتی اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے نئی نو آبادیوں کی تلاش میں ایک انتہائی سفر کا آغاز

کر چکا ہے اس ضمن میں ظاہر ہے کہ امریکہ کو تضاد آرائی اور ایک نئے دشمن کی ضرورت ہے۔ روس کے بعد اسلام سے بہتر نظریہ اور اسلامی ریاستیں اپنی بہترین دفاعی پوزیشن و جغرافیہ معدنی وسائل اسلحہ کی مارکیٹ سرمایہ کاری کے لئے جدید نو آبادیات کے سوا اور کہاں ممکن ہو سکتی ہے؟ اس لئے دہشت گردی کے نام پر اس ریجن میں جنگ کے شعلوں کو ہوا دے کر عجلت پسندی میں گیارہ ستمبر کے بعد افغانستان پر حملہ کیا گیا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت جب یہی جہادی قوتیں روس کے خلاف امریکی دخل اندازی، مدد کے تحت (محسوس یا غیر محسوس طور پر) برسر پیکار تھیں تو اس ریجن کو ایک انتہائی کمال ہوشیاری کے ساتھ اسلحہ کلچر سے روشناس کیا گیا اور بلوچستان تو منشیات اسلحہ کلچر افغان مہاجرین کی یلغار کے لئے ایک عالمی مارکیٹ، ایک عالمی یتیم خانہ کے طور پر مرکزی اہمیت اختیار کر گیا۔ نتیجہ کے طور پر بلوچ نوجوانوں کی ایک انتہائی بڑی تعداد تعلیم و روزگار کی فکر میں قومی سوچ و فکر و فلسفہ کی راہوں سے ناآشنا ہو کر اسلحہ و منشیات کی تاریکیوں میں کھو گئی۔ بلوچ قومی تحریک کی جڑیں سوکھ گئیں اور بلوچ نوجوان سیاسی طور پر گروپ بندیوں کے شکار ہو کر ایک دوسرے کے خلاف مورچہ بند ہو گئے اور کئی قیمتی جانوں کا زیاں ہو گیا۔ اگر غور کیا جائے تو اس وقت کی صورت حال کے اثرات آج کی صورت حال پر مرتب ہو رہے ہیں یعنی بلوچ ساحل پر قبضہ کرنے کی خاطر ایک طویل سازش تیار کی گئی تھی۔ آج کی یہ خاموشی اس وقت کی حکمت عملی کے اثرات ہیں۔ بلوچ قوم پرستوں کی نفرت کا نشانہ امریکہ سے زیادہ چین کو بنایا گیا ہے، حالانکہ چین اس پوری صورت حال میں ایک ٹھیکیدار کی حیثیت سے کام کر رہا ہے تاکہ امریکہ اپنے مفادات کی تکمیل کے لئے عراق میں اپنی راہ ہموار کرنے کی حکمت عملی کی طرح آزاد کردستان کے خیال کو اجاگر کر کے اپنے لئے ویلکم ٹیم تیار کر سکے، بلوچستان کا مسئلہ کردستان کی طرح امریکہ کی موجودگی میں اور بھی زیادہ شدت اختیار کر رہا ہے اور آج ایک بار پھر

افغانستان اسلحہ کا انبار بن گیا ہے ۔جہاں سے اسلحہ اس پورے ریجن کو مہیا کیا جائیگا۔موجودہ دہشت گردی کا براہ راست تعلق کو گو کہ اسلامی قوتوں سے جوڑا جا رہا ہے لیکن آہستہ آہستہ ہر اسلحہ پسند قوت دہشت گردی کے اس نئے مفہوم سے ٹکرائے گی ۔اس ریجن میں اسلحہ کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور مغربی قوتیں جن سے اسلام پسند قوتیں انتہائی طور پر ناراض ہیں اور اس ریجن میں خودکش حملوں کا یہ بڑھتا ہوا تشویشناک عمل ہمیں بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے کی دعوت دے رہا ہے۔

اسرائیل کی طرف سے فلسطینیوں پر ریاستی جبر وہ آخری حربہ ہے جسے پہلے عمل کے طور پر فلسطینی عوام پر ڈھایا جا رہا ہے اور فلسطینی عوام آخری عمل کو اپنی شناخت اپنی سرزمین کے دفاع کے لئے بروئے کار لا رہے ہیں۔دہشت گردی کے واقعات یا دہشت گردی اپنی قدیم تاریخ میں کہاں اور کس سرزمین سے کیوں شروع ہوئی ؟اس کا جواب اس جدید دہشت گردی کے واقعات سے بخوبی اخذ کیا جا سکتا ہے۔خودکش واقعات ہر گھڑی ہر لمحہ کیوں رونما ہو رہے ہیں؟ مسئلہ یہ نہیں کہ مسئلہ کیا ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ مسئلہ کا حل کیا ہے؟ وہ کون سے حالات ہیں کہ جیتے جاگتے انسان اپنے سینوں پر بم باندھ کر مہذب دنیا کو اپنی آواز سنانا چاہتے ہیں۔شاید سب اپنی بات کہہ رہے ہیں سننے کیلئے کسی کے پاس کان نہیں۔انصاف کے دروازے جب بند ہو گئے تب اپنی آواز کو ان بلند بالا ساؤنڈ پروف ایوانوں تک پہنچانے کے لئے افتادگان خاک میں سے خاک بسر انسانوں کی صفوں میں سے اٹھ کر اپنے سینوں پر پھولوں کی طرح بموں کو سجانے والوں کی تعداد بڑھتی جائے گی ۔اس لئے مہذب دنیا کو چاہئے کہ وہ مریض کو نہیں مرض کو ختم کرنے پر توجہ دے۔اسی طرح خودکش حملوں کی یہ بڑھتی ہوئی تشویشناک رفتار شاید رک جائے اور انسان کو امن نصیب ہو سکے کیونکہ مسئلہ دراصل بنیادی طور پر ’’جیو اور جینے دو‘‘ کا ہے۔

علم کلام کی تاریخ

علم کلام کی دو جدا گانہ قسمیں:

علم کلام، اگرچہ ایک مدت سے ایک مخلوط مجموعہ مسائل کا نام ہے۔لیکن حقیقت میں اس کی دوجدا گانہ قسمیں ہیں اور دونوں کے مقاصد بالکل جدا ہیں۔ایک علم کلام وہ ہے جو خاص اسلامی فرقوں کے باہمی جھگڑوں سے پیدا ہوا۔ یہ ایک مدت تک بڑی وسعت کے ساتھ پھیلتا گیا اور اس کی بدولت بڑے بڑے ہنگامے اور معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔اس میں صرف قلم سے نہیں بلکہ تلوار سے بھی کام لیا گیا،اور اسلام کی ملکی طاقت کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا۔

دوسرا علم کلام وہ تھا جو فلسفہ کے مقابلہ کے لیے ایجاد ہوا، امام غزالیؒ کے زمانہ تک دونوں بالکل الگ الگ رہے۔امام غزالیؒ نے اختلاط کی بنا ڈالی، امام رازی نے ترقی دی،اور متاخرین نے اس قدر خلط مبحث کر دیا کہ فلسفہ، کلام، اصول عقائد سب گڈ مڈ ہو کر ایک معجون مرکب بن گیا۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت کا یہ اقتضا نہیں کہ پہلی قسم کے علم کلام کی بحثیں پھر چھیڑی جائیں یا اب ان کی تاریخ لکھی جائے۔لیکن چونکہ دوسری قسم کا علم کلام جس کی ہم کو تاریخ لکھنی مقصود ہے اور جس کے نمونہ پر نیا علم کلام مرتب کرنا ہے۔اس کے متعلق بہت سی باتیں پہلے ہی قسم کی علم کلام کی تاریخ جاننے پر موقوف ہیں۔اس لیے اس کا ایک مجمل خاکہ کھینچنا ضروری ہے۔اسلام جب تک عرب میں محدود رہا،عقائد کے متعلق کسی قسم کی کدوکاوش، چھان بین، بحث ونزاع پیدا نہیں ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کا اصل مذاق تخیل نہیں، بلکہ عمل تھا۔یہی وجہ ہے کہ نماز، روزہ ، زکوۃ، حج، یعنی عملی امور کے متعلق ابتدا ہی سے تحقیقات اور تدقیقات شروع ہو گئی تھیں۔ یہاں

تک کہ صحابہؓ ہی کے زمانہ میں فقہ کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا تھا۔ لیکن جو باتیں اعتقاد اور ایمان سے تعلق رکھتی تھیں اُن کے متعلق زیادہ کر پڑی اور نکتہ چینی نہیں کی گئی بلکہ اجمالی عقیدہ کافی سمجھا گیا۔

(علم الکلام ص/ ۱۸۔۱۹، از علامہ شبلی نعمانی صاحبؒ)

علم کلام کی وجہ تسمیہ

اس امر میں اختلاف ہے کہ علم کلام کا نام کلام کیوں رکھا گیا۔ مؤرخ ابن خلکان نے محمد ابوالحسین معتزلی کے تذکرہ میں سمعانی سے نقل کیا ہے کہ:

''چونکہ سب سے پہلا اختلاف جو عقائد کے متعلق پیدا ہوا وہ کلام الٰہی کی نسبت پیدا ہوا، اس مناسبت سے علم عقائد کا نام کلام پڑ گیا۔''

لیکن یہ صحیح نہیں، نہ پہلا اختلاف کلام الٰہی کی نسبت پیدا ہوا، نہ بنوامیہ کے زمانہ تک اس فن کو کلام کہتے تھے۔

علامہ شہرستانی نے ملل ونحل میں لکھا ہے کہ:

''اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ مسائل عقائد میں جس مسئلہ پر بڑے مصر کے رہے، وہ کلام الٰہی کا مسئلہ تھا۔ یا اس وجہ سے کہ چونکہ یہ علم فلسفہ کے مقابلہ میں ایجاد ہوا تھا، اس لیے فلسفہ کی ایک شاخ (یعنی منطق) کا جو نام تھا وہی اس فن کا بھی نام رکھا گیا، کیونکہ منطق اور کلام مرادف اور ہم معنی الفاظ ہیں۔'' (یہی وجہ تسمیہ صحیح ہے)

(ایضا ص/ ۳۴)

علم کلام کا بانی

اخیر زمانہ میں جب امام غزالی اور رازی نے اُس کو اپنی آغوش تربیت میں لیا تب جا کر

مقبول عام ہوا، بہرحال مہدی کے زمانہ میں علم کلام پیدا ہوا اور جہاں تک ہم کو معلوم ہے۔سب سے پہلے ابوالہذیل علاف نے اس فن میں کتاب لکھی۔ابوالہذیل کا پورا نام محمد بن الہذیل بن عبداللہ بن مکحول ہے ۱۳۱ھ میں پیدا ہوا ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔علامہ ابن خلکان اس کی نسبت لکھتے ہیں:

''وکان حسن الجدال قوی الحجة کثیر الاستعمال للادلة والالزامات''

خوش تقریر اور قوی الجثہ تھا، دلائل اور الزامات کا اکثر استعمال کرتا تھا۔علامہ مقریزی نے تاریخ مصر میں اس کی نسبت لکھا ہے:

''نظر في الفَلْسَفَةِ وافقهم في كثير''

ابوالہذیل نے علم کلام میں چھوٹی بڑی ساٹھ کتابیں لکھیں جن میں نہایت دقیق مسائل پر بحثیں کی ہیں۔ یہ کتابیں مدتوں سے ناپید ہیں۔لیکن مجوسیوں اور ملحدوں سے اُس نے جو مناظرات کیے اور ان میں جو تقریریں کیں، وہ جستہ جستہ ابن خلکان، درروغرر، اور شرح ملل نحل میں مذکور ہیں۔

(ایضاص/۳۶)

علم کلام کا احسان

علم کلام کا یہ احسان ہمیشہ یادرہے گا کہ اس کی بدولت یونانیوں کی غلامی سے آزادی ملی، یونانی فلسفہ نے دنیا میں اسقدر رواج وقبول حاصل کیا تھا کہ اس کے مسائل وحی کی طرح تسلیم کیے جاتے تھے، مسلمانوں نے بھی اُن کے فلسفہ کو اسی نگاہ سے دیکھا اور ارسطو وافلاطون کو علم کا دیوتا

سمجھے، فارابی سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو ارسطو سے کیا نسبت ہے، اُس نے جواب دیا کہ میں اگر ارسطو کے زمانے میں ہوتا تو اس کا ایک لائق شاگرد ہوتا۔ بوعلی سینا نے شفا میں ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے کہ اتنا مدید زمانہ گزر چکا۔ لیکن ارسطو کی تحقیقات پر ایک ذرہ بھر اضافہ نہ ہو سکا۔

یونانیوں کی یہ حلقہ بگوشی اس وقت تک قائم رہی جب تک علمائے کلام نے فلسفہ کو نکتہ چینی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ سب سے پہلے نظام نے ارسطو کی کتاب الطبائع کا رد لکھا پھر جبائی نے ارسطو کی کتاب کون وفساد کے رد میں ایک کتاب لکھی۔ اس مذاق کو برابر ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ امام غزالی نے تہافت الفلاسفہ لکھی اور ابوالبرکات نے کتاب المعتبر میں فلسفہ کے بہت مسائل کی غلطی ثابت کی۔ امام رازی نے اس پر ایک دفتر کا دفتر تیار کر دیا۔ علامہ ابن تیمیہ نے خاص فلسفہ کی رد میں چار جلدوں میں ایک کتاب لکھی۔ یہ تصنیفات اگرچہ جس غرض کے لیے لکھی گئی تھیں۔ (یعنی علم کلام) اس سے تو ان کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ لیکن اس کی بدولت فلسفہ کا رعب اس سے اٹھ گیا۔ اہل نظر فلسفہ کی تنقید پر آمادہ ہو گئے اور سینکڑوں مسائل کی غلطیاں کھل گئیں۔

اکثر یورپین مصنفوں نے لکھا ہے کہ مسلمان عموماً ارسطو کی کورانہ تقلید کرتے تھے یہاں تک کہ ایک زبان دراز نے لکھا ہے کہ مسلمان، ارسطو کی گاڑی کے قلمی تھے۔ ان کوتاہ نظروں کو چاہیے کہ وہ فارابی اور ابن سینا کے بجائے۔ ابوالبرکات، امام غزالی، امام رازی، آمدی اور ابن تیمیہ کی تصنیفات پڑھیں۔ فلسفہ تو فلسفہ مسلمانوں نے یونانی منطق کی بھی غلطیاں ثابت کیں جن کی غلطی کا احتمال بھی کبھی کسی کو پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔

علامہ مرتضیٰ حسینی، احیاء العلوم کی شرح میں لکھتے ہیں:

''و اول من بین فسادہ و تناقضه و مناقضة كثير منه للعقل الصريح و الف فيه ابو سعيد السيرانی النحوی ثم القاضی ابوبكر بن الطيب

والقاضي عبد الجبار والجبائی و ابنه و ابو المعالی و ابوالقاسم الانصاری و خلق لا یحصوف و آخر من تجرد لذلك تقی الدین ابن تیمیه الحافظ فانه اتی فی کتابیه الکبیر و الصغیر بالعجب العجاب‘‘۔

’’اول جس شخص نے منطق کا فاسداور تناقض ہونا اوراس کے بہت سے مسائل کا خلاف عقل ہونا ثابت کیا اوراس بحث پر کتاب لکھی وہ ابوسعید سیرانی نحوی ہے۔ پھر قاضی ابوبکر، قاضی عبدالجبار، ابن جبائی، ابوالمعانی، ابوالقاسم انصاری، اور بہت سے لوگوں نے اس پر کتابیں لکھیں۔ سب سے اخیر ابن تیمیہ نے اس بحث پر دو کتابیں چھوٹی بڑی لکھیں جو نہایت حیرت انگیز ہیں۔‘‘

ابن تیمیہ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے، اور ہم کسی موقع پر اس کے مضامین ناظرین کے سامنے پیش کریں گے۔

روح یا نفس ناطقہ

روح کی حقیقت:

اُس کا وجود، جسم کے فاسد ہونے کے بعد اس کا بقاء، یہ مسائل نہایت دقیق اور مشکل ہیں لیکن چونکہ معاد کا ثابت ہونا انہی مسائل پر موقوف ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ پہلے ان مسائل کے متعلق گفتگو کی جائے۔

ارسطو وغیرہ نے روح کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، وہ نہایت پراگندہ اور مبہم تھا۔ علامہ موصوف نے اُس کو سلجھا کر لکھا ہے تاہم بہت کچھ بے ترتیبی باقی رہ گئی۔ اس لیے میں اُس کے تمام سلسلہ تقریر کا ماحصل صاف اور واضح طریقہ سے بیان کرتا ہوں۔

روح کا وجود اور اس کا غیر جسمانی ہونا:

روح کا وجود اور اس کا غیر جسمانی ہونا، جسم کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ کسی صورت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو جب تک یہ صورت زائل نہ ہو چکے، دوسری صورت قبول نہیں کر سکتا، مثلاً اگر چاندی کے ایک پیالہ کو صراحی بنانا چاہیں تو جب تک پیالہ کی صورت زائل نہ ہو چکے گی، وہ صراحی کی صورت اختیار نہیں کر سکتا، یہ خاصیت تمام اجسام میں مشترک ہے، اور اس لحاظ سے جس چیز میں یہ خاصیت نہ ہو وہ جسم نہیں ہے۔

انسان جس وقت کسی شے کا ادراک کرتا ہے اور اُس کی صورت اُس کے نفس میں قائم ہوتی ہے تو اُسی وقت دوسری شے کا بھی ادراک کر سکتا ہے، بلکہ جس قدر ادراکات بڑھتے جاتے ہیں یہ قوت اور بڑھتی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کی قوت مدرکہ جسمانی نہیں ہے یہ چیز جس

میں مختلف اشیاء کی صورتیں ایک ساتھ قائم ہوتی ہیں اور جن کے ذریعہ سے انسان ایک ہی وقت میں مختلف اشیاء کا ادراک کرتا ہے، اس کا نام روح اور نفس ناطقہ ہے مختصر یہ کہ جو چیز محل ادراک ہے وہی نفس اور روح ہے۔

اس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا کہ انسان میں ایک حاسہ ہے جس سے دو اشیاء کا ادراک کرتا ہے، لیکن جو لوگ نفس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حاسہ جسمانی ہے یا کہ جسم کا ایک خاصہ ہے اس لیے اصل ما بہ النزاع جو کچھ ہے صرف یہ ہے کہ یہ حاسہ جسمانی ہے یا روحانیت سے بالکل بری ہے۔ علامہ موصوف نے اس قوت کے غیر جسمانی ہونے پر متعدد دلیلیں قائم کی ہیں جو اکثر ارسطو سے ماخوذ ہیں۔

حواس جسمانی کا یہ خاصہ ہے کہ جب کسی قوی محسوس کا ادراک کرتے ہیں تو اُن کی قوت مضمحل ہو جاتی ہے اور اُن میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً جب آفتاب پر نظر پڑتی ہے تو قوت باصرہ کو سخت صدمہ پہنچتا ہے اور وہ اپنے کام سے عاجز آجاتی ہے۔ بخلاف اس کے عقل معقولات کے ادراک سے اور قوی ہوتی ہے اس لیے یہ قوت یا حاسہ جسمانی نہیں ہوسکتا۔

روح کے غیر جسمانی ہونے کے دلائل:

لیکن یہ استدلال ضعیف ہے عقل کی بھی یہی کیفیت ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر عاجز اور ضعیف ہو جاتی ہے، مثلاً خدا کے تصور کے وقت عقل پر وہی حالت طاری ہوتی ہے جو آنکھ کو آفتاب کے دیکھنے سے ہوتی ہے۔

دوسری دلیل:

حواس جسمانی کا یہ خاصہ ہے کہ جب کسی قوی محسوس کا ادراک کرتے ہیں تو اس کے بعد دیر

تک وہ ضعیف محسوس کا ادراک نہیں کر سکتے، مثلاً آفتاب کے دیکھنے سے جب نگاہ خیرہ ہو جاتی ہے تو دیر تک معمولی چیز کو بھی نہیں دیکھ سکتی لیکن قوت مدرکہ کی حالت اس کے برخلاف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قوت مدرکہ جسمانی نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال بھی باطل ہے، قوت عقلی کا بھی یہی حال ہے، جب وہ کسی دقیق اور مشکل مضمون پر متوجہ ہوتی ہے اور دیر تک اُس کے حل کرنے میں مصروف رہتی ہے تو اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ایک پیش افتادہ مضمون پر بھی توجہ نہیں کرسکتی، اور آسان سے آسان بات اُس کو مشکل معلوم ہوتی ہے۔

تیسری دلیل:

انسان جب کسی دقیق اور عقلی مضمون پر غور کرتا ہے تو اس وقت محسوسات سے بالکل قطع نظر کرنا چاہتا ہے، وہ خلوت میں بیٹھتا ہے کسی چیز کو دیکھنا، سننا، سونگھنا، چھونا نہیں چاہتا اور یہ چیزیں اُس کے غور و فکر میں سدّ راہ ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوت عاقلہ۔ جسمانی نہیں ہے، کیونکہ اگر جسمانی ہوتی تو جسمانیات اور محسوسات سے الگ ہو کر کام کرنا نہ چاہتی اور نہ کرسکتی۔

یہ استدلال بھی صحیح نہیں بے شبہ انسان غور و فکر کے وقت ہر قسم کے محسوسات سے علیحدگی اختیار کرتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اُن محسوسات کے نتائج اور آثار پر متوجہ ہوتا ہے جو پہلے سے اس کے دماغ میں مجتمع ہیں محسوسات سے وہ اب بھی کام لے رہا ہے البتہ یہ فرق ہے کہ نئے محسوسات سے نہیں بلکہ پرانے محسوسات کے نتائج سے کام لے رہا ہے۔ کیونکہ نئے محسوسات، اُس کے مقصد سے تعلق نہیں رکھتے۔

چوتھی دلیل:

انسان بہت سے ایسے مسائل کا تصور کرتا ہے جن کو حواس سے کچھ تعلق نہیں مثلاً یہ کہ اجتماع

النقیضین باطل ہے خدا موجود ہے، فلک افلاک کے اوپر نہ خلا ہے نہ ملا۔ یہ تمام مسائل محض معقولی مسائل ہیں اور اُن کے حاصل ہونے میں حواس کو کچھ دخل نہیں۔

یہ استدلال بھی صحیح نہیں، مسائل مذکورہ بالا کو بھی تحلیل کیا جائے تو ان کی انتہا بھی محسوسات تک ہوگی مثلاً ہم نے جب سینکڑوں ہزاروں مثالوں میں دیکھا کہ ایک جگہ دو مخالف چیزیں جمع نہیں ہوتیں تو ہم نے ایک عام نتیجہ قائم کرلیا کہ اجتماع النقیضین محال ہے۔ لیکن یہ کلیہ انہی سینکڑوں جزئیات کی استقراء سے پیدا ہوا ہے جن میں حواس کا تعلق ہوتا ہے۔

پانچویں دلیل:

قوت مدرکہ بڑھاپے میں زیادہ قوی اور تیز ہوجاتی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کو جسم سے تعلق نہیں ورنہ جسم کا ضعف اس کو بھی ضعیف کر دیتا۔ یہ دلائل وہ تھے جو ارسطو سے ماخوذ ہیں، افلاطون کے دلائل بھی علامہ موصوف نے نقل کیے ہیں۔ لیکن وہ بھی محض عوام پسند ہیں، اس تمام سلسلہ میں صرف ایک استدلال ہے جو قوی ہے، علامہ موصوف نے اس کو نہایت مجمل اور نا تمام طریقہ پر لکھا ہے۔ اگر اُس پر بعض اور مقدمات اضافہ کیے جائیں تو بے شبہ وہ ایک محکم دلیل ہونے کی قابلیت رکھتا ہے چنانچہ ہم اس کو ذیل میں لکھتے ہیں:

روح اور اس کے غیر جسمانی ہونے پر ایک قوی استدلال:

یہ امر بداہۃً نظر آتا ہے کہ انسان کے جسم کے مختلف اجزاء ہیں اور ان تمام اجزاء کے افعال مختلف ہیں، زبان بولتی ہے، کان سنتے ہیں، ناک سونگھتی ہے، یہ حالت ظاہری آثار کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوا ہے کہ انسان میں جو مختلف احساسات اور جذبات ہیں مثلاً: غصہ، رحم، جوش، محبت، حافظہ تخیل۔ ان کے مقامات بھی جدا جدا ہیں اور وہ

دماغ کے مختلف حصوں میں ہیں۔

یہ بات بھی علانیہ نظر آتی ہے کہ یہ تمام اجزاء بطور آلات کے ہیں، اور اپنے لیے نہیں بلکہ دوسرے کے لیے کام کر رہے ہیں، ان سب پر کوئی اور چیز حاکم ہے اور ان سب سے کام لیتی ہے۔ ہاتھ جو کچھ چھوتا ہے، آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں، کان جو کچھ سنتے ہیں۔ یہ احساسات خود ہاتھ آنکھ اور کان کے کام نہیں آتے بلکہ ایک اور قوت ہے جو ان کے نتائج سے متمتع ہوتی ہے جو اس ہر قسم کی شہادت مہیا کرتے ہیں لیکن ان شہادتوں کی بنا پر فیصلہ کرنا ایک دوسری قوت کا کام ہے۔ یہ امر اس موقع پر زیادہ واضح ہو جاتا ہے جہاں خود حواس غلطی کرتے ہیں، مثلاً ایک چیز دور ہونے کی وجہ سے چھوٹی نظر آتی ہے، آنکھ نے اس شے کو چھوٹا ہی سمجھا ہے۔ لیکن انسان فیصلہ کرتا ہے کہ آنکھ نے غلطی کی ہے اور اس کی شہادت اس موقع پر اعتبار کے قابل نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ان تمام اجزاء اعضاء، حاسہ ظاہری اور باطنی سے کام لینے والی کیا چیز ہے، مادیین کہتے ہیں کہ دماغ ہے لیکن یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دماغ کے متعدد اور مختلف حصے ہیں اور ہر حصہ خاص قوت کا منبع ہے۔ دماغ میں اُس عام قوت کا کوئی مقام ثابت نہیں ہوتا جو تمام خاص خاص قوتوں پر حکمراں ہو اور جس کے لیے یہ تمام قوتیں آلہ کے طور پر کام دے رہی ہوں۔ تجربہ نے قطعاً یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو چیز جسمانی ہے، اور جسم کا حصہ ہے اُس کی حیثیت آلہ سے بڑھ کر نہیں ہے اس لیے وہ چیز جو ان تمام اعضائے حواس اور قویٰ سے کام لیتی ہے، ضروری ہے کہ ان سب سے بالاتر ہو اور جسمانی نہ ہو۔ کیونکہ اگر جسمانی ہو تو وہ بھی آلہ ہوگی اور اس کا ایک خاص اور محدود کام ہوگا، یہی عام قوت اور سب سے کام لینے والی قوت روح اور نفس ناطقہ ہے۔

اب صرف یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ یہ چیز ممکن ہے کہ جوہر نہ ہو بلکہ عرض ہو یعنی جسم کی ساخت اور ترکیب کی ایک کیفیت ہو۔ جیسا کہ آج کل کے مادیین قائل ہیں، علامہ موصوف نے اس احتمال

کواس طرح سے باطل کیا ہے۔

جو چیز مختلف صورتوں اور کیفیتوں کو قبول کرتی ہے وہ خود ان صورتوں اور کیفیتوں کا کوئی فرد نہیں ہوتی۔ مثلاً جسم جو مختلف رنگوں کو قبول کرتا ہے اور سپید، سیاہ سرخ، ہوسکتا ہے ضروری ہے کہ مرتبہ ذات میں خود بالکل سادہ ہو اور کوئی رنگ نہ رکھتا ہو، ورنہ دوسرے مختلف رنگوں کو قبول نہ کر سکے گا۔

اور چونکہ روح تمام اشیاء کا تصور کر سکتی ہے اور اس میں ہر صورت کے ادراک اور قبول کی قابلیت ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ عرض نہ ہو ورنہ عرض کے دُگانہ اقسام یعنی کم و کیف وغیرہ میں سے کسی قسم کے تحت میں داخل ہوگی۔

عرض ایک ایسی چیز ہے جو جسم کے پیدا ہونے کے بعد طاری ہوتی ہے اور اُس کا مرتبہ کم ہے اس لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ چیز جو تمام اعضاء، اجزا قویٰ، حواس ظاہری اور باطنی پر حکومت کرتی ہو۔ خود ایک عارضی ناپائدار اور غیر مستقل چیز ہو۔

اس استدلال کو ہم زیادہ وضاحت اور قوت کے ساتھ اس طرح بیان کر سکتے ہیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ انسان کا جسم اور جسم کی کیفیات سب متغیر ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ آج کل کے ماہرین کا بیان ہے کہ تیس برس کے بعد، انسان کے پہلے جسم کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ پہلے اجزاء تمام بدل جاتے ہیں اور بالکل ایک نیا جسم، پہلے جسم کے مشابہ پیدا ہو جاتا ہے، بایں ہمہ کوئی چیز ایسی بھی ہے۔ جو ہر حال میں قائم رہتی ہے اور جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ زید وہی زید ہے جو تیس برس پہلے تھا، یہی چیز ہے جس کو ہم روح اور نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ چیز عرض نہیں ہوسکتی کیونکہ عرض ہر وقت بدلتا رہتا ہے، اور یہ وہ چیز ہے جو تمام تغیرات کے ساتھ بھی قائم رہتی ہے۔

روح کا غیر فانی ہونا:

جب یہ ثابت ہو چکا کہ روح جوہر ہے، اور جسمانی نہیں ہے تو خود ثابت ہو گیا کہ وہ فانی نہیں کیونکہ فانی ہونا اجسام کا خاصہ ہے جو چیز جسمانیت سے بالکل بری ہے، وہ کیونکر فنا ہو سکتی ہے۔

یہ دعویٰ موجودہ تحقیقات کے موافق نہایت آسانی سے ثابت ہوسکتا ہے تحقیقات جدیدہ نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ کوئی شے فنا نہیں ہوتی بلکہ صرف اس کی ہیئت ترکیبی بدل جاتی ہے اور اُس کے اجزا الگ الگ ہو کر کوئی اور صورت اختیار کر لیتے ہیں، تمام دنیا اگر مل کر چاہے تو ایک ذرہ کو بھی اس طرح نہیں فنا کر سکتی کہ وہ بالکل معدوم محض ہو جائے۔ اور چونکہ یہ ثابت ہو چکا کہ روح مرکب نہیں بلکہ بسیط ہے، تو نہ اُس کی تحلیل ہوسکتی ہے نہ اُس کے اجزا بدل سکتے ہیں، اس لیے اس کا فنا ہونا غیر ممکن ہے۔

مغربی تہذیب وثقافت کی حقیقت اور معاشرہ پر اس کے سنگین اثرات

(ماخوذ: دارالعلوم ،شمارہ:2-3،اپریل مئی 2020ء ۔از: مولانا احمد عبید اللہ یاسر قاسمی)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدائے آفرینش سے ہی حق و باطل کی معرکہ آرائی جاری ہے، ہر دور میں معاندین اور ہر زمانے میں مخالفین نے شر انگیزی پھیلائی ہے، ہر قوم وملت میں ایسے ناعاقبت اندیش افراد نے جنم لیا ہے جنھیں اشاعتِ حق اور غلبہ خیر سے پیدائشی دشمنی رہی ہے؛ لیکن موجودہ دور کے جو فتنے سر ابھار رہے ہیں وہ ایک خطرناک ترین سازش اور تعصب پر مبنی اسلام دشمنی اور اہل اسلام سے ازلی عداوت ونفرت کا شاخسانہ ہے، شاید یہی وہ ذہنی فکری عملی ارتداد ہے جو سب سے پہلے انسان کے ظاہری طبیعت پر اثر انداز ہوکر اس کے باطن سے ایمان کی حقیقی لذت چھین لیتا ہے بقول مفکر اسلام ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ ''ردة ولا ابا بكرلها'' ''یہ ایک ایسا ارتداد ہے جس کے لیے کوئی ابوبکر نہیں ہے'' شاید اس جملے پر کسی شخص کو اعتراض ہو؛ لیکن راقم الحروف صد فی صد متفق ہے؛ کیونکہ ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں کہ ہم ایک صریح فکری تہذیبی وثقافتی ارتداد میں جھونک دیے گئے ہیں جہاں سے واپسی کی راہ کافی دور ہو چکی ہے اور ہر کوئی اس سے بے اعتنائی کا شکار ہے اگر ہم اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہماری صبح وشام میں مغربی تہذیب وثقافت کے آثار ہیں؛ بلکہ دنیا میں پائے جانے والے تمام مذاہب میں مغربی الحاد اور بے دینی کی لہر ہے، حتی کہ مذاہب کا اثر لوگوں میں صرف ناموں تک رہ گیا ہے باقی سب رسومات وعبادات اخلاقیات ومعاشرت اسی تہذیب مغرب کی نذر ہوکر تباہ وبرباد ہو گئے ہیں، ہمارے معاشرہ کا سرمایہ دار طبقہ مغربی تہذیب وثقافت کا دلدادہ بن چکا ہے، ہمارا موجودہ تعلیمی

نظام بھی اسی طبقہ کے ہاتھ میں ہے جس کی وجہ سے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے طلباء کی اکثریت مغربی (افرنگی) تہذیب وثقافت کی دلدادہ بن رہی ہے، یہ سلسلہ مسلسل تیزی کے ساتھ جاری ہے اگر اس ارتداد کی طرف فوراً توجہ نہ دی جائے اور اگر اسے یونہی جاری رہنے دیا جائے تو بہت جلد اکثریت کا اسلام سے جذباتی لگاؤ بھی ختم ہونے لگے گا۔

مغربی تہذیب کا تعارف:

مغربی تہذیب کسی خاص مذہب کا نام نہیں ہے جو الہامی یا خدائی تعلیمات پر عمل کرنے کا مدعی ہو بلکہ تہذیبِ مغرب یا مغربی فکر وفلسفہ ایک ایسی سوچ وفکر کا نام ہے جو ہر کسی کو اپنے اپنے مذہب پر پرائیویٹ زندگی میں عمل کرنے کی اجازت ضرور دیتی ہے؛ لیکن خاص طرز فکر عقائد اور وحی پر مبنی تعلیمات کو قبول نہیں کرتی، اس لیے کہ مغربی نقطۂ نظر میں سب سے اہم چیز خود انسان ہے دنیا میں عیش وعشرت، فرحت ولذت اس کا حق ہے، اپنے عمل کا کسی دوسرے کے سامنے جواب دہ نہیں، تو وہی مادیت، زر پرستی اور مال ومنال سے بے انتہا محبت اس کا بنیادی وصف ہے۔

مغربی تہذیب کی بنیاد:

اہل مغرب کی تہذیب وثقافت کا دارومدار تین چیزوں پر ہے:

(۱) آزادی (۲) مساوات (۳) ترقی

اگر ان تینوں چیزوں میں اضافہ ہو رہا ہو تو اس کو فروغ دیا جاتا ہے؛ بلکہ اس پر زور دیا جاتا ہے اور اگر کوئی فرد یا گروہ کسی رکاوٹ کے ذریعے اس راہ میں حائل ہو جائے تو اس کو

قانوناً یا جبراً ختم کر دیا جاتا ہے اور اِن ہی تین اشیاء کو مدنظر رکھ کر اہل مغرب نے ایک عالمگیر قانون ''انسانی حقوق کا عالمی منشور'' کے نام سے مرتب کر کے ہر ملک کو اس کا پابند بنایا ہے جس کی پاس داری تمام ممالک کے ذمہ ضروری ہے۔ (بحوالہ: تعارف تہذیب مغرب اور فلسفہ جدید)

اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں بنیادی فروق:

(۱) اسلام میں اعلی اتھارٹی اللہ جل شانہ کو مانا گیا ہے، کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟ کیا حلال ہے کیا حرام ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوگا، انسان خود کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دینے میں آزاد نہیں ہے۔ زنا حرام ہے یا حلال؟ سود لینا اور دینا حلال ہے یا حرام؟

اس کی تعیین صرف اللہ جل شانہ کریں گے؛ جب کہ اہل مغرب اعلیٰ اتھارٹی انسان کو سونپ دیتے ہیں کہ ہر چیز کا اختیار انسان کے ہاتھوں میں ہے، وہ جسے درست کہہ دے وہ درست اور جسے غلط کہہ دے وہ غلط، صحت وسقم کا دار و مدار انسان کی عقل پر ہے اور وہ ہر طرح سے آزاد ہے جیسے: زنا کرنا درست ہے یا غلط؟ لواطت انسانی حق ہے یا قبیح ترین عمل؟ سود لینا جائز ہے یا حرام؟ اس کا فیصلہ انسانی عقل کرے گی۔

(۲) اسلام کی رہنمائی شریعت محمدی کے ذریعے ہے جب کہ مغربی فکر وفلسفہ میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے نہ ہی رسولوں کی ضرورت ہے نہ کسی آسمانی کتاب کی؛ بلکہ انسان عقل کے سوا کسی کا تابعدار نہیں۔

(۳) اسلام میں قانون شریعت سے اخذ کیا جائے گا جب کہ مغربی نظریات اور ان کی تہذیب وتمدن کے مطابق قانون انسانوں کا منتخب کردہ گروہ (پارلیمنٹ) بنائے گا۔

(۴) اسلامی تہذیب میں خدا کا تصور یہ ہے کہ خدا ایک ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ

رہے گا اور مسلمان اسی ایک خالق و مالک کے ماننے والے ہیں، جس نے انسانوں اور سارے جہانوں کو پیدا کیا ہے؛ جب کہ اس کے برعکس مغربی تہذیب نے خدا اور مذہب کے انکار کے بعد مادہ کو اپنا خدا تسلیم کیا ہے، اس کے نزدیک مادہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا اور وہ اپنے شعور کی بنیاد پر اشیاء کی تخلیق کرتا ہے۔

(۵) اسلامی تہذیب میں علم کا تفوق وحی ہے، چنانچہ وحی کے مقابلے میں انسان کا تخلیق کردہ کوئی بھی علم فوقیت نہیں رکھتا ہے؛ جب کہ مغربی تہذیب میں تفوق عقل کو حاصل ہے، اسی وجہ سے جنت جہنم کے وجود کا انکار کرتے ہیں، بعث بعد الموت کو جھٹلاتے ہیں، جزا وسزا اور ان جیسے دیگر عقائد کے صریح انکاری ہیں اور یہی وجہ ہے اہل مغرب کسی مذہب کے قائل نہیں ہیں اس لیے کہ مذہب کو عقلیات اور سائنس سے ثابت نہیں کیا جا سکتا؛ بلکہ ایمانیات وعقائد کا باب تو صرف وحی کے علم کے ذریعے سے ہی سمجھ میں آ سکتا ہے۔

(۶) اسلام میں عبادات کا مقصد اور انسان کی تگ ودو کا حاصل مسلمانوں کے لیے آخرت میں کامیابی اور جنت کا حصول ہے؛ جب کہ مغربی تہذیب کامیابی صرف مادی ترقی کو مانتی ہے، جس نے دنیا میں جتنی زیادہ مادی ترقی کی وہی کامیاب ترین انسان ہے، اور یہ تصور اس قدر عام ہو چکا ہے کہ آج عوام تو کجا خواص بھی مالداری اور دنیوی ترقی کو کامیابی سمجھ بیٹھے ہیں۔

(۷) اسلامی تہذیب میں انسان کو زمین پر اللہ کا خلیفہ اور اس کا نائب مانا گیا ہے، خلاصہ کائنات، اشرف المخلوقات، حتی کہ ایک مؤمن مسلمان کی حرمت کو کعبہ کی حرمت سے زیادہ بتایا گیا ہے اس کے بالمقابل مغربی تہذیب نے انسان کو حیوان سے زیادہ کبھی تسلیم نہیں کیا ہے۔

مغربی تہذیب کے مطابق علم سیاسیات میں انسان ایک سیاسی حیوان ہے، علم معاشیات میں ایک معاشی حیوان ہے، علم نفسیات میں انسان مخصوص جبلتوں کے مجموعہ کا نام ہے، علم حیاتیات

میں انسان محض ایک حیاتی وجود ہے، اس تہذیب نے انسان کو مادیت سے آگے پہنچایا ہی نہیں اسی نقطۂ نظر کی خرابی نے پوری انسانیت کو مادیت پرستی کی آگ میں جھونک دیا ہے۔

یہ وہ بنیادی فروق ہیں جن سے اسلامی اور مغربی تہذیب وثقافت کو پرکھا جا سکتا ہے اور اس کے نقصانات سے بچایا جا سکتا ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہم تہذیب وثقافت کی اصطلاح بہت سطحی معنی میں استعمال کرتے ہیں، مغربی تہذیب کا مطلب صرف اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ پینٹ شرٹ پہنا جائے، ٹائی لگائی جائے، کلین شیو ہو تو یہ مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے، یا صرف فحاشی وعریانی کے سیلاب کو مغربی تہذیب سمجھتے ہیں؛ جب کہ بات ایسی نہیں ہے، بلاشبہ تہذیب کو لباس، وضع قطع، تراش خراش کو لے کر بھی پرکھا جا سکتا ہے؛ لیکن تہذیب کی جو سطح ہے وہ لباس اور وضع قطع ہی نہیں ؛ بلکہ اس کی بنیادیں اور نظریات ہیں جن کو سمجھ کر ہی اس تہذیب کا مقابلہ ممکن ہے۔

فسادِ قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب:

مغرب نے الحاد، بے دینی اور لامذہبیت کو فروغ دینے کے لیے اور اسلام دشمنی اور مسلم تعصب کے ہدف کو دنیا میں عام کرنے کے لیے خطرناک ہتھکنڈوں کو استعمال کیا:

(۱) انھوں نے سب سے مؤثر طریقہ دولت کی لالچ اور جاب کی آفر دے کر جگہ جگہ عیسائی مشنری اسکولس کا قیام عمل میں لایا، جن میں اہل مغرب نے ایسا نصاب مرتب کیا کہ طالب علم دین سے متنفر ہو جائے اور بے دینی کو ترجیح دے جہاں کے ماڈرن تعلیم یافتہ فضلاء مذہب کی تاریخی توجیہ کر کے یہ بتاتے ہیں کہ پہلے مذہب نہیں، مذہب بعد کی پیداوار ہے، اور آخرت کوئی چیز نہیں، اصل دنیا ہے اور مذہب ایک نجی مسئلہ ہے، اس پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں اور اہل مغرب کو مہذب اور مسلمانوں کو غیر مہذب ثابت کرتے ہیں، پھر بتدریج اسلامی نظریات

کومغربی نظریات کے تابع کر کے پیش کرنا شروع کرتے ہیں، وحی کا انکاراور عقل اور تجربہ کوحق وصداقت کے لیے معیار قرار دیتے ہیں اور پھر طلبہ کے دماغ میں یہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ دین دنیا کی ترقی کے لیے مانع ہے، علماء اور دین پر عمل کرنے والے سب حقیر لوگ ہیں ،اور یہ تصور پیش کرتے ہیں ہے کہ اسلام عصر حاضر کے مطابق نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ترقی کا پورا مدار سائنس اور ٹیکنالوجی پر ہے:

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات یہ علم ، یہ حکمت ، یہ تدبر ، یہ حکومت پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات۔

(۲) دوسرا طریقہ انہوں نے یہ اپنایا کہ غرباء میں رفاہی مالی امداد کی جائے اور ان کو اپنے مذہب سے دور کر کے مرتد بنایا جائے تعلیمی پسماندگی اور غربت و مفلسی میں مجبور افراد بکثرت اس کے شکار ہوئے ہیں۔

(۳) تیسرا طریقہ انھوں نے یہ اپنایا کہ ذہین مسلم طلبہ کو اعلی تعلیم کے لیے مغربی ممالک میں موجود کالجوں ، یونیورسٹیوں آکسفورڈ ،کمبریج وغیرہ میں بھیجا جائے ان کی ذہن سازی کی جائے ، یہ بتایا جائے کہ سود ترقی کے لیے لازم وضروری ہے، سنتیں تو نعوذ باللہ صرف قدیم عربی رسم ورواج ہیں نماز کے لیے وقت نکالنا العیاذ باللہ تضیع اوقات کے مترادف ہے، زکوٰۃ اور ٹیکس تو ایک ہے، قربانی، حج اور عمرہ میں خرچ کی جانے والی رقم بے جا مصرف میں خرچ کرنا ہے، اس کے بجائے غریب، بیوہ کو رقم دینا زیادہ بہتر ہے، سیاست اور دین میں کوئی تعلق نہیں، فیشن وقت کا تقاضہ ہے، اب تم آزاد ہو اور عورت چاہے پردہ کرے یا نہ کرے، ایسا لباس پہنے جس سے بدن کی ساخت ظاہر ہو تو کوئی آپ کو روک ٹوک نہیں کرسکتا، ہاں یہ تمہارا کلچر ہے کہ تم ویلنٹائن

ڈے، برتھ ڈے مناؤ، یعنی کہ عیش وعشرت کا عادی بنایا جائے، پھر جب ان کے دماغ پر مکمل طور سے قبضہ ہو جائے تو مال و زر کے ذریعہ ملک کی سربراہی حاصل کر کے ان کو سونپی جاتی ہے اور انھیں اپنا آلۂ کار بنا کر اسلام اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ان سے کام لیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا تھا:

ظاہر میں تجارت ہے ، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات
رعنائی تعمیر میں ، رونق میں ، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

(۴) اور مغربی تہذیب کو فروغ دینے میں سب سے زیادہ معاون میڈیا بنا جس کے ذریعے فحاشی، عریانی اور بے دینی کو عام کیا گیا، ایسی ایسی فلمیں بنائیں جن میں دین داروں کا مذاق اڑایا گیا، موسیقی اور رقص وسرور کو روح کی غذا بتایا گیا جس نے تخریب اخلاق و بے دینی کے عام کرنے میں سب سے بڑا رول ادا کیا ہے۔

علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا:

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

(بحوالہ: اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش)

امید کی کرن:

خلاصۂ کلام یہ کہ تعلیم کے نام پر بے دینی، تہذیب کے نام پر بے حیائی اور میڈیا کے نام پر عریانیت پھیلائی جارہی ہے اور ہماری صبح وشام اسی میں گذر رہی ہے ابھی بھی وقت ہے مسلمان بیدار ہو جائیں اور جان لیں کہ اصل آخرت ہے دنیا نہیں، اصل رضائے الٰہی ہے منصب نہیں، اصل دین ہے دنیا نہیں ؛اب بھی امید کی کرن باقی ہے بقول علامہ علی میاں ندوی اس عالمگیر صورتحال کی تبدیلی کے لیے، امت مسلمہ کے موجودہ تباہ کن حالات میں انقلاب عظیم پیدا کرنے کے لیے دین کے داعیوں کو مغربی تعلیم یافتہ طبقہ پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے کہ اسی طبقہ کی بیراہ روی نے پوری امت مسلمہ کے عوام کو ذہنی ارتداد کے خطرے میں مبتلا کر دیا ہے اسلامی ممالک کا رخ خالص اسلامیت کے بجائے خالص مغربیت کی طرف موڑ دیا ہے اور عوام کو بے زبان گلہ اور جانور کے ریوڑ کی طرح غیر اسلامی قیادت کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور ان کی اصلاح سے دوبارہ ان ممالک کا رخ مغربیت سے اسلامیت کی طرف موڑا جا سکتا ہے۔

(بحوالہ مغربی ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش)

اگر اس بے دینی وارتداد کی لہر سے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا چاہتے ہیں تو خدارا اہل مغرب کی ان سازشوں کو سمجھیں اور ان راستوں سے اجتناب کریں جس کی منزل مغرب کی دمکتی ہوئی مگر اندھیری دنیا ہے جو ناقابل تلافی خطرات کا پیش خیمہ ہے: ؎

دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق وبخارات

خدا ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین!

شیر میسور ٹیپو سلطان شہیدؒ کے کارنامے

(ماہنامہ دارالعلوم ، شمارہ 7، جلد: 91، جولائی 2007ء۔از: ریحان ظفر صدیقی)

مرہٹوں کی یورش اور ٹیپو کی کارروائیاں:

حیدر علی نے مرہٹوں کے ساتھ ایک سابق معرکے کا قضیہ ختم کرنے کیلئے انہیں ۵۰ لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ انگریزوں کے خلاف حیدر علی کی پہلی جنگ کے بعد مرہٹوں نے اس خیال سے کہ دو سال تک انگریزوں کے ساتھ نبرد آزما رہنے کی وجہ سے حیدر علی کی فوجی طاقت کمزور ہوتی چلی گئی ہے، مذکورہ رقم فوری طور پر ادا کرنے اور بصورت دیگر اس جنگ کے تمام مقبوضات واپس کرنے کا مطالبہ کرنے کے لیے سری رنگا پٹنم کا رُخ کیا۔ مادھوراؤ کی قیادت میں ایک لاکھ سواروں اور پچاس ہزار بندوقچیوں کا لشکر جرّار طمطراق کے ساتھ روانہ ہوا۔ حیدر علی کو جب اس یورش کی اطلاع ملی تو انھوں نے اپنی فوج کو ایک نئی ترتیب کے ساتھ تقسیم کیا اور ٹیپو سلطان سمیت کئی کمانڈروں کی قیادت میں کئی دستے مختلف اطراف میں متعین کر دیئے اور مرہٹہ فوج کی بے حد کثرت اور اپنی فوجی قلت کے پیش نظر دفاعی جنگ کرنے اور شب خوں مارنے کی حکمت عملی اختیار کی۔

ٹیپو سلطان نے نہایت ذہانت، پھرتی اور بیدار مغزی کے ساتھ مرہٹہ افواج پر ایسے عجیب نفسیاتی اور جنگی مہارت سے بھرپور وار کیے اور شب خوں مارنے کی حکمت عملی کو ایسے احسن طریقے سے عملی جامہ پہنایا کہ مختصر عرصے میں ہزاروں مرہٹے ڈھیر ہو گئے اور ایک ماہ کا عرصہ گذرنے کے بعد بھی مرہٹہ افواج سری رنگا پٹنم میں داخل نہ ہو سکیں۔ اس اثناء میں مادھوراؤ کا

جو کہ بوجہ علالت راستے ہی سے واپس ہو گیا تھا، پونا میں انتقال ہوا۔ اور اس کے جانشینوں میں اقتدار کا جھگڑا شروع ہوا۔ اس صورت حال سے حیدر علی کو فائدہ پہنچا اور انھوں نے آسان شرائط پر مرہٹہ سرداروں سے صلح کی اور ۱۷۷۰/ میں شروع ہونے والی اس مرہٹہ یورش کا خاتمہ ہوا۔ اور ۱۷۷۶/ میں جنگ کسی نتیجے پر پہنچنے سے قبل ہی ختم ہو گئی۔

انگریزوں کے ساتھ میسور کی دوسری جنگ:

پہلی جنگ میں شکست کے بعد برطانوی سامراج کے ایوانوں میں ہلچل مچ گئی اور انگریزوں کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ حیدر علی کی موجودگی میں ان کا ہندوستان پر مکمل قبضے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ انھوں نے حیدر علی کو اپنے راستے کا سب سے بڑا پتھر سمجھ کر ہٹانے کیلئے بھرپور تیاریاں شروع کر دیں۔ انھوں نے حسبِ سابق نظامِ حیدر آباد نواب آرکاٹ اور مرہٹوں کو حلیف بنانے کیلئے رابطے شروع کئے۔ حیدر علی نے بھی اس متحدہ محاذ کو توڑنے اور اس میں دراڑیں ڈالنے کی کوششیں کیں۔ اور مسلمان ہونے کے ناطے نظامِ حیدر آباد کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی لیکن نظام کی ناعاقبت اندیشی اور ہٹ دھرمی کے باعث انھیں ناکامی ہوئی۔

چنانچہ حیدر علی نے انگریزوں کو مزید موقع نہ دینے کی غرض سے ۲۸/مئی ۱۷۸۰/ کو ۹۰ ہزار فوج کے ہمراہ سری رنگا پٹنم سے خروج کیا۔ انگریز بھی چونکہ نظام اور مرہٹوں کی حمایت نہیں لے سکے تھے اور تنہا حیدر علی کے مقابلے میں آنا نہیں چاہتے تھے اس لئے انھوں نے صلح کا پیغام بھیجا لیکن حیدر علی نے اسے مسترد کر دیا۔ اپنی فوج کو حسب سابق تقسیم کیا اور ایک بڑے دستے کی کمان ٹیپو سلطان کو دی جس کی عمر اب ۲۹ سال ہو گئی تھی اور وہ جرأت و بہادری، ذہانت

ومہارت میں اپنا سکہ جما چکا تھا۔

حیدری افواج مختلف علاقوں کو فتح کرتی ہوئی پولی لور کے مقام پر پہنچیں، جہاں ان کا مقابلہ کرنل بیلی کی زیر قیادت انگریز فوج سے ہوا۔ گھمسان کا رن پڑا اور کرنل بیلی کی فوج کو شکست ہوئی۔ ان کے سیکڑوں سپاہی مارے گئے اور ۳۶ بڑے افسران قید کیے گئے اور سری رنگا پٹنم جیل بھیج دیئے گئے۔ ایک دوسرے جنرل منزو نے جب بیلی کی شکست کی خبر سنی تو ہتھیار ڈال کر بھاگ گیا۔ ویلور پر بھی قبضہ ہوا، نواب آرکاٹ محمد علی کی فوجوں سے مقابلے کے بعد آرکاٹ فتح ہوا اور اس کے بڑے فوجی افسروں میں سے سید حامد راجہ بیر برادر میر جعفر صادق میسور افواج میں شامل ہوئے اور حیدر علی نے انکے مناصب کا لحاظ رکھتے ہوئے اعلیٰ فوجی عہدوں پر فائز کیا۔ ۱۵ / اگست ۱۷۸۱ / کو حیدر علی مدراس پر جو کہ انگریزی فوج کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ حملہ کیا اور انگریزوں کو زبردست جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ اس دوران انگریز گورنر جنرل نے فوج کی کمان جنرل آئر کوٹ کے سپرد کی، لیکن وہ بھی زیادہ دیر نہ جم سکا۔ ٹیپو سلطان نے اس جنگ میں مثالی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا اور کئی اہم فوجی علاقے انگریزوں سے چھین کر سلطنتِ خداداد میں شامل کر لئے۔ بد قسمتی سے اسی دوران ساحلی شہر ملبیار کے نائر قبیلے کے لوگوں نے بغاوت کی جس کو فرو کرنے کے لیے حیدر علی نے ٹیپو سلطان کو ملبیار بھیجا۔ ٹیپو نے مختصر مدت میں وہاں کی بغاوت ختم کر دی، لیکن اسے احتیاطی تدبیر کے طور پر کچھ عرصہ مزید وہاں گذارنے کا حکم دیا گیا۔

حیدر علی کی رحلت:

ابھی انگریزوں کے ساتھ معرکہ آرائی جاری تھی اور حیدر علی کی فتوحات کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا کہ حیدر علی آرکاٹ کے محاذ پر بیمار پڑ گئے۔ ان کے جسم میں سرطان کے دانے نکلے ہوئے

تھے۔ چنانچہ انھوں نے مرض کی شدت کو دیکھ کر سلطان کو فوراً واپسی کے لیے خط لکھا۔ ٹیپو سلطان خط پڑھ کر پائین گھاٹ کے مقام تک پہنچ گیا تھا کہ یکم محرم ۱۱۹۶ھ مطابق ۱۷۸۲ / کو حیدر علی نے جان جانِ آفریں کے سپرد کی اور ٹیپو سلطان کیلئے ایک عظیم مشن کی تکمیل کا بوجھ چھوڑ کر دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

ٹیپو کی جانشینی:

حیدر علی نے انتقال کے وقت اپنے امراء سلطنت کو وصیت کی تھی کہ جس وفاداری کے ساتھ آپ لوگ میری خدمت انجام دے رہے تھے اسی طرح میرے بعد ٹیپو سلطان کی بھی اطاعت کریں۔ ٹیپو نے سری رنگا پٹنم واپس پہنچ کر ۲۰ / محرم ۱۱۹۶ھ کو سلطنت خداداد کا اقتدار سنبھالا۔ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہونے سے قبل اپنی ماں کی خدمت میں حاضری دی، اس کی دعائیں لی۔ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بارِ امانت سنبھالنے کی توفیق کا استدعاء کیا۔ اور دربار میں آ کر تخت شاہی پر مسند نشیں ہوئے۔ دربار شاہی کی پہلی مجلس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ قاری نے سورۂ حشر کے آخری رکوع کی تلاوت کی اور جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد لوانزلنا ہذا القرآن پر پہنچے تو بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور پوری مجلس پر بہت دیر تک سکتہ طاری رہا۔ تخت نشینی کے بعد ٹیپو سلطان نے اپنی رعایا کے نام (جن کی اکثیرت غیر مسلموں پر مشتمل تھی) جو پہلا سرکاری فرمان جاری کیا اس میں اس کے نیک عزائم، اعلیٰ افکار اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کے جذبات کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے، فرمان کے چند اہم نکات درج ذیل تھے:

(ا) میں ٹیپو سلطان بحیثیت حکمراں ریاست میسور سلطنتِ خداداد اس بات کو اپنا فرض منصبی

سمجھتا ہوں کہ بلا تفریق مذہب وملت اپنی رعایا کی اخلاقی اصلاح کروں اور ان کی خوشحالی اور معاشی وسیاسی ترقی کیلئے کوشاں رہوں۔

(۲) مسلمانوں کی دینی واخلاقی بنیاد پر اصلاح کیلئے خصوصی قدم اٹھاؤں۔

(۳) انگریزوں کو اس ملک سے باہر کرنے کیلئے جو ہمارے حقیقی دشمن ہیں پورے ہندوستان کے لوگوں کو متحد کروں۔

(۴) مظلوم و بے بس عوام کو جاگیرداروں اور زمینداروں کے ظلم وستم سے نجات دلاؤں اور عدل وانصاف کی بنیاد پر ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کروں وغیرہ وغیرہ۔

صدام حسین کو پھانسی اور امریکہ اور عالم عرب و عالم اسلام کے تعلق سے ناگزیر سچائیاں

(ماہنامہ دارالعلوم ،شمارہ 3، جلد: 91، مارچ 2007ء، از: حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی)

مشرقِ وسطیٰ کے تعلق سے جن قارئین کو ناچیز کی نگارشات، بالخصوص عربی زبان میں پڑھنے کا موقع ملا ہوگا، وہ اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ عالم اسلام اور بہ طور خاص عالمِ عربی کو اپنا مکمل غلام بنالینے کے لیے امریکہ کی دور رس سازشوں کے تانے بانے کی شکل اختیار کرلینے والے قائدین و حکام کو یہ راقم ہمیشہ مُشَخَّص کرتا رہا ہے۔ اِسی تناظر میں جنگِ خلیج اوّل کے موقع پر راقم نے صدام حسین کے حوالے سے دسیوں دراز نفس مضامین لکھے جن میں خطہ خلیج میں امریکہ کے عسکری ارتکاز کی خطرناکی اور اس کے دور رس مضمرات پر مفصل اور مدلل گفتگو کی گئی تھی۔

کمالِ چالاکی سے امریکہ جو مکمل طور پر اِس وقت موساد اور صہیونیت کے اِس طرح زیر نگیں ہے کہ ماضی میں اِس کی نظیر نہیں ملتی مسلم ملکوں کے جن حکمرانوں کو اپنے "کارندے" کے طور پر منتخب کرتا ہے، اُن میں بے شمار "خوبیوں" کے ساتھ ساتھ، اِس "اہم خوبی" کو ضرور پیشِ نظر رکھتا ہے کہ اُن کے کسی رویّے سے اُمّتِ مسلمہ کو آخر تک یہ محسوس کرنا مشکل؛ بلکہ ناممکن ہو کہ یہ صورت وشکل سے مسلمان اور عربی؛ لیکن باطن اور حقیقت کے اعتبار سے، امریکی یا مغربی ہیں۔ اسکے برخلاف، اُن کے بہت سارے برتاؤ سے یہ محسوس ہوتا ہو کہ یہ "شیرِ خدا" "مجاہدِ اعظم" قومِ مسلم کے واحد نجات دہندہ اور اسرائیل اور بالآخر امریکہ کو دریا برد کردینے یا کسی اور طریقے سے حرفِ غلط کی طرح مٹادینے کی بھرپور صلاحیت کے حامل اور اِس حوالے سے پکے اِرادے اور سچے جذبات سے بہرہ ور ہیں!۔

اِسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمِ عربی میں اور بیرونِ عالم عربی ،جتنی سازشیں رو بہ عمل لائی گئیں اور لائی جا رہی ہیں، اُن میں سے بیش تر انھی حکمرانوں کے ذریعے برپا کی گئیں اور کی جا رہی ہیں۔ بعض دفعہ تو خود اِن حکمرانوں کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ انھیں کوئی استعمال کر رہا ہے اور قوم وعقیدہ ووطن کے خلاف اُن سے بھر پور طور پر کام لیا جا رہا ہے۔ اگر کبھی انھیں اِس کا اِحساس ہوتا ہے تو پیچھے کی طرف لوٹنے اور تلافیِ مافات کرنے کا وقت نکل چکا ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ مجبور و بے بس ہو چکے ہوتے ہیں اور اُن کے لیے اپنے ارادے سے کچھ کرنا یا کہنا خارج از اِمکان ہو چکا ہوتا ہے۔

ہاں کسی وقت شواذّ کے درجے میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کارندہ حکمرانوں کو شروع سے ہی اپنی کارندگی کا علم ہوتا ہے اور وہ اِس "منصب" پر فائز کیے جانے پر بہت خوش ہوتے ہیں اور اُس وقت تک حالات کی "جنّت ریزی" سے خوب خوب لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، جب تک "ہنی مون" Honeymoon کے دن نہیں گزر جاتے اور کارندگی کے نتائجِ بد نکلنے کے دن نہیں آتے اور قوم ووطن اور خود اُنھیں اُن کے تلخ پھلوں کو نہ چاہتے ہوئے کھانے پر مجبور نہیں ہونا پڑتا۔ جب یہ وقتِ بد آجاتا ہے، تو پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوتا ہے اور وقت کا بے رحم ہاتھ ان کی گردنوں تک پہنچ کے رہتا ہے، پھر "گیہوں" کے ساتھ "گھُن" بھی پس جاتا ہے کہ سازش کنندوں کی طرف سے روزِ اوّل سے ہی "گھن" کو بھی پیسنے کا ارادہ کیا گیا ہوتا ہے۔ چناں چہ وہ تو ڈوبتے ہی ہیں قوم ووطن بھی ان کے ساتھ ہی حتمی برے نتائج کا شکار ہو جاتے ہیں "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے"۔

اس ضروری تمہید کا دوسرا جزو یہ ہے کہ اسرائیل کی بقا اور عالم عربی میں موجود قدرتی ذخائر جن میں اب تک کی دریافت کے اعتبار سے تیل کی دولت سرِ فہرست ہے، جو دنیا کی صنعت

وتجارت کے لیے شہ رگ کا درجہ رکھتا ہے پر قبضہ؛ یہ دونوں مقاصد یورپ اور امریکہ کے نزدیک ہمیشہ سے اہم رہے ہیں۔

عراق، مصر، شام، پاکستان، افغانستان کو عالم اسلام وعرب کے مابین یہ امتیاز حاصل ہے کہ اگر وہاں کی عسکری طاقت کو برگ وبار لانے کا موقع ملے اور وہاں کے سارے حکمرانوں یا اکثر کی سمتِ سفر کو خدا کی توفیق سے "قبلے" کی طرف ہوجانے کی فرصت ملے، تو یہ ممالک کسی بھی اسلام مخالف دشمن سے لوہا لے سکتے ہیں؛ کیوں کہ ان میں سے بعض ممالک کے مسلمان اپنی دینی غیرت میں بڑھے ہوے ہیں، تو بعض لڑائی بھڑائی کی فطرت اور شجاعت وقوت کی بے پناہ صلاحیت سے بہرہ ور ہیں، تو بعض کی عددی طاقت بھی قابلِ لحاظ ہے؛ اِسی لیے یہ ممالک ہمیشہ امریکہ ویورپ کی نگاہوں میں کھٹکتے رہے ہیں اور انجانا سا خوف اُنھیں اُن کی طرف سے ستاتا رہا ہے؛ اسی لیے اولاً تو انھیں مطلوبہ عسکری طاقت ہی بننے نہیں دیتے اور اگر اِس سمت میں کسی طرح کی پیش قدمی کے ارادے کا اُن کو علم ہوجائے تو فوراً پیش بندی کر دیتے ہیں اور اگر یہ ممالک پیش بندی کا نوٹس نہ لیں تو ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی سوچتے ہیں۔ جیسا کہ مصر کے ساتھ بار بار ہوا، پھر نائن الیون کے بہانے افغانستان کی راہ سے پاکستان کو بھی تباہی کے راستے پر ڈال دیا گیا اور اس کے تئیں باقی آپریشن آنے کو ہے۔ عراق کو تباہ کر دیا گیا ہے اور اب باقی جو ممالک ہیں وہ آخری حد تک امریکہ کے ہاتھوں تباہی کو تیار بیٹھے ہیں!۔

فی الوقت عالمِ اسلام وعرب کے بڑے بڑے اور خوش نما القاب واسما والے حکمرانوں میں سے کل یا اکثر امریکہ کے وفادار غلام ہیں، یا وہ اپنی کرسیوں کے بچانے اور اپنی عزّت کے "دردِ تہِ جام" کو باقی رکھنے کیلئے امریکہ کی قدم بوسی اور اس کے چشم وابرو کے اشارے پر چلنے کیلئے مجبورِ محض ہیں؛ کیوں کہ وہ "شہ کا مصاحب" بن کے ہی "اِتراتے پھر رہے ہیں" ورنہ عربی واسلامی

معاشرے میں وہ اتنے بے آبرو ہیں کہ اگر امریکہ کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے باہر نکال پھینکیں تو وہ اسی آن عرش سے فرش پر آ جائیں گے اور کوئی ان کی "تعزیت" کرنے والا بھی نہ ہوگا۔

مرحوم صدام حسین بھی اِسی سلسلے کی کڑی تھے۔ انھوں نے بعض مرحلوں میں شعوری اور بعض مرحلوں میں لاشعوری طور پر مشرقِ وسطیٰ میں امریکی وصہیونی منصوبے کو بھرپور طور پر آگے بڑھایا اور امریکہ کو پہلے سے زیادہ اور عجلت کے ساتھ خلیج کے خطّے میں اپنے فوجی ارتکاز، عسکری اڈے کے قیام واستحکام اور اس کو ہمہ گیر طور پر تہس نہس کر دینے کا من چاہا سنہرا موقع عطا کیا۔

عراق اِیران جنگ جو عرصہ ۸ سال تک جاری رہی اور دونوں ملکوں کے ۱۵-۱۶ لاکھ کے قریب فوجی وشہری جاں بہ حق ہو گئے اور اربوں ڈالر مصارف آئے امریکی اسرائیلی منصوبے کے بر پا ہونے کی راہ سے رکاوٹوں کو دور کرنے کی سمت میں بہت بڑا اور بنیادی قدم تھا۔ امریکہ نے اِس موقع سے نہ صرف عراق کو؛ بلکہ دگر عربی ملکوں کو بھی ہتھیار کی کھیپ کی کھیپ دے کر اڑوس پڑوس کے عربی مما لک سے خوب خوب دولت بٹوری؛ کیوں کہ انھیں ایرانی شیعی خطرے پر "سب سے بڑا ڈیم" تعمیر کرنے کا خواب دکھایا گیا اور بتایا گیا کہ عراق، خلیج کے عربی ملکوں پر ایران کے مُسلَّط ہو جانے کی راہ میں درحقیقت سدِّ سکندری ہے، خدانہ خواستہ اگر یہ سد ڈھہ گئی، تو ایران کے سیلِ بلاخیز کو کسی طرح بھی روکنا ممکن نہ ہوگا!۔

امریکہ نے چوری چھپے ایران کو بھی ہتھیار سپلائی کیے؛ تاکہ ایک طرف اسلحے کی کھپت کے ذریعے اس کی دولت کو اسپنج کی طرح چوسا جائے، دوسری طرف دونوں کو تادیر لڑتے رہنے اور اپنی عسکری، مادی اور بشری طاقت کو کم زور سے کم زور تر کر لینے کا جنون امریکہ واسرائیل کی خواہش کے مطابق اپنا اثر دکھا سکے۔

ابھی یہ جنگ ختم نہ ہوئی تھی کہ اور عراقی عوام ابھی اس سے پیدا شدہ زخمِ جسم و زخم جگر چاٹ ہی رہے تھے کہ امریکہ نے اپنی جواں سال، فتنہ خیز یہودن دوشیزہ سفیر APRIL GALASPIE (جس کو کسی مصلحت کے تیئں ہی عراق میں متعین کیا گیا تھا اور جس کے تعلق سے ذرائع ابلاغ نے یہ نوٹ کیا تھا کہ اُس وقت صدام حسین صاحب بہ وقتِ شام اکثر سفارت خانے کی زیارت اور قتالہ سفیرہ کی ملاقات و وصال سے بہرہ یاب ہوا کرتے تھے) کے ذریعے صدام حسین کو باور کرایا کہ کویت فلاں خطّے سے جو عراقی سرحد سے ملا ہوا ہے مسلسل عراق کے تیل کی چوری کا مرتکب ہو رہا ہے، اگر عراق اِس حوالے سے کویت سے عسکری طور پر نمٹتا ہے، تو امریکہ کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ عراق اور کویت کا معاملہ اور تمام تر عربوں کی داخلی کشاکش ہوگی۔ عراق نے کویت پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور اس چھوٹے سے خود مختار عربی ملک کو اپنی ریاست کا ایک صوبہ قرار دے کر وہاں سے کسی طرح بھی باہر نہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ مسلم اور عربی ملکوں، نام نہاد اقوامِ متحدہ اور دگر عالمی اداروں نے صدام کو بہتیرا سمجھایا کہ بھئی! تم کویت چھوڑ دو؛ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوے۔ امریکہ نے سارے عربی ملکوں کو عموماً اور سعودی عرب کو خصوصاً یہ باور کرایا کہ عراق اپنی "بھیانک" حربی طاقت کے ذریعے، یکے بعد دیگرے سارے عربی ملکوں پر حملے اور قبضے کی سوچ رہا ہے۔ چناں چہ خطّے کے سارے ملکوں نے امریکہ کو اپنے ہاں اپنی فوج اتارنے اور خلیج کے خطے میں عسکری ارتکاز کی نہ صرف بہ خوشی اجازت دے دی بلکہ اچھل اچھل کے انتہائی بے تابی کے ساتھ اس کی پیش کش کی۔ اس سے امریکہ کو اپنی من چاہی مراد مل گئی۔ اس نے پوری دنیا میں اپنے طاقت ور یہودی ذرائع ابلاغ کے ذریعے شب و روز شور مچایا کہ صدام کویت پر قبضہ کر کے اب سارے عربی ملکوں پر قبضے کے لیے پر تول رہا ہے۔ چناں چہ وہ ۳۰ ملکوں کی نام نہاد افواج اور دراصل اپنی صلیبی و صہیونی افواج کو اس خطہ عرب میں

اتار لیا جس کو کافروں سے بالیقین ہمیشہ پاک رہنا چاہیے۔

عصرِ حاضر میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک عربی ملک پر ایک پڑوسی عربی ملک نے حملہ وقبضہ کر کے، عربوں کی صفوں میں ایسی گہری خلیج پیدا کر دی تھی جس کو پاٹنا خارج از امکان بن گیا تھا۔ ہماری اِن آنکھوں نے زمانے کی یہ نیرنگی بھی دیکھی کہ ایک مسلم عربی ملک کو ایک مسلم عربی ملک سے آزاد کرانے کے لیے صلیبی وصہیونی اتحاد سرگرمِ کار ہوا اور امریکہ نے ہمیشہ کے لیے اِس خطے میں اپنے زبردست فوجی جماؤ اور عسکری اڈوں کی راہ ہموار کر لی۔ کویت کو آزاد کرانے کے بہانے عربوں کو صلیبی وصہیونی طاقت کا ہمیشہ کے لیے غلام بنا لیا گیا۔

۲۸/فروری ۱۹۹۱/کو جب امریکہ نے عراق کے خلاف اپنی فوجی کارروائی موقوف کی، تو نہ صرف یہ کہ عراق کے ۲۵ ہزار فوجی وشہری ہلاک اور ۷۵ ہزار فوجی وشہری زخمی ہو چکے تھے؛ بلکہ عراق کی عسکری طاقت چورہ چورہ ہو چکی تھی اور معاشی طور پر وہ قلاش ہو چکا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ صدام حسین سارے عربوں سے کٹ گئے اور سارے عرب اُن سے بالکل برگشتہ ہو گئے، اِس وقت مسلمانوں کے درمیان بش کی جو شبیہ ہے غالباً اِسی طرح کی شبیہ صدام کی عربوں اور مسلمانوں کے بہت بڑے طبقے کے درمیان بن گئی تھی۔ اِس موقع سے صدام کے خلاف ہزاروں صفحات لکھے گئے، ان کے محرومیوں سے بھرپور بچپن، بے سمت نوجوانی، اور خون کی رسیا جوانی اور ہم عصروں و رفقائے کار کے خلاف بڑے سے بڑے اور بُرے سے بُرے اقدامات کے ذریعے اقتدار پر قابض ہو جانے میں اُن کی فن کاری وغیرہ پر سیکڑوں کتابیں چھپیں اور بہت بکیں۔

صدام نے کویت کی بہ جائے اگر سنجیدگی سے اسرائیل سے بھرپور پنجہ آزمائی نہ سہی دو چار میزائلس صہیونی ریاست کی طرف داغ دیتے (جس کے متعلق ہمیشہ ان کے بڑے بڑے

معاندانہ بول سے، دنیا کے مسلمان عموماً اور اسلام پسند خصوصاً بہت خوش ہوتے رہے تھے اور اُن سے اسرائیل سے نمٹنے کے تئیں بڑی بڑی امیدیں لگائے رہتے تھے) تو وہ دنیا میں پوجے جانے والے مسلم حکم راں بن جاتے اور امتِ مسلمہ یہ سمجھتی کہ واقعی عراق کی عسکری تیاری اپنے مصرف میں ٹھکانے لگی؛ لیکن انھوں نے امریکہ کے جھانسے میں آ کر کویت پر حملہ وقبضہ کرکے اور ساتھ ہی متعدد عربی ملکوں کو بے وجہ دھمکی دے کر، اپنی بدقسمتی پر ہمیشہ کے لیے مہر لگا دی اور قوم و وطن اور پوری امتِ مسلمہ اور بالخصوص عربوں کو امریکہ اور اسرائیل کے قدموں میں اِس طرح ڈال دیا کہ اب بہ ظاہر بہت دنوں تک دور دور تک ان کے پنجۂ استبداد سے نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی؛ بلکہ غلامی کے نہ معلوم کتنے طوق کس کس مسلم وعربی ملک کی گردن میں کب کب ڈالنے کا پلان ہے، اس کا علم صرف خدائے علیم ہی کو ہے۔

امریکہ نے اب کی بار صدام حسین کو اپنے لیے "ہنرمندی" سے مکمل طور پر اِس طرح استعمال کرلیا کہ ایک تیر سے اس نے لاتعداد شکار کر لیے اور عربوں کے بحر و بر اور جسم دونوں سے تیل نکالنے کی ایسی راہ پیدا کرلی، جو اَب کبھی ناہموار ہونے والی نہ تھی، یہاں سے صدام حسین میں امریکہ کے تئیں پائے دار عداوت، بغض و عناد کا ایسا جذبۂ بے کراں بیدار ہوا جو شہادت تک اُن کا ہم راہی رہا۔ امریکہ نے صرف اسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ نام نہاد سلامتی کونسل کے ذریعے عراق پر زبردست اقتصادی پابندی عائد کردی جو ۱۲/ سال تک جاری رہی، جس سے عراق عسکری طاقت کی مسماری کی رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی اور اقتصادی طور پر وہ بالکل دیوالیہ بن گیا۔ اس دوران کم وبیش دس لاکھ عراقی بچے غذائی قلت اور دواؤں کی نایابی کی وجہ سے دم توڑ گئے۔

اس کے بعد امریکہ نے عراقی اسلحے کی تفتیش کا ایسا دراز نفس ڈرامہ اسٹیج کیا کہ دنیا والے اس کو دیکھ دیکھ کر اوبھ گئے۔ جب یقین ہوگیا کہ عراق کے پاس مزاحمت کی کوئی عسکری طاقت نہیں

تو اس نے نائن الیوین کے پس منظر میں، اس پر یہ کہہ کر حملہ کر دیا کہ اس کے پاس وسیع تر تباہی کے بے شمار ہتھیار ہیں۔ اس جنگ کی اقوام متحدہ، سارے عالمی اداروں اور دو ایک کو چھوڑ کے دنیا کے سارے ملکوں نے مخالفت کی؛ لیکن جونیئر بش کو اپنے والد سینئر بش کا صدام سے انتقام لینا تھا؛ کیوں کہ صدام نے بغداد کے رشید ہوٹل کی دہلیز میں سینئر بش کی شبیہ فرش پر بنوادی تھی؛ تا کہ سارے آنے جانے والوں کے پاؤں اس پر ضرور پڑیں، سو بش نے بالآخر یہ انتقام لے ہی لیا۔

صدام حسین کے لیے اس آخری خلیجی جنگ میں (جو اُن کے اور اُن کے ملک وقوم کے خلاف لڑی گئی اور لڑی جا رہی ہے اور جو ۲۰/ مارچ ۲۰۰۳/ کو شروع کی گئی اور یکم مئی ۲۰۰۳/ کو جونیئر بش نے جنگ کے "خاتمے" کا اعلان تو کر دیا؛ لیکن آج بہ وقت تحریر شنبہ: ۳/ فروری ۲۰۰۴/ = ۱۴/ محرم ۱۴۲۸ھ بھی امریکہ کی دم تباہ شدہ عراق کی پھٹن سے تمام کوششوں کے باوجود نہیں نکل سکی ہے) اِس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ مسلسل جنگ اور عالمی پابندیوں کی وجہ سے عسکری طور پر مفلوج ہو جانے کو دیکھتے ہوئے وہ امریکہ کی ساری ظالمانہ اور ذلت آمیز شرطوں کو مان کر سپر انداز ہو جاتے یا پھر مقابلہ کی طاقت سے تہی مایہ ہونے کے باوجود اپنا بھرم باقی رکھنے اور اپنی جھینپ مٹانے کے لیے اپنی ضد پر قائم رہتے اور امریکہ سے دو دو ہاتھ کرنے کو، اپنے محلات کی جنت میں انتظار کرتے رہتے۔ انھوں نے اپنے فطری سر پھرے پن کی وجہ سے (جس کی وجہ سے زندگی میں بڑی بڑی خطرناکیوں، ناانصافیوں، جارحیتوں اور منطقی نتائج نیز ناگہانی مصائب کو دعوت دی اور پھر انھیں جھیلا اور اپنی ذاتی وصفاتی وقومی توانائیوں کا زیادہ تر اور بہتر حصہ ان سے نمٹنے میں ہی صرف کر دیا) دوسری ترجیح کو ہی اپنے نصیبے کے آخری انجام تک پہنچنے کے لیے منتخب کیا۔ اور دنیا والوں کی توقع کے مطابق وہی کچھ ہوا جو ہونا تھا۔ ہمارے بہت سے خوش فکر مسلمان، جو ہمارے حکمرانوں کے تئیں عموماً سچائیاں نہیں جانتے، صدام حسین اور اُن

کی افواج کی طرف سے، خدا کے حکم سے اور انبیا کے سچے ماننے والوں کے تعلق سے، خدا کے وعدے کے بہ موجب، "معجزات" کے ظہور کا بے چینی سے انتظار کرتے رہے کہ عراقی افواج نے اب امریکہ کو کچل دیا اور تب اور بش کی کافر و فاجر افواج عراق کے صحرا کا اب پیوند بنی اور تب۔ دوسری طرف خدا کی مشیّت اور زمینی حقیقت اِس شکل میں سامنے آئی کہ صلیبی وصہیونی امریکی و برطانوی افواج نے سارے عراق بالخصوص بغداد کے چپے چپے پر خطرناک بموں کی موسلا دھار بارش (جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے) کر کے، آخری حد تک اس کو تباہ کر دیا اور انسانی لاشوں کی "زرخیز" فصل کاٹ کر، صرف ۲۴ دنوں میں، عراق کو غلام بنالیا۔

امریکہ کی اِس جارحیت میں دنیا کے اکثر ملکوں نے نہ صرف یہ کہ اس کا ساتھ نہیں دیا؛ بلکہ اسکے خلاف بڑے بڑے عالم گیر اور بےنظیر مظاہرے ہوے؛ لیکن حیرت کی بات ہے کہ چکنے چپڑے عربی نام والے عرب اور مسلم حکمرانوں نے نہ صرف چپ سادھے رکھا؛ بلکہ در پردہ اور کھل کر امریکہ کا ساتھ دیا اور کئی ایک نے اپنے ہاں سے برادر عربی ملک عراق کے خلاف ہر طرح کی عسکری کارروائی کو بہ خوشی قبول کیا، جس کے بغیر امریکہ کے لیے عراق کے خلاف کارروائی ممکن نہ تھی۔

دوسری طرف بش نے عراق کے حوالے سے جو حسین خواب دیکھا تھا کہ وہ تر نوالہ ثابت ہوگا، وہ مزاحمت کاروں کی نا قابلِ تصور مزاحمت کی وجہ سے شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا نہ آئندہ اِن شاء اللہ ہونے کو ہے۔ امریکہ نے عراق پر حملے کے بار بار وجوہِ جواز بدلے، دنیا والے بش کے جھوٹ، فریب، ضد، خونِ مسلم کی عجب سی ان کی لت سے بری طرح اکتا چکے ہیں اور خود امریکہ والے بہت سے لوگ ان کا منھ نوچنے کو تیار ہیں۔ امریکہ نے عراق میں صہیونی کارندوں کو کھُل کھیلنے کا موقع دے رکھا ہے، ان کے محبوب مشغلوں میں یہ بھی ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کے

عقیدہ وثقافت کو تہس نہس کرنے کے ساتھ ساتھ یہاں شیعہ سنی جھگڑے کو خوب خوب بڑھاوا دیا جائے، نیز کردوں اور مختلف نسلی وقبائلی گروہوں کی عصبیت کو ہوا دی جائے؛ تاکہ عراق کا تیا پانچہ کرکے اس کے فرزندوں کے عسکری اور حربی بھرم کو ختم کر دیا جائے اور اسرائیل کے لیے اب یہ کبھی خطرہ نہ بن سکے۔ بش کے ذریعے فتح کے اعلان کے بعد سے اب تک ۶-۷ لاکھ عراقیوں کو (جن میں اکثریت سنیوں کی ہے) موت کے گھاٹ اتارا جا چکا ہے، امریکہ نے وہاں ظلم و بربریت اور قتلِ عام کا طوفان برپا کر رکھا ہے، جیلوں کو عقوبت خانہ بنا رکھا ہے، عراقیوں کی عزت وآبرو کو پامال کرنا امریکیوں کے نزدیک غالباً ان کے رب کی رضا جوئی کا بہترین ذریعہ ہے، جان و مال کا اِس بے دردی سے ضیاع، اتنے دنوں تک اور اس پیمانے پر، عالم نے کیوں دیکھا ہوگا؟۔

دوسری طرف ۲۲/ جولائی ۲۰۰۳/ کو امریکی فوج نے عراق کے شہر "موصل" میں ایک زبردست حملے میں صدام حسین کے دونوں بیٹوں: "عدی" اور "قصی" کو قتل کر دیا۔ صدام حسین تو سقوطِ بغداد کے بعد ہی روپوش ہو گئے اور اُن کے تعلق سے بھانت بھانت کی خبریں گشت کرتی رہیں، تا آں کہ ۱۴/ دسمبر ۲۰۰۳/ کو امریکی فوجیوں کے ذریعے اُن کے پکڑے جانے کا اعلان کیا گیا۔ ۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۵/ کو "دجیل" میں ۱۴۸ شیعوں کے قتل کے الزام میں صدام پر مقدمہ شروع کیا گیا۔ ۵/ نومبر ۲۰۰۶/ کو دجیل قتل کا انھیں ملزم ٹھہراتے ہوے بغداد کی عدالت نے اُن کو پھانسی کی سزا سنائی۔ وکلا کے مشورے سے اُنھوں نے سزا کے خلاف اپیل دائر کی؛ لیکن ملک کی کریمنل عدالتِ علیا نے ۲۶/ دسمبر ۲۰۰۶/ (سہ شنبہ ۴/ ذی الحجہ بہ تقویم ہندوستان ۱۴۲۷ھ) کو ان کی اپیل کو مسترد کرتے ہوئے پھانسی کے ذریعے انھیں مار ڈالنے کی سزا کو برقرار رکھا اور بالآخر بہ عجلت تمام انھیں جمعہ شنبہ: ۲۹-۳۰/ دسمبر کی درمیانی شب میں صبح

صادق سے ذرا پہلے تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا۔ عالمِ عربی کی جنتری کے حساب سے اس دن ۱۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ کی تاریخ تھی۔ دنیا کے لاکھوں مسلمان شعائرِ حج کی ادایگی میں مشغول تھے اور ساری دنیا کے مسلمان عیدالاضحیٰ کی نماز اور سنتِ ابراہیمی کو بجالانے کے لیے مصروفِ کار تھے کہ اُنھیں یہ اندوہناک خبر ملی کہ صدام حسین کو شہید کر دیا گیا، تو ہر ایک کو یسا لگا کہ صدام حسین کو بالیقین ظالمانہ طور پر قتل کیا گیا ہے۔ کروڑوں مسلمانوں نے انھیں دعا دی اور کٹھ پتلی عراقی حکومت کے اہل کاروں اور امریکہ کے بش پر دل کی گہرائیوں سے آبدیدگی کے ساتھ لعنت کی اور بددعا دی۔

ذرائع ابلاغ میں دوسرے دن خبر آئی کہ صدام کو پھانسی دینے میں شیعی رہنما مقتدی صدر اور ان کے حامی بھی شریک تھے، پھانسی کے تختے پر چڑھاتے وقت صدام سے بدزبانی بھی کی گئی اور عار دلا کر اُن کا دل دکھایا گیا، پھانسی کے بعد ان کی لاش کے ساتھ بے حرمتی کی گئی جس کی غمازی اخبارات میں چھپی تصویر سے بہ خوبی ہوتی تھی۔

صدام حسین پر مقدمہ کی کارروائی تمام تر غیر منصفانہ تھی، ان کے ۳ وکلا اور ججوں کو صرف اس جرم میں مار دیا گیا کہ وہ صدام کی وکالت کیوں کر رہے ہیں۔ اُن کے آخری جج کو بھی زبردستی اور بے وجہ تبدیل کر دیا گیا؛ تاکہ فیصلہ حسبِ منشا صادر ہو۔ پھر ان کو جس طرح عیدالاضحیٰ کے دن صبح سویرے پھانسی دی گئی، یہ اقدام انتہائی افسوسناک اور بدبختانہ تھا اور اس کا مقصد صرف دنیا کے مسلمانوں کا منھ چڑھانا تھا اور یہ بتانا تھا کہ اے مسلمانو! ہم تمھارے دینی تیوہاروں، مذہبی تقریبات اور شعائر کی کوئی پروانہیں کرتے اور تمھیں ہم جب اور جس طرح چاہیں ذلیل کر سکتے ہیں۔

صدام حسین کو پہلی مرتبہ جو محبوبیت ملی، دعاؤں کا ہدیہ ملا، نیک نامی کی سوغات ملی؛ وہ انھیں

زندگی میں کبھی نہ ملی تھی۔ کیا عجب ہے کہ خدائے بے نیاز نے اس طرح اُن کے لیے مغفرت کی کوئی راہ پیدا کر دی ہو اور ان کے گناہوں کو معاف کر دینے کا بہانہ نکال لیا ہو۔ اس کریم کے ہاں بخشش کے لیے بہانہ چاہیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام ترمذی نے جو حدیث قدسی نقل کی ہے اور جس کو امام صاحب نے ”حدیث حسن صحیح“ قرار دیا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر بندے کا گناہ اتنا ہو کہ اس سے زمین و آسمان کی پوری فضا بھر جائے اور روے زمین کا احاطہ کر لے تب بھی وہ غفور رحیم بخش دے گا بشرطے کہ وہ اس سے سچے دل سے مغفرت کا طالب ہو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

صدام حسین کا آخری وقت اور صحیح علم تو خدا ہی کو ہے بہت اچھا گزرا، اُن کے رویّے سے محسوس ہوتا تھا کہ انھوں نے اپنے رب سے صدقِ دل سے معافی چاہی ہے۔ وہ تختۂ دار پر جاتے وقت دائیں ہاتھ میں قرآن پاک لیے ہوے تھے، جو انھوں نے اپنے گلے میں پھندا ڈالے جانے کے وقت جلادوں کو یہ کہہ کر دے دیا کہ فلاں صاحب کو یہ قرآنِ پاک دے دیا جائے، تختۂ دار پر لائے جانے سے قبل جب ان کو اہل کاروں نے جیل میں کہا کہ اب آپ کو پھانسی پر لٹکایا جائے گا آپ تیار ہو جائیں، تو انھوں نے غسل کیا، نماز پڑھی، قرآنِ پاک کی تلاوت کی، تب وہ متعلقہ اہل کاروں کی گاڑی پر سوار کرائے گئے اور کال کوٹھری تک لائے گئے۔ تختۂ دار پر چڑھتے وقت وہ پرسکون رہے، کسی گھبراہٹ اور خوف کا اظہار اُن کے کسی برتاؤ سے نہیں ہوا، یہ بہت بڑی بات ہے؛ اسی لیے سارے ذرائع ابلاغ نے اس کو نہ صرف ریکارڈ کیا؛ بلکہ بار بار اس کو مشتہر کیا: پھندہ کسے جانے سے قبل انھوں نے تین مرتبہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا اور پھر ان کے پاؤں کے نیچے سے تختہ ہٹا دیا گیا اور پھانسی کا عمل تمام ہوتے ہی وہ ابدی نیند سو گئے۔

صدام حسین نے یقینا جبر و استبداد کے ساتھ حکومت کی، قوم و امت کو شدید نقصان پہنچایا،

بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا، ملت کے لیے لاتعداد تباہیوں کا ذریعہ بنے، اپنی رعایا کو مجموعی طور پر ناخوش رکھا، عدل انصاف کے اپنے تراشیدہ پیمانے پر ہی عمل کیا۔ اسرائیل اور امریکہ کو صرف دھونس دھمکی دی اور جب وہ اس قابل تھے کہ دونوں میں سے کسی کو کوئی کانٹا چبھا سکتے تھے، تو اپنے ابنائے مذہب وثقافت وتاریخ یعنی عربوں کے ایک ملک پر حملہ وقبضہ کے ذریعے، دنیا کے بیش تر مسلمانوں کو اپنا حریف بنالیا۔

جب پھانسی دی گئی تو شیعے (جو اُن سے بہ طور خاص اِس لیے پرخاش رکھتے تھے کہ وہ سنّی تھے) اور وہ سنی عرب بھی یقینا خوش ہوے ہوں گے جنھیں اُن کے طرزِ حکمرانی نیز کویت پر حملے اور قبضے سے ہمہ گیر اذیت ہوئی تھی اور سب سے زیادہ خوشی امریکہ کے بدنامِ زمانہ صدر بش اور اُن کے صلیبی وصہیونی ہم خیالوں کو ہوئی کہ اُنھیں یہ محسوس ہوا کہ انھوں نے عراق میں اپنی ناکامیوں کو یکلخت کامیابیوں میں تبدیل کرلیا ہے؛ لیکن اُنھیں جلد ہی یہ محسوس ہوگیا کہ اُن کا خواب ابھی بھی شرمندۂ تعبیر ہونے کے قریب بھی نہیں۔

صدام حسین کی پھانسی سے سب سے بڑا سبق جیسا کہ دنیا کے اکثر صحافیوں، قلم کاروں اور دانش وروں نے کہا ہے ان عربی اور مسلمان حکمرانوں کو لینا چاہیے جو اِس وقت امریکہ کے ایجنٹ بنے ہوے ہیں اور صہیونی وصلیبی منصوبوں کی تکمیل کا نہ صرف ذریعہ بنے ہوے ہیں؛ بلکہ تکمیل کی راہ کی ساری رکاوٹوں کو ایک ایک کرکے ہٹانے میں جٹے ہوے ہیں اور "گلیمِ بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہرا" کو بیچ کھانے کے جذبۂ بے پناہ سے اِس طرح سرشار ہیں کہ لگتا ہے کہ اپنی کھالوں میں نہیں سمارہے ہیں۔ یہ وقت ان کے اِس سچائی پر غور کرنے کا ہے کہ وہ صدام سے زیادہ "ناسمجھ" "سرپھرے" اپنے پاؤں پر آپ کلھاڑی چلانے والے نہیں ہوسکتے۔ امریکہ نے صدام حسین کے اِن "اوصاف" سے بھرپور طور پر فائدہ اٹھایا؛ لیکن جب اس نے محسوس کیا کہ

صدام حسین اب سرتابی دکھا رہا ہے اور اس کے صلیبی وصہیونی منصوبے کو اپنے آخری انجام تک پہنچانے میں اس کا ساتھ نہیں دے رہا؛ بلکہ اب خطرہ ہے کہ وہ بہت سے رازہائے سربستہ سے پردہ نہ اٹھا دے، جس کی وجہ سے امریکہ کی جگ ہنسائی ہو اور اقوامِ عالم کو اُس کے استعماری عزائم کے تانے بانے کی جان کاری ہو جائے، تو صدام حسین کے ملک، ان کی قوم، ان کی طاقت اور بالآخر ان کی ذات کو بہ عجلت تمام ٹھکانے لگا دیا گیا۔

پکڑے جانے کے بعد صدام عرصہ تک زندہ رہے، کسی کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ انھوں نے "ہنی مون" والے امریکی دنوں کے راز و نیاز کی بات کو واشگاف کیوں نہیں کیا؟ تو یہ عرض ہے کہ وہ تمام تر امریکی گرفت میں تھے، کیا پتہ اُن کے دماغ و دل کو سائنس کی ترقی کے اِس دور میں کس طرح استعمال کیا گیا، کیا عجب ہے کہ انھیں وہی بولنے دیا گیا جو امریکہ بلوانا چاہتا تھا، ان سے وہی کچھ کہلوایا گیا جس سے امریکہ کو سبکی نہ ہو۔ آج کل دل اور دماغ پر قریب اور دور سے دواؤں اور آلات کے ذریعے اِس طرح کنٹرول کیا جا سکتا ہے کہ بڑے سے بڑے روایتی جادوگر بھی ششدر رہ جائیں گے۔ روے زمین پر اسرائیل اور امریکا سے بڑا شیطان اِس وقت غالباً خود اصل شیطان بھی نہ ہو؛ کیوں کہ گرو گڑ ہی رہ جاتا ہے اور چیلا عموماً شکر بن جاتا ہے۔

بالیقین صدام گنہ گار تھے؛ انھوں نے ہمالیائی جرائم کیے؛ انھوں نے سنگ دلی، تشدّد، سخت گیری، جبر و اِکراہ اور استبداد کی بہت بری سطح پر اُتر کر حکومت کی؛ حکمرانی کے پورے دورانیے میں دوست سے زیادہ دشمن کو جنم دیے؛ ساتھ ہی کچھ اچھے کام بھی کیے، جو اُن کی برائیوں کے نیچے دب گئے۔ یقیناً اُن کا محاسبہ ہونا چاہیے تھا اور سزا بھی ملنی چاہیے تھی؛ لیکن یہ دونوں کام کسی امریکہ، کسی اسرائیل، ان کے کارندوں اور ان کے غلامانِ باوفا کا نہیں تھا۔ یہ کام خود اُن کی آزاد قوم، آزاد ملک اور امتِ عربیہ کا تھا کہ وہ بہ وقتِ تقاضا اُن کا محاسبہ کرتی اور مناسب سزا تجویز

کرتی۔ سات سمندر پار سے، بغیر بلائے، طاقت کے زور پر، کسی ملک پر قبضہ کر کے، اس کے حکم راں کو پھانسی پر چڑھانے کی جو طرح بش اور اُن کے ہم نواؤں نے ڈالی ہے، تو کیا خود اِسی کی رو سے بش صاحب نے مسلمانوں اور عربوں کے لیے طاقت ور ہو جانے کے بعد، اس بات کا جواز نہیں پیدا کر دیا ہے کہ وہ اُن کے ملک پر اِسی طرح حملہ اور قبضہ کر کے اُن کو تختۂ دار پر چڑھا دیں۔ یا اِس وقت جو ملک امریکہ سے ٹکر لے سکتے ہیں، اگر وہ سنجیدہ ہو جائیں اور بش کے ملک پر حملہ کر کے انھیں پکڑ کے صدام سے بھی زیادہ برے انداز میں انھیں جہنم رسید کر دیں، تو خود اُن کے رویّے کی روشنی میں انھیں یا اُن کے باپ کو یا اُن کے شرارت پیشہ ٹولے کو اعتراض کرنے کا کوئی حق ہو سکتا ہے۔ بش نے انتہائی خطرناک راہ اختیار کی ہوئی ہے، دنیا والے اُن کے خلاف شور تو مچاتے ہیں؛ لیکن کوئی بڑی طاقت اُن کا گریبان پکڑ کے اُن کو راہ راست پر لانے کو تیار نہیں ہوتی۔

عالمی برادری کے نفاق، دوہرے پیمانے پر عمل آوری، تفریق کی سیاست، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان الگ الگ طرز عمل اور ظلم کو صرف ایک حد تک ظلم کہنے اور ظلم کے سر چڑھ جانے کے بعد اس کو "انصاف" کا نام دے دینے کے سلوک سے؛ امتِ مسلمہ کا غصّہ دیدنی بن گیا ہے۔ دہشت گردی کے جس بھوت کو مارنے کے لیے بش اور اُن کے ناپاک ٹولے نے انجانے سمتوں میں رتوندی والے اونٹ کی طرح ٹامک ٹوئیے مارتے رہنے کا رویّہ اپنایا ہوا ہے، تو یہ معرکہ امریکہ اور عالمی برادری کے مذکورہ منافقانہ اور متضاد طرز عمل کی وجہ سے کسی طرح بھی سر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ امریکہ اور دنیا کے وہ ممالک جو امریکہ کی روش میں کسی نہ کسی طرح قولاً یا فعلاً اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، وہ اِس وقت جتنے غیر محفوظ ہو گئے ہیں، اتنے غیر محفوظ وہ کبھی نہ تھے۔

عالمی برادری اور بہ طورِ خاص امریکہ اپنی موجودہ روش پر قائم رہ کر کسی فوت شدہ مقصد کو حاصل کر سکتا ہے نہ کسی مطلوبہ امن وسکون سے بہرہ یاب ہوسکتا ہے۔ ظلم کی راہ ہمیشہ بڑی کٹھن رہی ہے، ہے اور رہے گی۔ امریکہ اِس ڈگر کو جتنی جلدی چھوڑ دے، اُسی قدر اُس کے حق میں بھلا ہوگا اور دنیا والوں کو بھی سکون کی سانس لینے کا موقع ملے گا۔

مطالعہ کیوں......کیا......اور کیسے؟؟؟

(ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 02، جلد:93 فروری 2009ء ، از: مولوی فاروق اعظم عاجز قاسمی)

ایک شہسوار قلم کے لیے مطالعہ اتنا ضروری ہے جتنا انسانی زندگی کی بقاء کے لیے دانا اور پانی کی ضرورت ہے، مطالعہ کے بغیر قلم کے میدان میں ایک قدم بھی بڑھانا بہت مشکل ہے، علم انسان کا امتیاز ہی نہیں؛ بلکہ اس کی بنیادی ضرورت بھی ہے، جس کی تکمیل کا واحد ذریعہ یہی مطالعہ ہے، ایک پڑھے لکھے شخص کے لیے معاشرہ کی تعمیر و ترقی کا فریضہ بھی اہم ہے؛ اس لیے مطالعہ ہماری سماجی ضرورت بھی ہے۔ اگر انسان اپنے اسکول و مدرسہ کی تعلیم مکمل کر کے اسی پر اکتفا کر کے بیٹھ جائے تو اس کے فکر ونظر کا دائرہ بالکل تنگ ہو کر رہ جائے گا۔ مطالعہ استعداد کی کنجی اور صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا بہترین آلہ ہے۔ یہ مطالعہ ہی کا کرشمہ ہے کہ انسان ہر لمحہ اپنی معلومات میں وسعت پیدا کرتا رہتا ہے۔ اور زاویہ فکر ونظر کو وسیع سے وسیع تر کرتا رہتا ہے۔

مطالعہ ایک ایسا دوربین ہے جس کے ذریعے انسان دنیا کے گوشہ گوشہ کو دیکھتا رہتا ہے، مطالعہ ایک طیارے کی مانند ہے جس پر سوار ہو کر ایک مطالعہ کرنے والا دنیا کے چپہ چپہ کی سیر کرتا رہتا ہے اور وہاں کی تعلیمی، تہذیبی، سیاسی اور اقتصادی احوال سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ شورش نے کہا: ”کسی مقرر کا بلا مطالعہ تقریر کرنا ایسا ہی ہے جیسا بہار کے بغیر بسنت منانا، یا لو، میں پتنگ اڑانا“ (۱) یہ تو ایک مقرر کے سلسلے میں بات تھی؛ لیکن ٹھیک یہی صورت ایک قلم کار کی بھی ہے۔ مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب فرماتے ہیں: ”آج لوگ لکھنے والے زیادہ اور پڑھنے والے کم ہو گئے جس کے نتیجے میں تحریر کی اثر آفرینی ختم ہو گئی؛ اس لیے تحریر کو موثر بنانے کے لیے ضرورت ہے کہ ایک صفحہ کو لکھنے کے لیے سو صفحات کا مطالعہ ہو“ (۲) پروفیسر عبدالمغنی کہتے

ہیں: ”مطالعہ کی غرض علم کا حصول اور راہ عمل کی تلاش ہے“

شیشی کے اندر اگر مشک ہو تو کھولنے کے بعد خوشبو ضرور پھیلتی ہے اسی طرح جب ایک قلمکار کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہوتا ہے تو اس کی تحریر میں قوت اور اثر ہوتا ہے؛ ورنہ تحریر کمزور، پھسپھسی اور بے جان ہوتی ہے۔

عربی کا ایک مشہور محاورہ ہے: ”زمانے کا بہترین دوست کتاب ہے“ اسی کو شورش مرحوم نے اس طرح کہا ہے: ”کتاب سا مخلص دوست کوئی نہیں“۔ اسی طرح ایک مفکر کہتا ہے: ”کتابوں کا مطالعہ انسان کی شخصیت کو ارتقاء کی بلند منزلوں تک پہنچانے کا اہم ذریعہ، حصول علم و معلومات کا وسیلہ اور عملی تجرباتی سرمایہ کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے اور ذہن و فکر کو روشنی فراہم کرنے کا معروف ذریعہ ہے۔“

کتابوں سے جہاں معلومات میں اضافہ اور راہ عمل کی جستجو ہوتی ہے وہیں اس کا مطالعہ ذوق میں بالیدگی، طبیعت میں نشاط، نگاہوں میں تیزی اور ذہن و دماغ کو تازگی بھی بخشتا ہے۔

مطالعہ کن کتابوں کا ہو؟

مطالعہ ایسی کتابوں کا ہو جو نگاہوں کو بلند، سخن کو دل نواز اور جاں کو پرسوز بنادے، اگر مطالعہ فکر کی سلامت روی، علم میں گیرائی اور عزائم میں پختگی کے ساتھ ساتھ فرحت بخش اور بہار آفریں بھی ہو تو اسے صحیح معنوں میں مطالعہ کہا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کا دور انتہائی ترقی پذیر اور مسابقہ کا دور ہے، ذرائع ابلاغ و ترسیل کی بہتات ہے، اور سہولیات کی بھی کمی نہیں ہے؛ ایسے ہی طرح طرح کے اخبارات و رسائل اور کتابوں کی بھی فراوانیاں ہیں۔ اب ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کتابوں کی اس ریل پیل اور

جنگل میں کن کا مطالعہ کیا جائے اور کن کو چھوڑا جائے؟ اس کا سیدھا سا جواب یہی ہے کہ یہ ممکن نہیں؛ اس لیے کہ نہ ہر کتاب قابل مطالعہ ہے اور نہ ہی تمام کتابوں کے مطالعہ کرنے کی انسانی زندگی میں گنجائش۔ اس لیے انتہائی چھان پھٹک کر کتابوں کا انتخاب ہونا چاہیے۔ یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ کتاب ایمان سوز اور اخلاق سوز نہ ہو؛ اس لیے کہ مطالعہ ہی کے غلط رخ نے عبدالماجد کو ارتداد کے گڑھے میں دھکیل دیا تھا؛ لیکن بعد میں اسی شخص کے مطالعہ کی سمت جب درست ہوئی تو عبدالماجد مولانا عبدالماجد ہو گئے اور مفسر قرآن اس شخص کے نام کا جزو لاینفک بن گیا؛ صحت مند مواد اور مستند مصنّفین کی کتابوں کے مطالعہ ہی کا کرشمہ کہنا چاہیے کہ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ (نومسلم) دس بارہ سال ہی کی عمر میں اسلام کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اسلیے معتبر و مستند مصنّفین ہی کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ کتابوں کے انتخاب کے سلسلے میں مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ نقل کرتے ہیں: ”جب کسی کتاب کے مطالعہ کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے نام کو دیکھو، اگر نام ہی اصل مضمون کے مناسب نہ ہو تو اس کو چھوڑ دو، پھر تمہید کو دیکھو، اگر وہ کتاب کے مضمون کے مناسب نہیں ہے تو چھوڑ دو، اس کے مطالعہ میں وقت ضائع نہ کرو، جب نام اور تمہید میں مناسبت دیکھ لو تب آگے بڑھو۔“

اس سلسلے میں ایسے اساتذہ کی رہنمائی بھی بڑی کارآمد ہوتی ہے جن پر مطالعہ کرنے والے کو مکمل اعتماد ہو، رہنما ایسا ہونا چاہیے جو بذات خود ہر اعتبار سے ایک پیاسے کی تشنہ لبی کو دور کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔ مفکر اسلام ممتاز عالم دین مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مطالعہ وسیع کیجیے! اور اس کے لیے اساتذہ سے، خاص طور پر مربی الاصلاح سے اور ان اساتذہ سے جن سے آپ کا رابطہ ہے، ان سے مشورہ لیجیے“۔(٦) اسی طرح اس پگڈنڈی پر

انتہائی سبک روی سے چلنے کی ضرورت ہے۔ مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: "یہ ایک پل صراط ہے اس پر سبک روی اور بہت احتیاط کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے"۔(۷) یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جیسے عظیم شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت جیسی عظیم المرتبت، آسمانی کتاب کے مطالعہ سے منع فرمادیا تھا۔

مطالعہ کے بنیادی مواد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی ندوی کہتے ہیں: "مطالعہ میں ہدایت نبوی کے مطابق سب سے اچھی چیزیں لے لیں اور بری چیزیں چھوڑ دیں، اس میں انصاف سے کام لیں کہ یہی خیر کا دروازہ ہے"۔(۸) ایسے ہی انسانی زندگی کے محدود ہونے کی وجہ سے تمام موضوعات کا احاطہ مشکل ہے؛ البتہ ہر موضوع سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضروری ہے۔ چناں چہ نعیم صدیقی صاحب رقم طراز ہیں: "بنیادی طور پر قرآن وحدیث اور ان سے متعلق علوم پر جس حد تک ممکن ہو نگاہ ہونی چاہیئے ...... پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے سیر پر نظر ہونی چاہیئے ......ضروری ہے مطالعہ کا سفر کرنے والا ہر شخص کم از کم اپنے ملک اور اپنی قوم؛ بلکہ اپنی تہذیب کے ادبیات سے واقف ہو"۔(۹) جس طرح کتابوں کے انتخاب کا مرحلہ بڑا نازک ہے اسی طرح مطالعہ میں ترتیب کی رعایت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس لیے مطالعہ کے معیار کو بتدریج بڑھایا جائے، ایسا نہ ہو کہ نورانی قاعدہ تو پڑھی نہیں اور قرآن شریف ہی پڑھنا شروع کر دیا۔

طریقۂ کار:

مطالعہ ایک خوبصورت گلشن کی مانند ہے، اس میں خوشبو بھی ہے، دل آویزی بھی ہے، اور خاردار شاخیں بھی ہیں۔ ایک طرف جہاں مطالعہ کی اہمیت مسلم اور افادیت قابل ذکر ہے، ساتھ

ہی ساتھ اس کے مواد میں انتہائی چاق و چوبندی ناگزیر ہے۔ اسی طرح اس کے طریقہ کار سے بھی واقفیت بہت ہی ضروری ہے؛ اس لیے کہ کسی بھی کام کو اگر اس کے اصول وضابطہ سے کیا جائے تو وہ کارآمد ثابت ہوتا ہے؛ ورنہ نفع تو درکنار نقصان ضرور ہاتھ آتا ہے، فرض کیجئے! آپ کے پاس وقت بھی ہے، کتابیں بھی اچھی ہیں؛ لیکن ذہن پریشان، آنکھوں میں درد اور روشنی بھی مدہم تو آپ مطالعہ نہیں کر سکتے، اگر اسی صورت حال میں مطالعہ کی کوشش کریں گے تو صحت پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا۔ اس لیے صحت کا خیال بھی بہت ضروری ہے، بطور خاص آنکھوں کا خیال۔

یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ اس خیال سے مطالعہ کو ہرگز ترک نہیں کرنا چاہئے کہ یاد نہیں رہتا؛ بلکہ مطالعہ ضرور کرے کہیں نہ کہیں اس کا فائدہ ضرور ظاہر ہوتا ہے؛ اس لیے کہ مہندی میں سرخی پتھر پر بار بار گھسنے کے بعد ہی آتی ہے۔ مولانا عبدالسلام خاں لکھتے ہیں: ”مطالعہ جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی جلد محفوظ ہوگا اور تیز ہوگا؛ اس لیے کتب بینی کو سست روی یا یاد نہ رہنے کی وجہ سے ترک نہ کرنا چاہئے۔“

حاصل مطالعہ:

مطالعہ کے ساتھ ساتھ حاصل مطالعہ کو ذہن نشین کرنے کی تدبیر بھی ضروری ہے۔ علم ومعلومات کی مثال ایک شکار کی سی ہے؛ لہٰذا اسے فوراً قابو میں کرنا چاہیے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ”علم ایک شکار کی مانند ہے کتابت کے ذریعے اسے قید کرلو“۔ اس لیے مطالعہ کے دوران قلم کاپی لے کر خاص خاص باتوں کو نوٹ کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے؛ ورنہ بعد میں ایک چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ نہیں ملتی ہے۔ اب یا تو سرے سے بات ہی ذہن

سے نکل جاتی ہے یا یاد تو رہتی ہے لیکن حوالہ دماغ سے غائب ہو جاتا ہے، ڈاکٹر صمت جاوید کا کہنا ہے کہ: "یاد رکھنے کے قابل بات ہمیں دوران مطالعہ معلوم کتابوں پر دوران مطالعہ اہم مقامات پر نشان لگانے اور کتاب کی پشت پر سادہ اوراق میں اہم نکات کے خلاصہ ہوا سے کاپی یا کسی کاغذ کے پرزے پر ہی نوٹ کر لیں"۔ اسی طرح ڈاکٹر احمد سجاد کہتے ہیں: "ذاتی حصے اور بعض صفحات کے نمبروں کو لکھنے کی عادت ہنوز قائم ہے"۔ مطالعہ کے معاً بعد بعض کتابوں پر ذاتی تاثرات تبصرے بھی اختصار کے ساتھ لکھنے کی عادت ہے۔" حاصل مطالعہ کیسے ذہن نشین ہو یہ بھی ایک اہم عنصر ہے۔ اس سلسلے میں نعیم صدیقی رقم طراز ہیں: "میری ذہنی ساخت یوں بنی کہ میں حاصل مطالعہ کو دماغ میں ڈال دیتا اور میرے اندر اس پر غور و بحث کا ایک سلسلہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھانا کھاتے جاری رہتا یہاں تک کہ اس کا مثبت یا منفی اثر میرے عالم خیال پر رہ جاتا"۔

معلوم ہوا کہ مطالعہ کے بعد حاصل مطالعہ کی بھی بڑی اہمیت ہے؛ ورنہ تو بات لا حاصل ہی رہے گی۔ مطالعہ کے دوران جہاں اچھی کتابوں، خوشگوار فضا، مناسب مقام، موزوں روشنی اور وقت کی تنظیم ضروری ہے وہیں صحت کا بھی خاص خیال رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔

علم اور عقل

(ماخوذ: خدسے خدا تک، از: محمد ناصر افتخار صاحب)

اس کو جاننے کیلئے سب سے پہلے علم اور عقل کو جاننا اور پہچاننا ہوگا۔ علم کیا ہے اور عقل کیا ہے؟ اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ علم دیا گیا مگر تھوڑا سا۔۔۔ محدود سا Limited علم ہے۔

وَيَسْتَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

اور یہ لوگ تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل 85)

والا قلیلا کہتا ہے۔ اگر خالق کہہ رہا ہے کہ علم تھوڑا ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عقل محدود ہے۔ پہلے علم اور عقل میں فرق کو سمجھ لیں۔

علم کسی شے کو جان لینے کا نام ہے knowing ہے۔ خود کو جاننے کیلئے ہمیں تلاش inquire کرنا ہوگا کہ ہمارے علم کا معیار کتنا ہے اس کی پہنچ کہاں تک ہے تو بات یہاں نچتی ہے کہ علم اپنی اصل میں کیا ہے؟ علم کی اصلیت actuality تک پہنچنے کیلئے ہمیں خیال thought کو جاننا ہوگا کیونکہ ذہن کی حرکت علم کی حرکت ہے یعنی علم خیال سے متحرک ہوتا ہے۔ خیال یادداشت کا نام ہے memory ہے۔ ڈیٹا ہے۔ اگر کسی کی یادداشت کھو جائے تو اس کی سوچ ختم ہو جاتی ہے یا بے ترتیب ہو کر علم کے بگاڑ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پاگل پن کا ظہور ہوتا ہے۔

ہمارے تمام تر خیالات ہماری مکمل ترین یادداشت memory ہیں اور ہماری تمام تر

یادداشت memory ہمارا ماضی ہے۔۔۔غور کیجئے کیا ایسا نہیں ہے؟ ہمارے پاس مستقبل کی کوئی یادداشت memory نہیں ہے کوئی ڈیٹا نہیں ہے۔حال کے اندر فی الوقت ہم خود موجود ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام یادداشت memory ماضی ہے past ہے۔جو ہو چکا ہے وہ ہمیں یاد ہے اور یہی یاد ہمارا خیال ہے۔مصنف پر یقین کرنے کی بجائے ان سطروں کی شک doubt کی نگاہ سے دیکھیں اور اپنا تجزیہ خود کریں۔

جن تجربات و احساسات سے ہم گزر چکے ہیں وہ ہمارا ماضی ہے۔ہم نے کہیں پڑھا، کہیں سے سنا، کہیں دیکھا، جو کچھ چکھا سونگھا۔۔۔جو بھی اپنی ساری زندگی محسوس کیا وہ ہمارا تجربہ experience ہے، ہمارا ادراک ہے۔

یہ ہمارا ماضی ہے اور ہمارا ماضی past ہی ہمارا تمام تر علم knowledge ہے۔ہمیں مستقبل کا کوئی علم نہیں۔حال کے تجربے سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں۔اس لئے ہمارا سارا علم ہمارا ماضی past ہے۔علم knowledge اپنی حقیقت reality میں ماضی past ہے۔یہ ایک حقیقت fact ہے۔

دنیا میں کم و بیش پچاس ہزار سال سے انسان جیتا اور مرتا چلا آ رہا ہے۔کسی کو علم نہیں کہ کتنی تعداد ہے نہ کوئی گن سکتا ہے۔یہاں تک کہ آج کل ہر روز چھ ارب سے اوپر آدم جی رہا ہے مر رہا ہے۔اپنے ہم جنسوں کی اتنی عظیم تعداد کے درمیان جیتا ہوا (ایک انسان) بے حقیقت شے ہے۔ اس کے تجربات لازم ہے کہ محدود تر کہلائیں۔چونکہ اس کی ذاتی زندگی ایک محدود دائرے میں چل رہی ہے اس لئے اس کے پاس ماضی کی صورت میں جو معلومات موجود ہیں جسے وہ علم کہتا ہے وہ اِلَّا قَلِیلا ہے۔دیا گیا مگر بہت تھوڑا عقل intellect اس علم کو استعمال کرنے کا نام ہے۔

کسی بھی صورت حال میں ہمیں جو فیصلہ کرنا ہے وہ عقل ہے جس کی بنیاد علم ہے۔چونکہ ہمارا

علم محدود ہے اس محدود علم کی بنیاد پر روزمرہ زندگی کے جو چھوٹے بڑے فیصلے ہم روزانہ کرتے ہیں وہ بھی انتہائی محدود حیثیت کے حامل ہوتے ہیں اسے زاویہ نظر perspective کہتے ہیں۔ ہمارا زندگی کو گزارنے کا زاویہ نظر تنگ، چھوٹا اور محدود ہوتا ہے narrow اور limited ہوتا ہے۔ اس لئے ہم حادثاتی انسان accidental being کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔ ہمارے فیصلے کی، ہماری عقل کی اور ہمارے علم کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ ہم اپنے تمام فیصلے اپنے ماضی کے تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسے محدود تر زاویہ نظر سے ہم سچ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

ہم حال present میں بیٹھ کر اپنے ماضی past کا تجزیہ analysis کرتے ہوئے پنے مستقبل future کے خدو خال بنانے اور اسے تبدیل modify کرنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ جبکہ ہمیں تخلیق کرنے والا ہمارا مالک ہمیں کہتا ہے کہ کوئی ذی روح نہیں جانتا اپنے کہ وہ کل کیا کرے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے، اور وہی مینہ برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہوتا ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا؟ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔ (سورہ لقمان 34)

انسان کیوں نہیں جانتا اس راز سے پردہ سورہ البقرہ کی آیات 30 تا 33 میں اٹھایا گیا ہے جب اللہ نے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا نائب انسان کو بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے حیرت سے

کہا کہ اے رب یہ تو خون بہانے اور فساد کرنے والا ہے۔ اللہ نے کہا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے پھر اللہ نے آدم کو کچھ چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر ایک مدت بعد فرشتوں سے پوچھا کہ ان اشیاء کے اسماء بتاؤ۔ انہوں نے عاجزی کی کہ اللہ تو نے جو بتایا ہم وہی جانتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں پھر آدم کو حکم دیا تو اس نے نام بتا دیئے۔ اگر آپ غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ ہمیں اشیاء کے ناموں کا علم ہے اور ان کے اچھے برے خواص کا بھی علم ہے لیکن ہم کسی بھی شے کی حقیقت نہیں جانتے۔ آپ کی پوری زندگی آپ کے پورے علم میں کوئی ایک شے بھی ایسی نہیں جس کی اصل حقیقت اور ہیت actuality کا آپ کو علم ہو۔

جس کا پتا ہے کہ اس سے آگ جلے گی فائدہ کا بھی پتا ہے اور نقصان کا بھی لیکن آگ بذات خود کیا ہے؟ کچھ گیسز کا مجموعہ؟ اچھا ؟؟؟ گیس اپنی اصل میں کیا ہے؟ اس کی actuality کیا ہے؟ ماچس میں تیلی ہے اس کے سرے پر مصالحہ ہے۔ تیلی لکڑی سے بنی ہے۔ لکڑی درخت سے آئی ہے۔ درخت کے پتے، شاخیں ہیں، تنا ہے، اس کی جڑ ہے، درخت بیج سے بنتا ہے ہر شے کا بیج ہوتا ہے لیکن یہ بیج اصل میں کیا ہے؟؟؟

جب بھی آپ کسی شے کی جڑ root تک جائیں گے تو دیکھیں گے کہ کسی بھی شے کی اصل حقیقت کا ہمیں کچھ بھی زیادہ علم نہیں (دیا تو گیا ہے لیکن بہت تھوڑا سا) ہمارا علم محدود limited ہے۔ جب تک ہم اس حقیقت کو سمجھ کر مان نہیں لیتے تب تک اصل علم کا دروازہ ہم پر نہیں کھلتا نہ ہی نفس کا تزکیہ ہو پاتا ہے۔ فرمایا رب لاشریک نے انسان ظالم violent اور جاہل ignorant ہے تو ہم اپنے رب کی اس statement کو کیوں نہیں مانتے کہ ہم جاہل ہیں۔ مانیں گے نہیں تو جہل کا طلسم کیسے ٹوٹے گا؟

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا

وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا

ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی پھر انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور اسے انسان نے اٹھا لیا، بے شک وہ بڑا ظالم بڑا جاہل تھا۔ (سورہ الاحزاب 72)

علم اور عقل کے علاوہ بھی ایک شے ہمارے پاس ہے جسے شعور کہا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑی آنکھ، ایک وسیع تر زاویہ نظر ہے۔ ہمیں ایک لحظے میں پتہ ہے کہ ہم کون ہیں؟ اپنی ساری زندگی سے ہم ایک لمحے میں باخبر ہیں۔ اس کیلئے ہمیں کسی علم و عقل کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم باخبر aware ہیں کہ ہم زندہ ہیں۔ ہمیں اپنے جسم حواس اور علم و عقل کا شعور awareness ہے۔ ہمیں یاد رکھنے کی ضرورت نہیں یہی ہمارا شعور ہے۔ ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔۔۔ آپ نے اکثر ڈائری کے شروع میں دنیا کا نقشہ دیکھا ہوگا۔ اس نقشے میں اگر آپ کوئی شہر ڈھونڈ رہے ہوں تو آپ نقشے میں گم ہوتے ہیں۔ آپ کچھ ڈھونڈ رہے ہیں یہ علم ہے عقل ہے۔

اس نقشے کو اس map کو ایک نظر میں پورا دیکھنے کیلئے آپ کو کچھ وقت کیلئے عارضی طور پر منزل destination چھوڑنا ہوگی۔ سوال چھوڑ دینا ہوگا۔ آپ کو احساس ہوگا کہ اگر پ کچھ نہیں ڈھونڈ رہے تو آپ پورا نقشہ دیکھ سکتے ہیں اب پوری دنیا ایک نظر میں آپ کے سامنے ہے۔۔۔ یہی شعور ہے۔

کیا انسان اس بات پر قادر نہیں کہ اپنی پوری زندگی پر ایک نظر ڈالے اور سب دیکھ لے۔ کیا آپ نے بھی ایسا کیا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ ہم باشعور ہونے کے باوجود بے شعوری کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہمیشہ ساری زندگی چھوٹے چھوٹے مسائل کے حل میں مصروف آدمی خود کو پورے طور پر دیکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔۔۔ کیوں؟

تمام جہانوں کا رب فرماتا ہے کہ ہم نے تمام انسانوں کو ایک ہی نفس پر پیدا کیا ہے (الاعراف (189)) یعنی ایک ہی نفسیات psyche پر۔۔۔ہم سب کی ایک جیسی نفسیات اور ایک ہی جیسا نفسیاتی خلجان psychosis ہے۔ ہمارے حالات اور واقعات جدا جدا ہیں لیکن ان سے پیدا شدہ کیفیات اور جذبات ایک جیسے ہیں اس لئے کتاب میں ہاں (میں) لکھا گیا وہ (آپ) ہیں اور جہاں (آپ) لکھ دیا۔۔۔وہ (میں) بھی ہوں۔ایک ہی بات ہے سب میں ایک ہی نفس کارفرما ہے۔

زمان ومکاں

(ماخوذ: خد سے خدا تک، از: محمد ناصر افتخار صاحب)

ہر نفس کو سمجھنے کیلئے سب سے اہم تصور concept زمان و مکاں time and space کا ہے۔ یہیں سے شعوری کوشش کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ زمان ومکاں دوئی ہے duality ہے۔ نفس دوئی duality کا تاثر effect پیدا کرنے کیلئے خود کو ہر شے سے علیحدہ یا الگ کرتا ہے۔ اس علیحدگی کیلئے اُسے خلا space کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسے ایسے سمجھتے ہیں۔۔۔

شاہد observer اور مشہود that which is the observed کے درمیان ایک خلا ہے space ہے۔ یہ مکان ہے۔ اس مکان میں space میں جو شاہد اور مشہود کے درمیان خلا کی صورت موجود ہے فاصلہ پیدا ہوتا ہے۔ اسے/ measure distance کہتے ہیں۔ اس فاصلے distance / measure میں شاہد کی معلومات مشہور تک اور مشہود کی معلومات شاہد تک لے جانے کیلئے سوچ thought پیدا ہوتی ہے جو اس فاصلے میں آنے اور جانے کا سفر طے کرتی ہے۔

اس سوچ کے آنے اور جانے میں جو شے پیدا ہوتی ہے اسے وقت time کہتے ہیں۔ اس لیے سوچ thought وقت time ہے۔ یہ ہے زمان ومکان کی درست تعریف ورنہ جہاں بھی دیکھا وہاں زمان کو وقت time اور مکان کو خلا space کہہ کر جان چھڑا لی جاتی ہے فاصلے کا distance / measurement کا ذکر ہی نہیں ملتا۔ لگتا تو یہی ہے کہ زمان ومکاں space time کی اس سے زیادہ آسان تعریف اور کوئی نہیں۔ پھر بھی اس کا سمجھ آجانا ایک الگ ہی شے ہے۔ اس لیے اسے جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس کو زمان ومکاں سمجھ میں آ گیا

اُس کی بڑی مشکل آسان ہو جائے گی۔ جو بیان کیا ہے اُس کا خلاصہ انگریزی میں یہ ہے۔

There is a space between the observer and the observed, in that space there is distance and in that distance thought is taking place which is time.

وقت time دو طرح کا ہے ایک حیاتیاتی biological time ہے یہ سورج کے گرد زمین کے گھومنے سے پیدا ہوتا ہے جس کا ایک حصہ چاند بھی ہے کہ اس کے گھٹنے اور بڑھنے سے وقت کی منازل طے کی جاتی ہیں۔ بائیولوجیکل ٹائم تقریباً اپنی انتہاؤں پر پہنچ چکا ہے۔ دنیا تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ اسے اب زیادہ دیر تک بچایا نہ جاسکے گا یہ حقیقت ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے۔

وقت دو طرح کا بالکل ایسے ہے جیسے کشش ثقل gravity دو طرح کی ہے۔ پہلی وہ ہے جو زمین پر موجود انسان سمیت ہر شے کو زمین سے جوڑے ہوئے ہے bind کیے ہوئے ہے۔ دوسری وہ ہے جو زمین کو خلا میں اُس کے مدار سے جوڑ کر رکھتی ہے اور اسے ادھر ادھر نہیں ہونے دیتی۔ یہ دوسری طرح کی فورس آف گریویٹی force of gravity زمین پر موجود انسانوں سمیت کسی شے پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ خلا باز جب خلا میں حرکت کرتے ہیں تو اُن پر کوئی کشش ثقل نہیں ہوتی۔ وہ ادھر ادھر ڈولتے پھرتے ہیں مگر عین اسی وقت اُن کے ارد گرد خلا میں موجود زمین سمیت تمام سیارے ستارے چاند سورج ہر شے اپنی سمت پر چل رہی ہوتی ہے۔

زمین سے خلا میں جانے والی ہر شے کشش ثقل سے آزاد ہو جاتی ہے تو پھر خود زمین کو یہ آزادی کیوں نہیں؟ حالانکہ وہ بھی تو اُسی خلا میں ہے۔۔۔اس کا مطلب ہے یہ ایک اور طرح کی کشش ثقل ہے جس نے زمین کو خلا میں باندھ رکھا ہے۔ اس دوسری قسم کی کشش ثقل کا اثر

صرف خلائی اجسام پر ہوتا ہے۔

وقت time کی بات ہو رہی ہے۔ کشش ثقل کی طرح وقت بھی دو قسم کا ہے۔ جو حیاتیاتی وقت biological time ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ کرونولوجیکل وقت chronological time ہے۔ اسے ہر حال میں چلنا ہے۔ سورج کو نکلنے سے اللہ کے سوا کوئی نہیں روک سکتا اور اس نے کہا ہے کہ وہ اسے ایک دن روک دے گا۔ قیامت کا مطلب وقت کا اختتام ہے end of time ہے۔۔۔

دوسری طرح کے وقت کو نفسیاتی وقت psychological time کہتے ہیں۔ یہ سوچ کی حرکت ہے movement of thought ہے۔ نفسیاتی وقت خواہش desire میں لپٹا ہوا ہے۔

یہاں سے وہاں تک جانے کی سوچ، انسان جو آج نہیں ہے وہ کل تک بن جانے کی سوچ ۔۔۔ یہ وسعت expansion کی سوچ ہے جو اپنی ذات میں خود ایک خواہش ہے۔ یہ ارتقاء evolution کا حصہ ہے۔

یہ نفسیاتی ارتقاء ہے جو جاری ہے۔ psychological evolution ہے۔ حیاتیاتی ارتقاء biological evolution تقریباً مکمل ہو چکا ہے انسان کے ہاتھ اب تین یا چار نہیں ہو جائیں گے دو ہی رہیں گے۔ نفسیاتی وقت psychological time امید hope بھی ہے۔ جو ماضی میں ہو چکا ہے اُسے بہتر کرنے کی سوچ میں وقت ہے، اُس سے بچنے کی سوچ وقت ہے۔ اسے دبانے، دوبارہ کرنے، اس کے بارے میں کچھ بھی نہ کرنے کی سوچ وقت ہے۔ یہی سائیکولوجیکل ٹائم ہے جو انفرادیت میں بھی چل رہا ہے اور اجتماعی انسانیت میں بھی کارفرما ہے۔

نفس سے آزاد ہونے کیلئے ذہن کو اپنے نفسیاتی وقت کو سمجھنا ہوتا ہے۔حیا تیاتی وقت کو روکا نہیں جا سکتا مگر نفسیاتی وقت سو فیصد روکا جا سکتا ہے،تبدیل اور ختم کیا جا سکتا ہے ورنہ یہ موت کی صورت میں از خود ختم ہو جا تا ہے جسم کی موت نفس کیلئے قیامت سے کم نہیں۔۔۔

وقت کے بعد فاصلے distance / measurement کی باری آتی ہے۔دُنیا کی ساری ٹیکنالوجی خواہ وہ قدیم ہو یا جدید اس کی بنیاد فاصلہ پیمائش measurement ہے۔ اگر پیمائش measurement نہ ہوتو کوئی ٹیکنالوجی نہیں ہے۔

چاہے وہ پیمانہ ruler ہو یا سوچ کا فاصلہ distance ہو ایک ہی بات ہے دونوں نام پیمائش کے ہی ہیں۔ فاصلے کے بغیر کوئی پیمائش نہیں ہے۔ یہ پیمائش انتہائی ضروری ہے کہ اس کے بغیر کچھ بھی تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔ پیمائش کا یہ آئیڈیا سب سے پہلے قدیم یونان میں آیا اور وہاں سے تمام دنیا خصوصاً مغرب کو منتقل ہوا۔ اسی پیمائش کے اصول سے ریاضی Mathematics وجود میں آیا۔ یہ پیمائش صرف ریاضی تک ہی محدود نہیں بلکہ اس سے انسان نے تقابل compare کرنا سیکھا ہے۔

ایک شاعر سے دوسرے شاعر کا تقابل، ایک مذہب سے دوسرے مذہب اور ایک انسان سے دوسرے انسان کا موازنہ اسی پیمائش Measurement سے وجود میں آیا ہے۔۔۔ بالکل اسی طرح ہمارے نفس میں بھی ہر وقت تقابل comparison کارفرما ہے۔ میں ایسا نہیں ہوں جیسا مجھے ہونا چاہیے۔مزید پیسہ، مزید طاقت یہ سب تقابل comparison سے ہوتا ہے۔جس کی بنیاد پیمائش measurement ہے۔

مکان space بھی اسی طرح دو قسم کا ہے مادی اور نفسیاتی ۔۔۔ مادی اسپیس materialistic Space کو سمجھنے کیلئے بڑے شہروں mega cities کو دیکھیں۔

لوگوں کا بے پناہ ہجوم ہے۔ انسانوں کی اس قدر کثرت ہے کہ خدا کی پناہ۔ نتیجہ اس کا یہ کہ مکان چھوٹے اور گلیاں تنگ ہوتی جا رہی ہیں۔ جب باہر کی دنیا میں جگہ space کم ہونے لگتی ہے تو نفسیاتی گھٹن بے پناہ بڑھتی ہے۔ حد سے زیادہ بڑے شہر جرائم اور ظلم کی پیداوار کو بے اندازہ بڑھاتے ہیں کیونکہ وہاں کے رہنے والے عظیم دباؤ میں آ چکے ہوتے ہیں۔ اس کا تجربہ آپ کسی پر ہجوم جگہ یا لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ٹرین، بس یا لفٹ میں کر سکتے ہیں۔ ہر آدمی دوسرے کو دھکے دینا شروع کر دیتا ہے کیونکہ اس کے پاس جگہ space بہت کم رہ جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بڑے شہروں کے رہنے والے چھٹیوں میں مضافاتی علاقوں، پارکس اور پہاڑی مقامات کا بھاگم بھاگ رُخ کرتے ہیں کیونکہ انہیں کچھ دیر کیلئے جگہ space چاہیے ورنہ وہ پاگل ہو جائیں گے۔ یہ فارمولا کچھ مدت کیلئے کام کرتا ہے لیکن پھر اس کے اثرات تیزی سے ختم ہو جاتے ہیں اور پھر وہی بھیڑ زدہ پر ہجوم زندگی انسان کو وحشت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس دیہات اور کھلے علاقوں میں رہنے والے لوگوں کو اکثر کہیں بھی جانے کی حاجت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ وہ کشادگی میں ہوتے ہیں ہاں سیر و تفریح کی بات اور ہے۔ کسی بھی قسم کے جانوروں کو ان کی گنجائش سے کہیں کم جگہ میں بند کر دیا جائے تو کچھ ہی دیر میں ان میں بے چینی ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہے وہ اپنے بچے بھول بھال کر ایک دوسرے پر سانس لینے کیلئے چڑھ دوڑتے ہیں یہی فطرت انسانوں کی ہے جس پر ہر انسان کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح نفسیاتی مکان psychological space جو کہ ہمارا شعور ہے اس میں بہت تنگی ہوتی ہے۔ یہاں معلومات کا بے اندازہ ہجوم ہوتا ہے پہلے بھی لکھا جا چکا کہ ہم دوسروں کے علم سے کھچا کھچ بھرے ہوتے ہیں۔ ذہن میں علم کے ساتھ خوف لالچ بغض حسد کینہ محبت نفرت آمید، خوشی طاقت کمزوری، زندگی موت اور نہ جانے کیا کیا بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ذہن میں دنیاوی علم بے پناہ

غالب ہوتا ہے۔

ذہن mind ہمیشہ مقبوضہ حالت occupation میں رہتا ہے جس کی وجہ سے اس میں جگہ space بہت کم ہوتی ہے۔ اگر مشاہدہ کیا جائے تو ہمارا شعور ہر قسم کی معلومات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ علم کی زیادتی اصل مسئلہ نہیں ہے مسئلہ تو بے ترتیب ادھر اُدھر کے علم سے ہے۔ ذہن میں بے پناہ گنجائش ہے مگر بات یہ ہے کہ آپ اگر اس میں کوڑے کا ڈھیر اکٹھا کر کے پہاڑ بنا دیں تو ساری جگہ اس پہاڑ کے پیچھے چھپ جاتی ہے۔ جبکہ نافع علم ہمیشہ کسی ترتیب order میں ہوتا ہے تب ہی نفع دے سکتا ہے۔ اگر سکول کی جماعتیں نظم وضبط order کے بغیر ہوں تو کیا سمجھ میں آئے گا؟

اگر پرائمری سے پہلے ہی میٹرک کرنے پر انسان کمر بستہ ہو جائے تو کیا حاصل ہو گا؟ خلاء cosmos کا مشاہدہ کریں۔ بھری پڑی ہے لاکھوں کروڑوں، ان گنت سیاروں، ستاروں سے اربوں کھربوں ہر گنتی سے زیادہ خالق کائنات کی تخلیق کا شاہکار پیچیدہ ترین کہکشائیں کھربوں ستاروں سیاروں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں مگر ایک بے حد خوبصورت ترتیب کے ساتھ magnificent discipline کے ساتھ اللہ اس کائنات میں کارفرما ہے۔ ذہن انسان میں بھی اتنی ہی عظیم گنجائش ہے۔ علم کے بیکراں سمندر رپیئے جا سکتے ہیں اور تنگی ہے کہ پھر بھی باقی رہے گی۔

بات ساری یہ ہے کہ ذہن میں علم ہے یا کھرا اکٹھا کیا ہوا ہے؟ انسان اس قسم کے پاگل پن میں مصروف ایک الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ اس دنیا کو چلانے کی کوشش کر رہا ہے خواہ وہ اس کی انفرادی دنیا ہو یا ایک نفس سارے انسانوں میں متشکل ہو کر اجتماعی طور پر اس سیارے کو جس کا نام اس کو بنانے والے نے دنیا رکھا ہے چلانے کی کوشش کرے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

جب تک وہ اپنے اندر کے کچرے کو صاف نہیں کرتا اپنے اندر موجود علم کو ترتیب نہیں دیتا ری آرگنائز نہیں کرتا تب تک اسے اعلیٰ شعور عطا نہیں ہوتا اور اس کیلئے جس صفائی کی جس پاکیزگی کی ضرورت ہے اسے تزکیہ نفس purification of the self purification کہتے ہیں انسان ہمیشہ سے ہی جس سے گریزاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کو کبھی کوئی درست سمت میں نہ چلا سکا۔ اس روئے زمین پر اگر کبھی مکمل انقلاب آیا ہے تو حضور کی حیات مبارکہ میں آیا ہے۔ آپ کے طفیل اللہ نے انسانوں کو اسلام عطا فرمایا جس کی بنیاد ہی نفس کا تزکیہ ہے۔

اجتماعیت کو ٹھیک کرنا تب تک نہ تو ہمارا فرض ہے اور نہ ہی ہم سے ایسا ہوسکتا ہے جب تک کہ ہم اسلام کو اپنی انفرادی زندگی میں خود پر لاگو apply کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ نفس انفرادی طور پر خود کو پاک کرنے میں کامیابی حاصل کر لے تو ایسا نفس دوسروں کیلئے، معاشرے کیلئے نفع کا ہدایت کا سبب بن کر اللہ کے ہاں کامران ہوسکتا ہے بصورت دیگر یہ ایک خواب ہی رہے گا۔

نفس کو خود میں وسعت پیدا کرنا ہوگی space چاہیے۔۔۔ تاکہ شعور اعلیٰ سطح پر متمکن ہو اور اصل علم کا نزول ہو سکے اس کیلئے نفس کو اپنے اندر چلتے وقت کو درست کرنا ہے۔۔۔ بدلنا ہے۔۔۔ اور کہیں کبھی اسے ختم بھی کر دیتا ہے۔۔۔ وقت سوچ ہے۔۔۔ یہ سوچ کی حرکت ہے۔۔۔ اور جب سوچ بدل جاتی ہے وقت بدل جاتا ہے۔۔ نفس سمیت یہ ساری دنیا یہ زمان و مکاں سب کچھ بدل جاتا ہے۔۔۔

شہری اور دیہاتی زندگی

(ماخوذ: اردو مضامین، از: حافظ اشفاق احمد)

کچھ لوگ شہر میں رہتے ہیں اور کچھ لوگ دیہات میں، دیہات میں جس طرح کی قدرتی رعنائیاں ملتی ہیں وہ شہر میں نہیں اور جو سہولتیں شہر میں ہیں وہ دیہات میں نہیں۔ کئی اعتبار سے شہری زندگی بہتر ہے۔ اور کئی پہلوؤں سے دیہات کی زندگی پسند کئے جانے کے لائق ہے۔

شہروں میں طرح طرح کی سہولتیں میسر ہیں۔ سکولوں اور کالجوں کے علاوہ اور دوسری مذہبی اور ٹیکنیکل درسگاہیں اور سائنسی تجربہ گاہیں بھی ہوتی ہیں۔ دور جدید کی تمام آرام و آسائش سیکھنے کی اشیاء مل جاتی ہیں۔ بجلی پانی، سوئی گیس کی سہولتیں ملتی ہیں۔ تہذیب و شائستگی سیکھنے کے مواقع مل جاتے ہیں۔ لائبریریاں ہیں، طبی امداد بروقت مل سکتی ہے۔ رات ہو یا دن ہسپتال کھلے رہتے ہیں۔ پرائیویٹ ڈاکٹر بھی مل جاتے ہیں۔ حادثات کی صورت میں بھی طبی امداد مل جاتی ہے۔ سواری کے لیے تانگے، رکشے، بسیں، لاریاں، کاریں دن رات چلتی رہتی ہیں۔ مال برداری کے لیے لوڈا اور ٹرک بھی آسان سے مل جاتے ہیں۔ گویا زندگی کی ہر آسائش کا سامان آسانی سے میسر ہے مگر دیہات میں یہ چیزیں میسر نہیں۔

شہر میں کھانے پینے کی اشیاء بروقت ملتی رہتی ہیں۔ ہوٹل ہیں، قہوہ خانے ہیں، دودھ اور مٹھائی کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ فیکٹری کا سامان، مچھلی، گوشت ہر قسم کا سامان دستیاب ہے۔ مشینری کا سامان اور ہر قسم کے برتن شہر میں مل جاتے ہیں۔ ریشمی ار سوتی کپڑے، کھیں، کمبل، جوتے اور دوسری ضروریات زندگی کی سہولتیں شہروں میں ہی میسر ہیں۔

شہروں میں رہنے والے لوگ بین الاقوامی ملکی اور مقامی حالات سے ہر وقت باخبر رہتے

ہیں۔ٹی وی، اخبار، رسائل، جلسے جلوس، شہری آبادی کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔معلومات حاصل کرنے یا پیغام رسانی کیلئے ٹیلیفون کی سہولتیں یہ سب شہروں میں ملتی ہیں تفریح کے لئے باغ، سینما، سرکس ہوتے ہیں۔ جو شہریوں تو محفوظ کرتے ہیں۔ دیہات کے رہنے والے ان سے محروم ہیں۔

آمدورفت کیلئے پختہ سڑکیں ہیں جن کی وجہ سے شہری ایک سے دوسری جگہ آسانی سے آجا سکتے ہیں۔ دن رات بسیں، لاریاں، ریلوے ٹرینیں چلتی رہتی ہیں۔اس کے علاوہ سہروں میں کارخانے فیکٹریاں ہوتی ہیں جن میں عام آدمی کو مزدوری بھی مل جاتی ہے اور فکر معاش سے جلد چھٹکارا مل جاتا ہے۔ دیہات میں یہ چیزیں نہیں ہوتی ہے۔ وہاں پر کسب معاش کا معاملہ بہت مشکل ہے۔شہر میں چھوٹے بڑے پیمانے پر کاروبار کرنے کے بہت مواقع ہیں۔ عام آدمی کو سرکاری اور غیر سرکاری ملازمت بھی مل جاتی محنت مزدوری کر کے لوگ اپنا پیٹ پال سکتے ہیں۔ باوجود یہ اس کے کہ سہروں میں طبی امداد کے مراکز بھی بکثرت ہیں ڈاکٹر بھی عام مل جاتے ہیں ،ادویات بھی ڈھیروں مل جاتی ہیں۔مگر صحت کو برقرار رکھنے کیلئے نہ تو یہاں تازہ ہوا ملتی اور خالص غذا ملتی ہے۔ یہاں کے دودھ فروش دودھ میں پانی ملاتے ہیں اور پانی ملے دودھ میں سے کریم بھی پہلے ہی نکلی ہوئی ہوتی ہے نہ گھر اچھا ہوتا ہے نہ دودھ خالص اس صورت حال میں کھانے اشیاء پیٹ تو بھر سکتی ہیں صحت قائم نہیں رکھ سکتیں۔ یہاں پر کارخانوں، ملوں، فیکٹریوں، ٹرکوں، بسوں، موٹروں، کاروں، رکشوں کے دھوئیں سے ہوا کثیف رہتی ہے اور پھیپھڑوں میں جا کر صحت کا ستیاناس کر دیتی ہے، شہر کے گلی کوچوں میں جدھر جائیں غلاظت کے ڈھیر لگے ہوئے ملتے ہیں جگہ جگہ فلتھ ڈپو بنے ہوئے ہیں۔ وہ بھی ملحقہ آبادی کے لئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔نوجوان طبقہ کی سوچ ہی سینماؤں اور گندی سوسائٹی نے غلط کر کے رکھ دی ہے اور پراگندگی

ان کے ذہنوں میں راسخ ہو رہی ہے۔ علاوہ ازیں فضول خرچی، تکلف، ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ نے شہری زندگی کو پریشان کر رکھا ہے۔

دیہات میں آیئے جسے دیکھئے، ہٹا کٹا، مضبوط سڈول، ہر موسم اور ہر سختی برداشت کرنے کو تیار نہ گلہ نہ شکوہ، ہل چلا رہے ہیں۔ بیل چھن چھن کرتے ہوئے بھاگے جا رہے ہیں۔ زمین کا سینہ چیرا جا رہا ہے۔ بیج بوئے جا رہے ہیں کہیں کٹائی ہو رہی ہے، کہیں نئے پودے لگائے جا رہے ہیں۔ اناج پک رہا ہے۔ فصلیں سنہری بالوں سے سنہری ہو رہی ہیں زمیندار مسرور ہے۔ یہ سنہری بالیں اناج کے بھرپور خوشے ہیں۔ زمیندار انہیں سنبھالنے کی فکر میں ہے۔ فصل پک جائے گی۔ اپنے لیے تھوڑا سا غلہ رکھ کر باقی اناج منڈی بھیج دے گا جو شہر کے رہنے والوں کی خوراک بنے گا۔ گاؤں کی عورتیں اور بچے سبھی محنتی ہوتے ہیں۔ یہی محنت ان کی صحت و تندرستی کی ضامن ہے۔ وہ موٹا چھوٹا اناج کھاتے ہیں اور موٹے اور طاقتور ہوتے جاتے ہیں۔ کسی کو بلڈ پریشر کی بیماری نہیں نہ کوئی شوگر کا مریض ہے کبھی کبھی بکار ضرور آ جاتا ہے۔ ان کی یہی محنت ان معمولی بیماریوں کو بھگا دیتی ہے۔ ان کے مکان شہر کے مقابلے میں کچے گھروندے ہیں۔ نہ سڑکیں ہیں نہ روشنیں، نہ باغات مگر ان کے ہرے بھرے کھیت ہی ان کی سڑکیں، روشنیں اور باغات ہیں۔ یہاں دور دور تک ہسپتال نہیں ہے۔ پرائمری سکول بھی گاؤں سے دور ہے۔ اب لوگ پڑھنے لگے ہیں بہت کم دیہاتی کالج تک آتے ہیں۔ شہر میں ہسپتال، کالج یونیورسٹی سب کچھ موجود ہے، مگر صحت کی کمیابی ہے اور پھر اتنی مصروفیت ہے کہ شہر کے لوگوں کو صحت کے متعلق سوچنے کا موقع بھی تو نہیں۔

عقل و شعور کی بلند پائی سینما، فلم، ٹی وی ان کی سامنی نئے نئے اسلوب اور نئے نئے منصوب رکھتے ہیں مگر دیہاتی ان سب سے بے بے نیاز اپنے کام میں جتا ہوا ہے۔ یہی اس کی صحت اور

خوشی کا راز ہے۔

چنانچہ جس طرح کچھ اچھائیاں اور برائیاں شہری زندگی میں ہیں۔ اسی طرح کچھ خوبیاں اور خامیاں دیہاتی زندگی میں بھی ہیں۔ سو فیصد معیاری تو کوئی جگہ بھی نہیں۔ اب یہ اپنی اپنی پسند ہے کہ ان خوبیوں اور خامیوں سمیت ہمیں شہری زندگی پسند ہے یا دیہاتی۔

خدائی کا جھوٹا دعویدار جس نے آسمان میں دو چاند روشن کر دیے

ہاشم ابن مقنع:

(تحریر: تحریم طارق)

خراسان کا ایک علاقہ "مرو" جو ایک پسماندہ گاؤں تھا، جہاں ڈیڑھ صدی گزر جانے کے باوجود بھی اسلام کی تعلیمات ٹھیک طرح سے نہیں پہنچ پائی تھیں۔ گاؤں میں ایک مسجد بھی موجود تھی لیکن نمازیوں کی تعداد بھی بہت کم تھی اور اتنی ہی نمازیں پڑھا کرتے تھے جتنی آتی تھی۔ ان دنوں اسلامی دنیا بنو امیہ اور بنو عباس کے تنازعات میں گھری ہوئی تھی۔ لیکن ان دیہاتیوں کو ان کے حالات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ کیونکہ وہاں تک یہ خبریں پہنچا بھی نہیں کرتی تھیں۔ یہ گاؤں تھا بھی کیا ایک جزیرہ تھا مگر یہاں مکمل امن وسکون تھا اور وہ محفوظ و مامون تھے۔ سب اپنے کام سے کام رکھا کرتے تھے۔

گاؤں میں سب لوگ نچلی ذات کے تھے۔ انہی میں ایک دھوبی تھا ایک خاندانی دھوبی ،لوگوں کی میل کچیل صاف کرنے والا دھوبی، لیکن اپنے اخلاق کی بدولت اس نے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا لی تھی۔ وہ اور اس کی بیوی مل کر پورے گاؤں کے کپڑے دھونے کے لئے گھر گھر جاتے اور دھو کر واپس پہنچاتے تھے۔ عمر کافی ہو گئی تھی پر کوئی بچہ نہ تھا اس پر یہ افسردہ رہا کرتا تھا۔ پر ایک دن اس کی بھی اللہ نے سن لی۔ بیوی کی عمر تقریباً 40 سال تھی کہ گود ہری ہونے کی خوشخبری ملی۔ گاؤں والوں کو خبر ملی تو وہ بھی بڑے حیران ہوئے ،مگر مبارکباد بھی دی۔ اس

نے بھی ہر ایک سے دعا میں بیٹے کی درخواست کی۔

مہینوں گزر گئے مگر دھوبی کی جانب سے کسی بھی خوشخبری کا اظہار نہ کیا گیا تو گاؤں کی عورتوں کو تجسس ہوا کہ آخر ہوا کیا ہے لڑکا یا لڑکی۔ 1 عورت نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا کہ:

اے دھوبی تیرے گھر بچہ ہوا بھی ہے یا نہیں؟

دھوبی نے جواب دیا کہ ہو گیا ہے۔

پوچھا گیا کہ" بیٹا کہ بیٹی؟

جواب دیا کہ" بیٹا ہوا ہے۔"

پوچھا گیا کہ" نام کیا رکھا ہے؟"

جواب ملا کہ" نام میں کیا رکھا ہے؟ ہاشم نام رکھ دیا ہے ہم نے تو"

عورتوں نے پوچھا کہ" کیا بات ہے تو خوش نہیں دکھ رہا؟ حالانکہ تجھے خوش ہونا چاہیئے کہ تیری مراد بر آئی اور بیٹا ہوا تیرے گھر۔۔۔"

دھوبی نے جواب دیا کہ" بہت بدصورت ہے۔ مجھے تو ذرا بھی اچھا نہیں لگا۔"

پوچھا گیا کہ" تیری بیوی کو کیسا لگا؟"

جواب دیا کہ" اب وہ اپنے ہاتھ سے گلا تو گھونٹ نہیں سکتی۔"

عورت نے کہا" کمال ہے۔ کیسے ماں باپ ہو تم؟ اپنی اولاد تو سب کو ہی پیاری لگتی ہے۔"

جوب دیا" بس اتنی خوشی ہے کہ بڑا ہو کر میرا ہاتھ بٹا دیا کرے گا۔"

دھوبی تو چلا گیا، مگر عورت کو فکر لاحق ہو گئی کہ ایسا بھی کیا بدصورت کہ ماں باپ بھی بے زار ہیں۔ اکیلی جانے کی ہمت نہ ہوئی کئی دوسری عورتوں سے بھی ذکر کیا مگر کوئی بھی دھوبی کے گھر اس کے ساتھ چلنے پر تیار نہ ہوئی آخر 1 عورت مان ہی گئی۔ دونوں دھوبی کے گھر گئے۔ کیا دیکھتے ہیں

1 باشت بھر کا بچہ تھا۔ دیکھتے ہی ڈر کر دور ہٹ گئیں۔ چپٹی سی ناک چہرے پر پھیلی ہوئی، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں، پیشانی ضرورت سے زیادہ باہر کو نکلی ہوئی، کولتار کی طرح سیاہ رنگت۔

بچہ ذرا بڑا ہوا اور گھر سے باہر نکلنے لگا تو بچے جنہیں بدصورتی اور خوبصورتی کی تمیز نہیں ہوتی مگر خوف کا عنصر تو ان میں بھی ہوتا ہے وہ اس سے خوف زدہ رہتے اور اپنے ساتھ کھیل میں شریک نہ کرتے بلکہ بھاگ کھڑے ہوتے۔ کچھ ہی عرصہ بعد بچے بھی مانوس ہو گئے اور اس کے ساتھ کھیلنے لگے۔ ہاشم کو احساس ہونے لگا تھا کہ وہ دوسرے بچوں کی طرح نہیں ہے وہ اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا تھا ماں باپ صبح جاتے شام ڈھلے آتے تھے وہ اکیلا تنہائی میں سوچتا رہتا کہ اسے اب کیا کرنا چاہیئے، حالانکہ اس کی عمر ابھی سوچنے کی نہ تھی۔ باپ نے اس بات کو بغور محسوس کیا کہ ہاشم تنہائی کا شکار ہوتا جا رہا ہے لہٰذا اسے بھی اپنے ساتھ کام میں شریک کر لیا، کہ جلد ہی سیکھ بھی جائے گا اور وقت بھی گذرتا رہے گا اس کا۔ ہاشم بڑی بے دلی سے باپ کے ساتھ کام پر جاتا ماں بھی ان کے ہمراہ جایا کرتی تھی۔ ہاشم کو اب اور زیادہ احساس ہونے لگا کہ اس کے ماں باپ کی بھی کوئی عزّت نہیں کرتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ وہ ایک بے عزت خاندان کا بے عزت بچہ ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد وہ بھی ہاشم نہیں دھوبی کہلائے گا۔

ایک دن گاؤں کی مسجد میں "مرو" سے کوئی عالم دین آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی کھیلتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ مسجد کے مولوی اس کی بڑی آؤ بھگت کر رہے ہیں۔ گاؤں کا ہر شخص ان سے جھک جھک کر مل رہا ہے۔ اس سے عالم صاحب کی یہ عزت افزائی دیکھی نہ گئی اور وہ گھر چلا آیا۔ ساری رات سوچتا رہا کہ ان کی عزت اس وجہ سے تھی کہ وہ دھوبی نہ تھے۔

دوسرے دن باپ گدھا لیکر کھڑا تھا، لیکن ہاشم اکڑ کر کھڑا ہو گیا اور ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ باپ نے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ مجھے دھوبی نہیں بننا، لوگ دھوبی کی عزت نہیں

کرتے۔ بچے بھی مجھے دھوبی دھوبی کہہ کر چھیڑتے ہیں۔ باپ نے پوچھا پھر کیا سوچا ہے؟ کیا کام کرو گے؟

ہاشم نے جواب دیا کہ اس دن مسجد میں مولوی صاحب آئے تھے انہیں دیکھا تھا نا؟ لوگ کتنی عزت کرتے ہیں ان کی، بس میں وہی بننا چاہتا ہوں۔

دھوبی تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی بیوی بھی رونے لگی کہ بچہ تو گیا کام سے۔ مسجد میں جو امام ہیں ان کا تو یہ حال ہے کہ کسی نے کچھ دے دیا تو کھا لیا وہ تو ہم سے بھی زیادہ غریب ہیں، خالی عزت سے کیا ہوتا ہے۔ باپ سمجھا سمجھا کر تھک گیا لیکن وہ کسی کی بات نہیں سنتا تھا۔ آخر کار باپ اس کا ہاتھ پکڑ کر مسجد لے گیا اور مولوی کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دے دیا کہ اسے مولوی بنا دو۔ مولوی نے کہا کہ تم تو دھوبی ہو، باپ نے جواب دیا کہ ہاں مگر یہ مولوی بننا چاہتا ہے۔ ہم نے لاکھ سمجھایا مگر اس پر بھوت سوار ہو گیا ہے مولوی بننے کا۔

مولوی نے کہا کہ ٹھیک ہے بھیج دینا کل سے اسے میرے پاس میں اسے لکھنا پڑھنا سکھا دوں گا۔

ہاشم نے مسجد جانا شروع کر دیا، وہاں کچھ بچے اور بھی آتے تھے۔ وہ بہت خوش تھا کہ یہاں اسے کوئی دھوبی نہیں کہتا تھا۔ مولوی صاحب نے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ اسلام میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا، کوئی امیر کوئی غریب نہیں ہوتا، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

مولوی صاحب قرآن پڑھاتے، ساتھ ساتھ مطلب بھی سمجھاتے جاتے سب حیران تھے کہ دھوبی کا بچہ بھی تعلیم حاصل کر رہا ہے دوسری طرف دھوبی اسے لعن طعن کرتا رہتا تھا۔

ہاشم کا ذہن پڑھائی میں بہت اچھا تھا جلد ہی اس نے قرآن کریم ختم کر لیا۔ اچھا خاصا پڑھنا لکھنا بھی آ گیا تھا اب ظاہر ہے مسجد کے امام اسے اتنا ہی پڑھا سکتے تھے کہ جتنا وہ خود جانتے

تھے۔اس کا شوق دیکھ کر اسے قریبی گاؤں بھیج دیا گیا، جہاں کے پیش امام نے انہیں علم شعر کی تعلیم دی جو ایران کا ایک بڑا علم سمجھا جاتا تھا۔اسے اس علم میں دلچسپی ہوئی مگر کچھ ہی عرصہ بعد وہ اس سے اکتا گیا۔اب حال یہ تھا وہ پوری طرح تعلیم بھی حاصل نہ کرسکا اور دھوبی وہ بننا نہیں چاہتا تھا، یعنی گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔گاؤں سے نکل کر جنگل میں دن بھر گھومتا رہتا تھا باپ اس کی آوارہ گردیوں سے تنگ آچکا تھا آخر کار اس کو گھر سے نکال دیا کہ کچھ کما کر لاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔

ہاشم کون سا اس گاؤں میں خوش تھا اس نے گھر اور گاؤں دونوں کو چھوڑ دیا ان دنوں ایران کے کئی شہر علم و ادب کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ان شہروں میں اس کی سیرابی کی سامان چھپے ہوئے تھے''مرو''ان میں سب سے قریب تھا۔اسے معلوم تھا کہ "مرو"میں ہر فن کے استاد بیٹھے ہیں وہ مرو میں آ گیا اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔علوم محدود تھے لیکن ذوق وشوق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا طالب علموں کی بے حد عزت کی جاتی تھی اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھا جاتا تھا۔ہر مسجد ایک مکتب بنی ہوئی تھی جگہ جگہ علما درس دیا کرتے تھے۔ہاشم نے بھی یہاں رہ کر تعلیم حاصل کرنا شروع کردیا۔

ہاشم کا غائب ہوجانا کوئی قابل ذکر بات نہ تھی اس کے ماں باپ تک کو اس کی فکر نہ تھی ہاں اس کی ماں اسے کبھی یاد کرلیا کرتی تھی پھر یہ کہہ کر صبر کرلیا کرتی کہ وہ کون سا ہمارے کام کا رہا ہے ۔کئی سال گزر گئے ہاشم کا کوئی اتا پتا نہ تھا لوگ اسے بھول گئے تھے کہ ایک دن وہ گاؤں لوٹ آیا۔لوگوں نے اس کی آمد کی خبر اس کے ماں باپ کو دی ماں کی مامتا بے چین ہوگئی اور وہ گھر سے بھاگ کر ہاشم کے پاس پہنچی ۔ایک پستہ قد کا نوجوان اس کے سامنے کھڑا تھا وہ اسے گھر لے گئی دیر تک سامنے بٹھا کر روتی رہی ۔شام کو دھوبی گھر آیا تو بیٹے کو سامنے دیکھ کر وہ بھی خوشی سے پھولا

ہوا تھا۔ دل میں سوچ رہا تھا اتنے دنوں بعد آیا ہے یقیناً دنیا دیکھ کر کافی کچھ سیکھ گیا ہوگا کوئی کام دھندا کرنے لگا ہوگا اب وہ کمائے گا اور ہم بیٹھ کر کھائیں گے۔

ہاشم گاؤں کی مسجد کے امام کے پاس گیا وہی امام جن سے اس نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ تو بے چارے کم پڑھے لکھے آدمی اور ہاشم مختلف علوم وفنون بہترین اساتذہ سے حاصل کر کے آیا تھا، اس نے امام صاحب سے گفتگو شروع کی تو امام ششدر رہ گئے۔ وہ جس موضوع پر بات کرتے ہاشم ایسے نکتے پیش کرتا کہ معلوم ہوتا علم کا دریا بہہ رہا ہو۔

امام صاحب نے حیرت سے پوچھا کہ ''تو وہی ہاشم ہے نا؟'' ہاشم نے کہا، ہاں، میں وہی ہوں" امام صاحب نے کہا کہ" دھوبی کا بیٹا اور اتنا بڑا عالم۔ کمال ہو گیا۔" جواب میں ہاشم نے کہا" آپ کی نگاہ میں کمال ہوگا، مگر میں ذرا بھی مطمئن نہیں ہوں۔ مجھ سے کئی ایسے ہیں جو ان علوم پر دسترس رکھتے ہیں، میں تو کچھ ایسا کرنا چاہتا ہوں جو آج تک کسی نے نہ کیا ہو۔

مولوی نے کہا" ایسا کیا کام ہے بھلا کہ جو کوئی اور انسان نہ کر سکا ہو؟ اگر تو مردوں کو زندہ بھی کرے گا تو وہ حضرت عیسیٰؑ بھی کر چکے ہیں۔ اگر تو آسمانوں پر بھی چلا جائے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کے موقعہ آخری آسمان سے بھی آگے جا چکے ہیں۔ ایسے خیالات سے باز آ جا اور جو علوم تیری دسترس میں ہیں ان پر اللہ کا شکر ادا کر۔"

ہاشم کے علم کی شہرت پورے گاؤں میں پھیل چکی تھی نوجوان طبقہ میں وہ مقبول ہوتا چلا جا رہا تھا، کیونکہ وہ ایسی ہوشربا داستانیں سنایا کرتا کہ لوگوں کے منہ کھلے رہ جاتے تھے۔ کچھ لوگوں نے مشہور کر دیا تھا کہ اس میں کوئی پراسرار روح گھس گئی ہے جو اس سے یہ باتیں کہلواتی ہے۔ بہت سے ضعیف العقیدہ لوگ ماننے لگے تھے کے ہاشم اب ایک پراسرار ہستی ہے ورنہ ایک دھوبی کا بیٹا اتنا بڑا عالم کیسے بن سکتا ہے؟

لوگوں کی یہ باتیں اس کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھیں ۔اس نے انسانی نفسیات کا بھی مطالعہ کیا تھا، اسے علم تھا کہ لوگوں کو ایسی باتیں دلکش لگتی ہیں جو ان کے لئے نئی ہوں اور اس سے پہلے انہوں نے نہ سنی ہوں ۔اس نے اپنی باتوں میں جھوٹ کو شامل کر کے ایسی داستانیں بیان کرنا شروع کر دیں کہ لوگ دنگ رہ جاتے ۔آہستہ آہستہ دلچسپی کا جذبہ عقیدت میں ڈھلنے لگا۔ایک دن وہ برملا کہنے لگا کہ خدا اس سے براہ راست خطاب کرتا ہے۔کسی نے اسے نماز کے قریب جاتے نہ دیکھا تھا۔بڑی عمر کے لوگوں نے لاحول پڑھی اور اس کی مجلس سے اٹھ گئے لیکن نوجوان بیٹھے رہے، ہاشم بھی یہی چاہتا تھا کہ نوجوان طبقہ ہی اس کے کام آسکتا تھا۔

اس کو علم ہو چکا تھا کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچ رکھتے ہیں اس نے ایک دن اعلان کر دیا کہ مجھ میں کسی پیغمبر کی روح آچکی ہے، مگر تم لوگ یہ بات جا کر کسی سے نہ کہنا لوگ یقین نہ کریں گے اور تمہیں مجھ سے جدا کر دیں گے۔کسی نے پوچھا کہ " کیا یہ ممکن ہے کہ کسی ایک انسان کی روح کسی دوسرے انسان کے جسم میں آجائے ؟" اس نے غصہ سے جواب دیا کہ " مجھے ہرگز پسند نہیں کے میری باتوں پر شک کیا جائے ، پھر بھی میں تمہیں بتاتا ہوں ، جب تم سوتے ہو تو تمہاری روح کہاں چلی جاتی ہے؟" کسی نے کہا " ہمیں نہیں معلوم تم ہی بتادو۔" اس نے ہنس کر کہا " تمہیں معلوم نہیں اور مجھ سے بحث کرتے ہو؟ روح ہمارے بدن سے نکل جاتی ہے اور ہم پر وقتی موت طاری ہو جاتی ہے، کچھ وقت کے بعد روح واپس جسم میں آجاتی ہے اور ہم جاگ اٹھتے ہیں ۔ایسے ہی مجھ میں کسی پیغمبر کی روح داخل ہو گئی ہے۔" حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ " تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ روح کس کی ہے؟" ہاشم نے جواب دیا " معلوم ہے، مگر بتانے کا حکم نہیں ہے۔" پھر سوال اٹھا کہ " اس طرح تو ہم میں بھی کسی کی روح داخل ہو سکتی ہے؟" اس نے جواب دیا " ہاں بالکل ہو سکتا ہے۔یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان دنیا میں بار بار جنم لیتا ہے۔ہم

جس سے محبت کرتے ہیں اس کی روح ہم میں حلول کر جاتی ہے۔"

بزرگوں کی مخالفت کی وجہ سے ہاشم کو وہاں سے دوبارہ جانا پڑا وہاں سے نکل کر اس نے دوبارہ نگر نگر گھوما۔

کئی سال گزر گئے 1 دن اچانک ہاشم لوٹ آیا، اس مرتبہ اس نے کچھ نئے علوم بھی سیکھے تھے جن میں طب اور کیمیا بھی شامل تھے۔

اس کے آنے کے 3 دن بعد ہی گاؤں میں کسی کو بخار آ گیا، ہاشم اسے دیکھنے گیا، مریض کو دیکھتے ہی ہو مرض کی نوعیت سمجھ گیا کچھ دوائیں اپنے سامنے پلائیں اور بخار فوراً ہی اتر گیا۔ اسے بھی ہاشم کی پراسراریت کا شاخسانہ قرار دیا گیا۔ لوگ طب سے واقفیت تو رکھتے تھے لیکن یقین نہ تھا کہ دھوبی کا لڑکا بھی طبیب بھی ہو سکتا ہے وہ سمجھتے تھے کہ اس میں کوئی روح حلول کر گئی ہے۔

جب سے وہ آیا تھا لوگ دیکھ رہے تھے کہ وہ مختلف طرح کے تجربات کرتا رہتا ہے کبھی آگ جلا کر مختلف دھاتوں کے ٹکڑے ڈال رہا ہے تو کبھی پیالے میں پارہ رکھ کر اس سے کھیل رہا ہے اور کبھی بوتل میں تیزاب ڈال کر اس میں لوہے کے ٹکڑے ڈال رہا ہے، اب وہ باتیں بھی کم ہی کیا کرتا تھا۔

علم کیمیا اس وقت اس علم کو کہا کرتے تھے کہ جس میں کم قیمت دھاتوں کو ایک خاص تناسب سے ملا کر سونا بنانے کے دعوے کئے جاتے تھے۔ ہاشم بھی انہی تجربات میں گھنٹوں مشغول رہا کرتا تھا لوگ اس کے پاس بیٹھے رہتے اور وہ خاموشی سے تجربات میں لگا رہتا۔

انہی دنوں اس پر بخار کی کیفیت ہوئی، پھر دانے نکلنا شروع ہوئے، پورا چہرا دانوں سے بھر گیا، بدبو ایسی پیدا ہوئی کہ کوئی قریب ہی نہ آتا تھا۔ لوگ شک میں مبتلا ہو گئے کہ یہ کیسی پاکیزہ روح ہے جس کی بنا پر اس پر عذاب نازل ہو گیا ہے اب لوگ دروازے سے باہر ہی کھڑے رہا

کرتے تھے۔ باتیں کرتے تھے کہ وہ اپنا علاج کیوں نہیں کرتا۔ اس پر یہ عذاب کیسا؟ ہاشم نے بھی یہ سب باتیں سنیں اور ایک دن انہیں بلا کر ان سے ایک سوال پوچھا "کسی نے ایوب علیہ السلام کا ذکر سنا ہے؟" "سب نے کہا" ہاں سنا ہے۔" اس نے مزید سمجھایا کہ "انہیں ایسی بیماری تھی کہ پورا بدن گل گیا تھا، لوگ انہیں بستی سے باہر چھوڑ آئے تھے، کیا تم میں سے کوئی جھٹلا سکتا ہے کہ وہ اللہ کے نبی نہ تھے؟ مجھے بھی یہ مرض اللہ کی جانب سے ملا ہے وہ میرا امتحان لے رہا ہے اور میں صبر کر رہا ہوں۔ شکایت کروں گا تو پورا گاؤں زمین میں دھنس جائے گا۔" باتیں کرنے کا تو وہ ماہر تھا سب کو اس نے قائل کر لیا سب توبہ کرنے لگے کہ کیسے اندیشے ہم نے پیدا کر لیے۔ سب نے کہا ہم تمہارے لئے کسی اچھے طبیب کا بندوبست کئے دیتے ہیں ہاشم نے انہیں سختی سے منع کیا کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے خبردار کسی کو میرے پاس نہ لانا، اللہ جلد ہی خوشخبری سنائے گا۔ جب بھی کوئی اس کی بیماری کی بات کرتا وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی باتیں کرتا کہ لوگوں پر رعب پڑے اور اسے حضرت ایوب علیہ السلام کا ہم پایہ سمجھیں، اور اس کی عزت کریں۔

دراصل اس کو شدید قسم کی چیچک نکلی تھی جس کا وہ چپکے چپکے علاج کر رہا تھا اور لوگوں پر ظاہر کر رہا تھا کہ اللہ اس کا علاج کر رہا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اور خاص مرہم دے کر جاتے ہیں جسے وہ چہرے پر مل لیتا ہے، جلد صحتیابی ہوگی۔ دانے آہستہ آہستہ خشک ہوتے چلے گئے مگر چیچک کے نشانات سے چہرہ مزید مکروہ گیا تھا، ساتھ ہی ایک جانب کی آنکھ بھی بیٹھ گئی تھی، چیچک کا علاج وہ جانتا تھا کر لیا پر آنکھوں کے علاج سے واقف نہ تھا سو آنکھ گنوا بیٹھا اور بدصورتی میں چار چاند لگ گئے۔ ساتھی دوستوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ صبح سویرے گھر سے نکل جاتا اور رات اندھیرے واپس آتا، مصروفیات پراسرار ہوتی جا رہی تھیں۔ لوگ کہتے وہ روحوں سے باتیں کرنے جاتا ہے۔ اس کا پیچھا کیا گیا تو واقعی عجیب حرکات کرتا پایا گیا۔ مراقبہ کی

حالت میں بیٹھا ملتا تو کبھی مختلف تجربات کرتا پایا گیا۔

تجربات میں کچھ کامیابی ہوئی تو مددگاروں کی ضرورت درپیش آئی، بے روزگاروں کی کمی نہ تھی، چند نوجوانوں کو کیمیا گری کی شعبدے دکھا کر مرعوب کیا اور اب وہ ہر وقت ساتھ رہنے لگے۔سونا بنانے کی تجربات کئے اور ایک مصنوعی چہرہ تیار کیا کہ اس کا مکروہ چہرہ کم سے کم لوگوں کے سامنے آئے اور اب وہ پیغمبری کا دعویٰ کرنے والا تھا پھر سوچا کہ اگر پیغمبر بنا تو نئے لوگ چہرہ دیکھنا چاہیں گے سو اس نے کچھ اور ہی سوچ لیا۔

اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کل رات تمہارے استاد (ہاشم) نے ایک خواب دیکھا ہے کہ خدا کی روح مجھ میں حلول کر گئی ہے" ساتھیوں نے پوچھا" کیا خدا کی بھی روح ہوتی ہے؟" اس نے کہا" تم ان باریکیوں کہ نہیں سمجھو گے، بس اتنا سمجھ لو کہ اب میرا حکم خدا کا ہی حکم ہو گا، یعنی کہ میں ہی خدا ہوں۔" لوگوں نے پوچھا کہ" خدا کو یہ ضرورت کیوں پیش آئی" اس نے جواب دیا" دنیا میں خرابی حدوں کو پہنچ چکی ہے، میرے ذریعے اب دنیا کو سنوارا جائے گا اور تم لوگ میرا ساتھ دو گے، اس کے صلے میں کسی مناسب وقت پر تمہیں آسمانوں اور جنت کی سیر کروائی جائے گی۔" شاگردوں نے پوچھا" ہمیں کرنا کیا ہوگا؟" ہاشم نے کہا" مجھے رب کائنات کہو گے اور مجھے سجدہ کرو گے"

ہر شخص جو وہاں موجود تھا سب نے سجدہ کیا اور دیر تک سجدے ہی میں پڑے رہے جب ہاشم خوب خوش ہو چکا تو اس نے انہیں سجدے سے اٹھنے کا حکم دیا۔اور ہدایت کی کہ ابھی یہاں سے جانے کے بعد کسی کو کچھ نہ بتانا کہ جب تک میں نہ کہوں، اور آج کے بعد سے بس میرا ہی حکم ماننا ہوگا۔

ہاشم نے سوچ لیا تھا کہ یہاں کے لوگ جو مجھے اور میرے آباؤ اجداد کو جانتے ہیں، وہ مجھے

ہمیشہ حقیر ہی سمجھتے رہیں گے مجھے اب ایسی جگہ جانا ہوگیا جہاں لوگ نہ تو مجھے جانتے ہوں نہ ہی میری شکل سے واقف ہوں۔اس نے خفیہ تیاری کی اور ساتھیوں کو سفر کا حکم دیا جن کے لئے پہلے ہی وہ گھوڑوں اور دیگر سفری سامان کی تیاری کر چکا تھا۔ساتھیوں نے منزل کا پتا پوچھا تو اس نے کہا کہ" خدا کسی کے ارادے کا پابند نہیں ساری زمین میری ہے جہاں چاہوں گا قیام کروں گا۔"

کل 20 افراد تھے جو اس کے ساتھ روانہ ہوئے 1 گھوڑے پر 2 افراد سوار تھے اور وہ خود اکیلا،سفر پر رات کے اندھیرے میں وہ گاؤں سے نکلے، چاند کی روشنی میں اور بڑی خاموشی سے کسی کو آپس میں گفتگو کی بھی اجازت نہ تھی۔صبح جب سویرا ہوا تو ساتھیوں نے دیکھا کہ ہاشم کے منہ پر سنہری نقاب تھا اور چہرہ اس سے چھپا ہوا تھا،ساتھیوں نے پوچھا" اے رب کائنات یہ نقاب کیسا؟" ہاشم نے کہا اب میرے چہرے پر ایسا رعب وجلال ہے کہ جس کی تم تاب نہ لاسکو گے اسے میں نے جنت سے منگوایا ہے"

ساتھیوں نے کہا کہ" ہم تو بچپن سے آپ کو دیکھتے آرہے ہیں ہم سے کیا پردہ" ہاشم نے کہا " پاگل نہ بنو، کیا میں نے موسیٰ کو اپنی ایک جھلک دکھلا کر بے ہوش نہ کر دیا تھا وہ تو موسیٰؑ تھے جو بے ہوش ہو گئے تم تو خاک ہو جاؤ گے جو میرا بے نقاب چہرا دیکھ لیا،اب ایسی ضد نہ کرنا کہ جو میرے غضب کو دعوت دے۔"

ساتھیوں نے کوئی سوال نہ کیا اور چلتے رہے، یہاں تک کہ ماوراالنہر کے علاقے" کش" میں پہنچ گئے۔ یہ سرسبز وشاداب علاقہ تھا جو جنگی نقطۂ نظر سے بھی نہایت مناسب تھا درختوں کی کثرت بتا رہی تھی یہ یہاں رات کو اندھیرا رہتا ہوگا۔اس نے آبادی سے ہٹ کر ویران پہاڑوں کا رخ کیا اسے یہ دیکھ انتہائی خوشی ہوئی کہ پہاڑوں کے درمیان ایک قلعہ پہلے سے موجود تھا جو ویران تھا اس کی فراست بتا رہی تھی کہ یہاں کوئی رہتا تھا۔

اس نے ساتھیوں کو قلعہ میں بھیجا اور صفائی کا حکم دیا اس کے دوستوں نے قلعے کو بھی اپنی کرامت سے تعبیر کیا۔ قلعے میں پانی کا ایک قدرتی چشمہ بھی موجود تھا اب صرف غذائی ضروریات کا انتظام کرنا باقی تھا اس نے اپنے لوگوں کو سونے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دیئے اور کہا کہ" قریبی گاؤں سے غذائی سامان گھوڑوں پر لے آؤ، اور خبردار میرے بارے میں ابھی کسی کو کچھ نہ بتانا۔"

ساتھیوں نے پوچھا کہ" یہ بھی نہ بتائیں کہ خدا زمین پر اترا ہے؟

" ہرگز نہیں، میں رزاق ہوں، پہلے ان کے لئے رزق جمع کروں گا پھر انہیں اپنا مہمان بناؤں گا، اگر وہ پہلے آ گئے تو جنت کے پھل ان کے لئے بیکار ہوں گے، انہیں دنیاوی غذا ہی ہضم ہو گی۔"

اس کے آدمی بستی گئے اور سامان اکھٹا کرتے رہے، کئی دن تک یہی سلسلہ برابر جاری رہا۔ اناج اور مختلف چیزوں سے کوٹھریاں بھر گئیں، پھر اس نے گائے اور بکری جمع کرنا شروع کر دیں، تاکہ بوقت ضرورت گوشت کا بندوبست کیا جا سکے۔ جب کئی روز تک مخصوص افراد غذائی اجناس خریدتے رہے تو تاجر یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ لوگ کس کے لئے اتنا اجناس لے جاتے ہیں اور وہ بھی سونے کے ٹکڑوں کے عوض، کچھ پوچھو تو بتاتے بھی نہیں۔ کچھ لوگوں نے انہیں قلعہ فروکش میں جاتے دیکھا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ خلیفہ مہدی کی فوجیں قلعہ فروکش میں جمع ہوئی ہیں کیونکہ ان دنوں یہ عباسی خلیفہ، بنوامیہ سے جھڑپوں میں مشغول تھا۔

ہاشم جب ان انتظامات سے فارغ ہوا تو اس نے اپنے آدمیوں کو اس ہدایت کے ساتھ تبلیغ پر روانہ کیا کہ وہ اس کی تعریف کریں اور انہیں خوشخبری سنائیں کہ خدا انسانی شکل میں نمودار ہوا ہے۔ اگر تمہارے بارے میں پوچھیں تو کہنا کہ تم اس کے مقرب فرشتے ہو اور تم بھی انسانی شکل

میں آئے ہو کہ خدا جو چاہے کر سکتا ہے۔

یہ لوگ ادھر ادھر پھیل گئے اور لوگوں کو بشارتیں دینے لگے، پہلے تو لوگوں کو یقین نہ آیا، سنتے اور مذاق اڑاتے ہوئے چلے جاتے، مگر جب روز کئی بار یہی صدائیں سنتے تو انہوں نے سوچا کہ جھوٹے کو گھر تک پہنچا کر آتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے ہمت کی اور قلعہ فروکش پہنچ گئے۔ ہاشم کے ساتھی انہیں ایک پردے کے قریب لے گئے جو سونے کے تاروں کا بنا ہوا تھا۔ ان کے وہاں پہنچتے ہی وہ تار خود بخود اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ پستہ قد آدمی ایک اونچی کرسی پر بیٹھا ہے۔ اچنبھے کی بات یہ تھی کہ اس کا چہرہ نقاب کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔

انسانی آواز نے انہیں مخاطب کیا" خوش قسمت انسانو! تمہیں نوید ہو کہ تمہارا خدا انسانی شکل میں تمہارے سامنے نمودار ہوا ہے"

" خدا کو یہ ضرورت کیوں پیش آئی ؟" کسی نے پوچھا۔

" اس لئے کہ میں لاکھوں سال سے اس دنیا میں پیغمبر بھیج رہا ہوں یہاں تک کہ آخری نبی بھی بھیج دیا لیکن کوئی تبدیلی نہیں آئی، اب میں خود زمین پر اتر آیا ہوں کہ اپنے نامراد بندوں کو تسلی دوں۔"

" آپ نے اس ملاقات کے لئے حکمرانوں کا انتخاب کیوں نہ کیا ؟"

" اس لئے کہ میں انہیں اپنی رحمت سے نکال چکا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اقتدار کے نشے میں اتنے بدمست ہیں کہ مجھ تک سے لڑنے پر آمادہ ہیں، میں جلد ان کا غرور خاک میں ملا دوں گا اور ان کی جگہ تم لوگوں کو سرفراز کروں گا"

" آپ نے اپنا چہرا نقاب میں چھپا رکھا ہے، یہ کیسا دیدار ہے؟"

" تم میرے دیدار کی تاب نہ لاسکو گے، میں تمیں اپنے جلوے سے قیامت کے دن فیض

یاب کروں گا۔اس دن میں تمہارے دل کو مضبوط کر دوں گا،ابھی تم برداشت نہیں کر سکتے اور ہاں ،آئندہ نقاب کشائی پر اصرار مت کرنا۔"

ان لوگوں کو بہترین کھانا کھلا کر رخصت کر دیا گیا۔ان لوگوں کی صورت میں ہاشم کو مفت میں مبلغ ہاتھ آ چکے تھے۔وہ قلعے اور نئے خدا کی باتیں مزے لے لے کر سناتے تھے۔ان کی باتوں میں عقیدت نہ سہی دلچسپی ضرور تھی۔دوسروں کو بھی تجسس ہوا اور وہ بھی قلعہ ہو آئے غرض ایک وقت ایسا آیا کہ وہاں ہر وقت رش رہنے لگا۔یہاں ہر وقت کھانا تیار رہتا تھا سو بہت سے نادار اور بہت سے کاہل بھی یہاں ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گئے۔اتنے بہت سے لوگوں کا کھانا کہاں سے آتا تھا،کسی کو کچھ معلوم نہ تھا،بس کھانا مل جاتا تھا یہی بہت تھا۔بہت سے لوگوں نے سوچا کہ اس خدا پر ایمان ہی لے آتے ہیں مفت کا کھانا روز کھانے کو ملے گا اور رہنے کی جگہ بھی الگ،سو وہ اس پر ایمان لے آئے،ویسے بھی وہ ہاشم کی شعبدہ بازی سے متاثر ہو چکے تھے۔انہوں نے اسے سجدہ کیا اور اس پر ایمان لے آئے۔

ہاشم چونکہ ہر وقت چہرے پر سونے کا بنا نقاب لگائے رہتا تھا،اس لئے وہ" ابن مقنع" یعنی " نقاب کا بیٹا یا نقاب والا" کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اب اس کے پیروکاروں کی تعداد بڑھنے لگی تھی اب اسے اپنے ان مددگاروں کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی کہ جو گاؤں سے اس کے ساتھ آئے تھے اس نے ان تمام لوگوں کو اپنے پاس اکیلے میں بلایا اور کہا کہ" زمین پر کام کرنے والوں کی تعداد اب زیادہ ہو گئی ہے،اب تمہاری ضرورت آسمانوں پر ہے تم لوگ وہاں جاؤ اور جنت میں قیام کرو۔"

ان لوگوں نے جواب دیا کہ" ہم تو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے ہیں اور آپ کا ساتھ چھوڑنا ہمیں گوارا نہیں"

"تمہارا خدا ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے وہاں بھی تم مجھے بیٹھا پاؤ گے۔"

"ہم وہاں پہنچیں گے کیسے؟"

"تم قلعے کی دیوار پر چڑھو اور جنگل کی طرف کود جاؤ لیکن خبردار ایک ایک کر کے نہیں ایک ساتھ کودنا"

"اس طرح تو ہماری جانیں ہلاکت میں پڑ جائیں گی"

"زمین پر گرنے سے پہلے فرشتے تمہیں اپنے پروں پر اٹھالیں گے۔"

عقیدت میں اندھے یہ لوگ ابن مقنع کی باتوں میں آ گئے اور رات کے وقت دیوار پر چڑھ کر قلعے سے نیچے کود گئے۔

ابن مقنع اب مکمل مطمئن تھا کہ اس کے سب گواہ مارے جا چکے ہیں اب کوئی نہیں جو اسے جانتا ہو کہ اس کا نام کیا ہے اور وہ کس علاقے سے آیا ہے اور نقاب کے پیچھے کیسا بھیانک چہرہ ہے۔ اب یہاں وہ لوگ تھے جو اسے جانتے پہچانتے نہ تھے، لیکن اندھی عقیدت رکھتے تھے۔

اردگرد کے علاقے میں دھوم مچی تھی کہ قلعہ فروکش میں خدا اترا ہے جو تماشے بھی دکھاتا ہے۔ لوگ جوق در جوق خود بھی آ رہے تھے اور بیوی بچوں کو بھی تماشے دکھانے لا رہے تھے۔ وہ اپنی شعبدہ بازیوں سے سب کو مسحور کر رہا تھا کچھ اسی وقت اس پر ایمان لاتے اور کچھ ڈانوں اڈول گھروں کو لوٹتے، لیکن ان کا ایمان بگڑ چکا ہوتا تھا۔ ایک بڑی تعداد بھی اس کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ اس نے حکم دیا کہ "اپنی عورتوں کو بھی اگر وہ جوان ہیں قلعے میں لائیں۔"

دو چار نے تجسس میں پوچھا "وہ کس لئے؟"

ابن مقنع نے کہا "میں نے عورتوں کو نہایت حسین مخلوق بنایا ہے اور نسل انسانی میں اضافے کا ذریعہ بھی۔ عورتوں کے بغیر قلعہ بے رونق ہو گیا ہے، تم خوش قسمت ہو کہ تمہارا خدا تمہاری

عورتوں پر توجہ دے گا اور ان سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ خدا کے دین کی مضبوطی کا باعث ہوگی۔"

پوچھا گیا" رب کائنات کو عورتوں کی کیا ضرورت؟"

جواب ملا" میں خدا ضرور ہوں مگر انسانی شکل میں نمودار ہوا ہوں، مجھے ضرورت ہے۔"

پھر سوال ہوا کہ" ہم نے تو سنا ہے کہ ایک کی بیوی دوسرے پر حرام ہے اور یہ شریعت آپ ہی کی ہے۔"

جواب دیا گیا کہ" جو شریعت بناتا ہے وہ اسے تبدیل بھی کر سکتا ہے، میرے نئے دین میں محرم نامحرم کا سوال نہیں ہے، جو عورتیں قلعے میں آئیں گی وہ سب کی ملکیت ہوں گی، خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور دوسروں کو بھی اٹھانے دے۔"

وہ کئی دن تک یہی باتیں سب کے ذہنوں میں بٹھاتا رہا اور بالآخر وہ اپنی عورتوں کو بھی قلعے میں لے آئے، جن میں سے کئی ابن مقنع کی بیوی بن گئیں۔

اب وقت آ گیا تھا کہ وہ اپنے پیروکاروں کو ایسے لالچ دے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کے پیروکار بن جائیں، اس نے اس کے لئے لوٹ مار اور ڈاکہ زنی جائز کر دیں۔ حکم دیا کہ جو لوگ مجھ پر ایمان نہ لائیں ان کا مال و دولت تمہارے لئے مباح ہے۔ انہیں لوٹ لو ان کی عورتوں کو اٹھا لاؤ وہ تمہاری باندی بن کر رہیں گی۔

کئی ایسے بھی تھے کہ اسلام لانے سے قبل ان کا قبائل ڈاکہ زنی کا پیشہ اپنائے ہوئے تھا۔ اسلام لانے کے بعد توبہ کر لی تھی، ان کی رگوں میں خون تو وہی تھا سو اجازت ملتے ہی منہ میں پانی بھر آیا۔ ہتھیار بھی مہیا کر دئے گئے سو وہ لوٹ مار بھرپور انداز میں کرنے لگے۔ جو مال ملتا اس میں کچھ حصہ ابن مقنع بھی اپنے پاس رکھتا یہی حال لڑکیوں اور عورتوں کا بھی تھا، اسے جو پسند آتی وہ اس کی ہو جاتی تھی۔

جب اس فتنے کی خوب شہرت ہوئی تو علمائے وقت چوکنا ہوئے کہ معاملہ مذہبی ہے سو پہلے اس کی تعلیمات جاننے کے لئے اس سے ملنے کی کوشش کی اور ایک وفد" کش" آیا۔

ابن مقنع کا واسطہ اب تلک سادہ لوح دہاتیوں سے ہی ہوا تھا جو کہ اب اس کی مٹھی میں تھے، لیکن ان علماؤں سے مل کر وہ کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتا تھا سو اس نے قلعے کے دروازے بند کر دیئے اور ملنے سے انکار کر دیا اس کے آدمیوں نے کہلا بھیجا کہ خدا ان سے خوش نہیں اس لئے ملاقات کا شرف نہیں دینا چاہتا اور وعید بھی دی ہے کہ وہ جلد ہی عذاب سے دو چار ہوں گے۔

وفد کے ارکان نے اندر جانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی وہ قلعے کے باہر ہی سو گئے۔ ابن مقنع بھی رات بھر کچھ سوچتا رہا اور پھر صبح تک وہ اپنے منصوبے میں کامیاب بھی ہو چکا تھا اس نے علماء کو اندر بلوایا اور اپنے خاص کمرہ میں بلایا جہاں علماء کو حیران کر دینے کے لئے مصنوعی سورج بھی اس کے سر پر ہوا میں معلق تھا، جس کی دھوپ ان گرمیوں کے دن میں بھی ٹھنڈی تھی اور دیواریں بھی اس کے باعث ٹھنڈی پڑ رہی تھیں۔ ہوا بھی معطر کہ گویا جنت سے آرہی ہو۔ علما کو علم تھا کہ یہ شخص طلسم کا ماہر ہے وہ ذرا بھی مرعوب نہ ہوئے۔

اے شخص اپنا نقاب ہٹا اور چہرہ دکھا کہ ہم تجھے دیکھیں اور بات کریں۔"

سجدہ صرف خدا کے لئے ہوتا ہے"

کیا فرشتوں نے آدم کو سجدہ نہ کیا؟ انہوں نے بھی خاکی پیکر کو نہیں مجھے سجدہ کیا تھا۔ تم بھی خاکی پیکر کو نہیں مجھے سجدہ کرو گے۔"

اگر تو خاکی ہے تو نقاب ہٹا"

تم تو خود کو عالم کہتے ہو کیا علم نہیں کہ میرے نور کی تاب نہ لا سکو گے، کیا تمیں موسیٰؑ کا حال

معلوم نہیں؟"

ہم اپنی ہلاکتوں کے ذمہّ دار خود ہوں گے، تو نقاب تو ہٹا۔"

میرا ہر کام حکمت بھرا ہوتا ہے، حکمت نہیں کہ نقاب ہٹاؤں۔"

یہ کیوں نہیں کہتا کہ ہم تیری حقیقت جان چکے ہیں، کیا تو علاقہ مرو کا رہنے والا ہاشم نہیں؟

میرے بہت سے نام ہیں اور کسی کے جسم میں بھی حلول کر سکتا ہوں"

کیا یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ روح حلول کر سکتی ہے؟"

میں قادر مطلق ہوں جو چاہوں کر سکتا ہوں"

پہلے تو نقاب ہٹا اور دکھا کہ تو ہے کون؟ ہٹاتا کیوں نہیں نقاب؟"

علما اصرار کرتے رہے اور ابن مقنع انکار کرتا رہا پھر وہ وقت بھی آیا کہ وہ اتنا ڈر گیا کہ دونوں ہاتھ سے نقاب پکڑ کر بیٹھ گیا کہ کہیں وہ اٹھ کر نقاب نہ اتار لیں۔ علما اس سے علمی سوال پوچھتے تو وہ شرط لگاتا کہ پہلے سجدہ کرو، پھر جواب دوں گا۔ کچھ دیر بعد علماء کو باہر نکال دیا گیا اور لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ وہ خدا سے بحث کرنے آئے تھے بھلا خدا سے بھی کوئی جیت سکا ہے وہ قائل ہو کر گئے ہیں۔

جاہل دیہاتیوں نے جب یہ سنا کہ علما بھی متاثر ہوئے ہیں اور اسے پہچان گئے ہیں تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں سو جو بچے تھے وہ بھی اپنا ایمان خراب کرنے لگے اور اس کی جانب راغب ہوئے۔

''کش'' کے قریب ہی ایک جگہ "نخشب" نام کی تھی، پہاڑی علاقہ تھا جو درختوں سے ڈھکا رہتا تھا چاند کے سوا روشنی کا دوسرا ذریعہ نہ تھا۔ جب چاند ہلال کی صورت میں ہوتا تو یہاں گھپ اندھیرا چھا جاتا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے اس کی شہرت سنی تو ابن مقنع کی شہرت سنی تو سوچا کہ اگر

وہ خدا ہے تو ان مسئلہ حل کر سکتا ہے ورنہ پھر وہ خدا نہیں۔ قبیلے کے چند افراد اس کے پاس گئے اور جا کر اپنا مدعا بیان کیا۔

" ہم نے سنا ہے کہ تو ہی خدا ہے؟"

" خدا خود کو منوانے کے لئے دلیلیں پیش نہیں کرتا، تمہیں ماننا ہے تو خود ہی مان لو گے، میری رحمتیں تو سب کے لئے ہیں وہ بھی کہ جو ایمان لائے اور جو نہ لائے ان کے لئے بھی"

" اگر تو خدا ہے تو تیرے ہاتھ میں سب کچھ ہوگا"

" ہم جہاں رہتے ہیں وہاں بہت اندھیرا ہے، چاند کی روشنی ہمارے لئے بہت فائدہ مند ہے، لیکن مصیبت جب آتی ہے جب چاند گھٹتا اور بڑھتا ہے، تو چاند کی روشنی کو ایک حالت پر کر دے"

" کر تو سکتا ہوں لیکن کائنات کا نظام تتر بتر ہو جائے گا"

" پھر تو کیسا خدا ہے؟"

" میں ایک کام کر سکتا ہوں کہ تمہارے لئے ایک دوسرا چاند بنا دوں جو آسمان پر چمکا کرے اور اسکی روشنی ہمیشہ پورے چاند سی حالت پر رہے گی۔"

" ہمیں تو روشنی سے مطلب ہے، اچھا ہے اگر ہمیں دو چاند کی روشنی مل جائے۔"

" میں اپنی خدائی سے یہ کام سر انجام دوں گا"

" ہمارا پورا قبیلہ تجھ پر ایمان لائے گا اور تیرے دشمنوں سے لڑے گا"

اس کے بعد انہوں نے اسے سجدہ کیا اور چلے گئے، ان کے جانے کے بعد ابن مقنع سوچ میں پڑ گیا، اب اس کی خدائی کا انحصار دوسرے چاند کی طلوع ہونے پر تھا، اسکی مہماتی طبیعت نے وعدہ تو کر لیا تھا لیکن یہ کوئی معمولی ایجاد نہ تھی، اس نے اپنی خواب گاہ میں ایسے مصنوعی

ستارے (جو کہ آج کل کے بلب جیسے تھے اور سورج کی روشنی سے چلتے تھے) تو ایجاد کر لئے تھے کہ جو ہوا میں معلق اور چمکتے تھے لیکن چاند بنانا اور اس کو میلوں دور آسمان پر ہوا میں بلند رکھنا یہ تو معجزاتی کام تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب یا تو وہ ایسا چاند بنا لے گا یا پھر وہ خاموشی سے کہیں روپوش ہو جائے گا۔

ہاشم اب خلوت میں رہنے لگا، کچھ دیر کے لئے باہر نکلتا اور وہ بھی اس لئے کہ اس کے آس پاس کے حالات کیسے ہیں اور اس کے بارے میں کیا باتیں چل رہی ہیں جاننے کے لئے پھر واپس خلوت میں چلا جاتا تھا۔ اپنے تجربات میں مشغول رہتا تھا۔

انہی دنوں اس کو خبر ملی کہ جو علماء کا وفد اس کے پاس سے گیا تھا انہوں نے ایک وفد تیار کر کے خلیفہ بغداد کے پاس بھیجا ہے جس میں استدعا کی گئی ہے کہ اس فتنے کی سرکوبی کی جائے کیونکہ یہ ایک نازک مسئلہ ہے۔ ابن مقنع یہ خبر سن کر ذرا بھی نہ گھبرایا اور اپنے تجربات میں مشغول رہا۔ اپنے آدمیوں سے اس نے کہا کہ" خلیفہ اس بات پر توجہ نہ دے گا اور اس بات کو ایک طرف پھینک دے گا، میں نے اس کے دل میں یہی بات ڈالی ہے۔"

اس کی خدائی پر لوگوں کو ایک اور دلیل مل گئی کہ جب خلیفہ مہدی نے اس وفد کی درخواست کو بے توجہی سے ایک جانب رکھ دیا اور کوئی حکم جاری نہ کیا۔ اس وقت اس کے سامنے کئی بڑے سیاسی مسائل تھے جن میں سب سے بڑا مسئلہ بنو امیہ کی بغاوت کو کچلنا تھا جس کے لئے وہ مختلف علاقوں میں فوجیں روانہ کر رہا تھا۔ کش ویسے بھی ایک دشوار گزار پہاڑی علاقہ تھا جہاں پہنچنا آسان نہ تھا۔ پھر اس نے یہ بھی سوچا کہ ابن مقنع کا معاملہ چھوٹا موٹا مذہبی مسئلہ ہے جسے وہ جب چاہے کچل دے گا۔ بظاہر ابن مقنع نے لوگوں کو مطمئن کر دیا تھا مگر درپردہ وہ ہوشیار ہو چکا تھا اب اس نے کہ ماہر لوگوں کو جمع کرنا شروع کر دیا اور بڑے پیمانے پر ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دے

دیا۔لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس نے کہا کہ میں جب چاہوں ان کو ملیا میٹ کر سکتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ دنیاوی جنگ کو دنیاوی ہتھیاروں سے لڑوں اور اس سے تم لوگوں کی آزمائش بھی کروں کہ کس کے دل میں میرے لئے کتنی محبت ہے اور کون جذبہ جہاد سے بھرپور ہے۔

کئی مہینے گزر گئے نخشب کے لوگ مایوس ہو چکے تھے اور آپس میں کہتے رہتے تھے کہ اگر ابن مقنع واقعی خدا ہوتا تو اب تک ہمارے لئے چاند نکال چکا ہوتا۔

ابن مقنع اپنے قلعے سے باہر نکل کر مغرب کی جانب پہاڑیوں میں چلا گیا اور دن رات چاند بنانے کی تراکیب پر عمل کرتا رہتا اپنی محنت اور علم کی بدولت وہ اپنے اس مقصد کو پانے کے قریب تھا بلا آخر چند دن بعد قلعے کے لوگوں نے دیکھا کہ روشنی کا ایک گولا آسمان کی جانب بلند ہوا اور کچھ دیر بعد نیچے آ گیا۔ پھر یہ عمل کئی راتوں تک جاری رہا۔ایک رات انہوں نے دیکھا کہ آسمان پر دو چاند چمک رہے تھے ایک چاند زیادہ فاصلے پر اور دوسرا کم فاصلے پر۔اس سے نخشب کا پورا علاقہ روشن ہو گیا۔ یہی وہ چاند تھا کہ جسے ابن مقنع نے اپنی خدائی کا بھرم قائم رکھنے کے لئے بنایا تھا اس کی روشنی 30 میل دور پھیلتی تھی اور صبح ہوتے ہی یہ چاند نخشب کے ایک کنویں میں اتر جاتا تھا۔نخشب کے لوگوں کو ان کا چاند مل گیا تھا وہ لوگ ڈھول تاشے بجاتے قلعے میں داخل ہوئے اور ابن مقنع کے آگے سجدے میں گر گئے ۔ یہ ایک جنگجو قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ان لوگوں کے آنے کے بعد اس کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا آخر اپنے علاقے کا خدا بن ہی گیا (معاذاللہ)۔

دور دراز تک اس کی شہرت پھیل چکی تھی راہ چلتے قافلے اس کے بنائے چاند کو دیکھتے تو تجسس ہوتا کہ ملاقات کریں اس شخص سے کہ جو نقاب میں پوشیدہ ہے اور اپنے آپ کو خدا کہلواتا ہے۔اس کے معجزات کے ان گنت من گھڑت قصے سنائے جانے لگے جسے سن کر لوگ مبہوت رہ

جاتے تھے۔ابن مقنع کے پاس اب ہتھیار بند 30 ہزار کا لشکر موجود تھا اس لشکر کی خوراک اور دیگر اخراجات کے لئے وافر رقم کی ضرورت تھی وہ کسی ریاست کا بادشاہ تو تھا نہیں کہ محصولات کی آمدنی سے سلطنت کا خرچ چلائے اس نے چند جنگجو قبائل کے سرداروں کو اپنے پاس بلا کر تجارتی قافلوں کو لوٹنے کے لئے شاہراہوں پر گھات لگا کر بیٹھنے کا حکم دیا ساتھ ہی تاکید بھی کی صرف مال نہیں لوٹنا کوشش کرو گرفتار کر کے یہاں لاؤ یا قتل کر دو اور کسی کو علم نہ ہونے پائے کہ یہ حادثہ کس علاقے میں واقع ہوا۔عورتیں نازک ہیں میرے پاس لے آنا ان کی تم میں منصفانہ تقسیم کر دوں گا وہ تمہارے لئے زمینی حوریں ہوں گی جن سے حاصل اولاد تمہاری طاقت میں اضافہ کرے گی۔

جب گناہ وثواب کا فرق مٹ جائے تو انسان کو بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔محرم نامحرم کا فرق ہی مٹ گیا وہ وحشی بن گئے۔بستیوں کی بستیاں اجڑ گئیں کوئی عورت اپنے گھر میں محفوظ نہ رہی امان صرف ان لوگوں کے لئے تھی جو قلعے میں تھے سو کئی لوگ قلعے میں جان بچانے کی غرض سے آ گئے۔رات ہوتے ہی قلعے کے دروازے بند ہو جاتے پھر عورتوں کی چیخیں ہوتی یا قہقہے۔ شاہراہیں محفوظ تھیں نہ ہی کوئی ہر گزرتے قافلے سے مرد قتل اور عورتیں باندی بنا لی جاتیں۔کش کے ناظم تک شکایات پہنچ رہی تھیں اور وہ بھی حالات سے باخبر تھا۔ابن مقنع کی شرارتیں دیکھ کر بھی آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔وہ ابن مقنع کو اپنی حکومت کے لئے خطرہ نہیں سمجھ رہا تھا سو خاموش رہا۔

ابن مقنع نے دو قلعے مزید تعمیر کروائے ،ایک کا نام "وثیق" اور دوسرے کا نام " صیام" رکھا ۔صیام کے قلعے میں پہاڑی محل وقوع کا خیال رکھا گیا تھا۔یہ جگہ پر پیچ پہاڑیوں میں قائم کی گئی تھی۔کوئی معمولی فوج یہاں پہنچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔اس کی دیواروں کی تعمیر کے وقت خاص کیمیا گری کے جوہر دکھائے گئے تھے کہ ایسی دھاتیں پگھلا کر ڈالی گئیں تھی جن پر کسی بھی

قسم کے حملے کا اثر نہ ہو سکے۔

قلعے کی تعمیر کے بعد اسے آراستہ کیا گیا۔ اس میں جنت و دوزخ کے مناظر کو مدّ نظر رکھا گیا۔ ایک طرف باغات، نہریں اور حوریں تھیں تو دوسری جانب منکروں کو سزا دینے کے لئے آگ دھکائی گئی تھی۔ قلعہ کو غذائی اجناس سے بھر دیا گیا اور ابن مقنع خود وہاں منتقل ہو گیا۔ قلعہ فروکش کو لشکر کے لئے خاص بنا دیا گیا۔

اس عرصہ میں لوٹ مار کا بازار سرد ہو چکا تھا ابن مقنع اسے اپنے لوگوں کی نا اہلی سمجھ رہا تھا اس نے حالت غصہ میں انہیں طلب کیا اور لوٹ مار نہ کرنے کی وجہ دریافت کی۔

انہوں نے جواب دیا ہم تو جاتے ہیں پر کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ ابن مقنع نے کہا کہ تلواروں میں زنگ لگا ہے کیا اسے استعمال کیا کرو، یا کیا لوگ بہت بہادر ہو گئے ہیں کہ ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا؟ ابن مقنع کی فوج نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی بات درست نہیں دراصل قافلے ہوشیار ہو چکے ہیں اب دن کی روشنی میں نکلتے ہیں۔

ابن مقنع نے انہیں جانے کو کہا اور خود سوچ میں پڑ گیا کہ اس کا کیا حل نکالا جائے۔ کچھ ہی دیر میں اس کے عیار ذہن میں عیارانہ چال آ ہی گئی۔ اس نے اپنے لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ شاہراؤں سے ہٹ کر مساجد کی تعمیریں کرواؤ اور وہاں مؤذن بھی مقرر کرو نیز ایک ایک سرائے ہر مسجد سے فاصلے پر بھی بنواؤ۔ اس کے پیروکار حیرت زدہ رہ گئے اور پھر پوچھا کہ ہمارے دین میں نمازوں کا تو ذکر نہ تھا آپ ہی نے تو سب کچھ معاف کر دیا تھا۔

ابن مقنع نے جواب دیا کہ یہ سہولت تو تمہارے لئے خاص ہے، کیونکہ میں تمہارے سامنے ہوں اور تم نے میری رضا خرید لی ہے دوسروں کو تو مشقت کرنا ہی ہوگی۔

ابن مقنع نے دلیل دے تو دی پر پیروکاروں کو اس کی منطق سمجھ نہ آئی، لیکن جلد ہی یہ معمہ بھی

حل ہو گیا۔ مساجد کی تعمیر کے بعد ابن مقنع نے انہیں حکم دیا کہ اب یہاں سے جو قافلے گزریں اور مسجد دیکھ کر نماز کے آئیں تو انہیں مجبور کرو کے وہ سرائے میں قیام کریں اور پھر موقع دیکھ کر میرے پاس لے آنا خبر دار کہ خون کا ایک قطرہ بھی سرائے کے فرش پر نہ گرے۔ اس طرح لوٹ مار کا ایک نیا طریقہ وضع کیا گیا۔ جس میں کئی لوگوں کو جان سے ہاتھ اور وافر مال و دولت گنوانی پڑئی۔ خوبصورت خواتین کو وہ اپنی خواب گاہ کے لئے رکھ لیتا باقی کو پیرو کاروں کو بانٹ دیا کرتا تھا۔ ایک وقت آیا کہ یہ علاقہ پھر سے سنسان ہو گیا ابن مقنع اب مکمل طور پر ایک پر اسرار شخصیت بن چکا تھا جو چاہتا کر گزرتا تھا۔

اب اس نے مختلف بڑے بادشاہوں کے نام خطوط روانہ کئے جس کا خلاصہ کچھ یوں تھا:

" میں خدا ہوں یا خدا میری ذات میں منتقل ہو گیا ہے جیسے آدم کی ذات میں منتقل ہوا تھا پھر نوح کی ذات میں اور پھر ہر پیغمبر کی ذات میں، اسی لئے میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہوں، اب کوئی پیغمبر نہیں آئے گا اس لئے میں خود آ گیا ہوں۔ میں زمین پر بطور انسان ہوں اس لئے میری کچھ ضروریات بھی ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ مجھے خدا تسلیم کریں اور میری ذات کے لئے نذرانے بھیجئے۔ اور اگر نہ بھیجے یا کچھ گستاخی کی تو زمہ داران خود ہو گے کیونکہ میرا یعنی خدا کا عذاب بہت برا عذاب ہے اس سے پہلے وقتوں میں پہلی قوموں پر جو عذاب جاری کیے تھے میں نے اب بھی کردونگا لہذا سمجھداری اسی میں ہے کہ میری اطاعت قبول کی جائے۔

ہاشم جب تمام بادشاہوں کو خط لکھ بیٹھا تو اسے یاد آیا کہ خلیفہ بغداد کو تو خط ہی نہیں بھیجا۔ اس نے خصوصی خلیفہ بغداد کے لیے خط لکھوایا۔

خلیفہ بغداد کو جب یہ خط موصول ہوا پہلے تو اسے بے اختیار ہنسی آئی لیکن پھر اسے جلد ہی فتنے کا احساس ہوا کہ شروع میں نظر انداز کر کے غلطی کی تبھی تو مجھے للکارا گیا۔

دوسری جانب ابن مقنع کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس پر چڑھائی ضرور ہو گی اس نے اپنے مقربین کو جنہیں فرشتوں کا درجہ دیا جا چکا تھا طلب کر کے آگاہ کر دیا کہ ہم پر حملہ ہونے والا ہے تم سب مل کر ان سے جنگ کرو گے اور خیمہ نصب ہونے سے پہلے ہی انہیں شکست دے دو گے اور یہی تمہارا جہاد ہو گا۔ یاد رکھو تم میں سے جو شہید ہوں گے میں انہیں دوبارہ زندہ کر دوں گا اس لئے مرنے سے نہ ڈرنا۔

خلیفہ بغداد نے ابن مقنع کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا اور ایک مختصر سی فوج اس پر حملہ کرنے کو بھیج دی۔فوج دشوار گزار راستوں سے ہوتی جب ماوراالنہر پہنچی تو بری طرح تھک چکی تھی خیمے نصب ہو ہی رہے تھے کہ اس پر ابن مقنع کی فوج نے حملہ کر دیا۔ تھکن کے باوجود اسلامی لشکر بڑی بہادری سے لڑے،ان کے دلوں میں جذبہ تھا کہ وہ مرتدین سے جنگ کر رہے ہیں،دوسری جانب ابن مقنع کی فوج کو مرنے کا خوف نہ تھا کہ وہ ابن مقنع کے وعدے کے مطابق مر بھی گئے تو دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ بڑی خوفناک جنگ شروع ہوئی جس میں آخر کار ابن مقنع کی فوج ہی کو فتح نصیب ہوئی۔ یوں ابن مقنع کی پیشن گوئی درست ہوئی اور سوئے اتفاق جو لوگ مارے گئے ان کی بیویاں حاملہ تھیں سو مشہور ہوا کہ مارے گئے دوبارہ پیدا ہونے والے ہیں۔ابن مقنع کی فوج میں جوش و جذبہ مزید بڑھ گیا۔

خلافت عباسیہ کے باغیوں کی بڑی تعداد میں بخارا اور دوسری جگہوں پر موجود تھی لیکن عباسیوں کے مقابلے میں عاجز تھی۔ابن مقنع کی جنگ میں فتح کا سن کر عباسیوں کا ایک وفد ابن مقنع سے ملاقات کے لئے آیا ابن مقنع کی نئی قوت اور عباسی مل کر مہدی کے خلاف محاذ کھول دیں۔

وفد کو ملاقاتی کمرے میں بھیجا گیا جہاں داخل ہوتے ہی انہیں خوشبو نے انہیں مسحور کر دیا

، پھر کمرا دھویں سے بھر گیا کچھ دیر میں دھواں چھٹا تو کرسی پر ایک پستہ قد چہرے پر سنہری نقاب پہنے ایک شخص برآمد ہوا۔ یہی ابن مقنع تھا، جس نے بلند اور بارعب آواز لگائی: " نادان مسلمانو! اپنے خدا کو سجدہ کرو"

وفد میں سے کسی ایک نے جواب دیا کہ ہم یہاں یہ تسلیم کرنے نہیں آئے ہیں کہ ہم نے آپ کو خدا تسلیم کرلیا ہے بلکہ ہم آپ کی دنیاوی طاقت کے قائل ہو کر آپ کو مبارکباد دینے آئے ہیں کہ آپ نے خلیفہ مہدی کی فوج کو شکست دی، کیونکہ ہم نے اس سے بغاوت کی ہے، وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔

ابن مقنع نے پوچھا کہ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ جواب میں وفد نے کہا کہ آپ کی مدد چاہتے ہیں، ہم اور آپ مل کر خلیفہ مہدی کا مقابلہ کریں گے تو فتح ہمارا ہی مقدر ہوگی۔

ابن مقنع نے کہا کہ اس کے لئے آپ لوگوں کو مجھ پر ایمان لانا ہوگا، مجھے خدا تسلیم کرنا ہوگا۔

وفد میں سے کسی نے کہا کہ آپ اگر خدا ہوتے تو بناء جنگ کئے ہی جنگ جیت جاتے، یوں دنیاداروں کی طرح تلواروں کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

ابن مقنع نے بھی جواباً کہا کہ یہ تو وہی بات ہوئی کہ میں حکم دیتا اور دنیا گناہوں سے پاک ہو جاتے، تو نبی اور پیغمبر کیوں بھیجتا؟ مجھے کوئی کام کرنا ہو تو میں ذریعہ بناتا ہوں۔

عباسی وفد کوئی بحث کرنے نہیں آیا تھا مبارکباد دی اور اپنی پیشکش سامنے رکھی سو دیگر باتوں سے اختلاف کی وجہ سے ابن مقنع کو ان باتوں روک دیا، اور تعاون کی بات پر آ گئے۔

جو شہر ہم فتح کریں گے آدھے آدھے بانٹ لیں گے، یہی حالت مال غنیمت کی ہوگی۔ جواباً ابن مقنع نے بھی شرط رکھی کہ مجھے خدا تسلیم کرو یا نا کرو لیکن کسی کو میرے خلاف ورغلاؤ گے نہیں۔

وفد نے کہا ہم اپنے کام سے کام رکھیں گے۔

دوسری جانب خلیفہ وقت مہدی نے اپنے وزیر معاویہ بن عبداللہ کو طلب کر لیا کہ اسے اس ملاقات کی خبر پہنچ چکی تھی، اب اسے اندازہ ہوا کہ ابن مقنع کتنا طاقتور ہو گیا ہے اور افسوس ہوا کہ پہلے اس کی ٹھیک سے خبر کیوں نہ لی اب جب اقتدار خطرے میں نظر آیا تو فتنہ کی سرکوبی کا خیال آیا۔ معاویہ بن عبداللہ نے بھی اس کی رائے کی تائید کی، کہ ماوراالنہر سے بھی مسلسل خبریں آرہی ہیں کہ ابن مقنع برابر دین اسلام کا چہرہ مسخ کر رہا ہے۔

خلیفہ مہدی نے زید بن یحیٰی کو حکم دیا کہ وہ لشکر تیار کرے اور اس فتنے کو کچل دے۔ زید بن یحیٰی نے اسے جہاد قرار دیا اور لشکر تیار کر کے روانہ ہوا۔ وہ راستے ہی میں تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ خلیفہ نے ایک اور لشکر بخارا کی طرف روانہ کیا ہے جس باغیوں کی سرکوبی کا ذمہ دیا گیا تھا اس کی سپہ سالاری زید بن یحیٰی کا بھائی جبریل بن یحیٰی کر رہا تھا۔ یہ ایک دانشمندانہ فیصلہ تھا کہ اس سے بخارا کے باغی ابن مقنع کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے تھے کیونکہ راستہ میں جبریل کا لشکر موجود تھا اور اور ابن مقنع کا لشکر بخارا پہنچ نہیں سکتا تھا کہ راستے میں زید کا لشکر موجود تھا۔

بخارا کے باغی ابن مقنع کا انتظار کرتے رہ گئے اور اور جبریل کی فوج نے ان کا محاصرہ کر لیا ان کے انتظار کر 4 ماہ بیت گئے مگر کوئی مدد نہ پہنچ سکی بالآخر انہیں بھاگ کر روپوش ہونا پڑا۔

دوسری جانب زید کی فوج نے ابن مقنع کی تیار کردہ سرایوں کو مسمار کر دیا اور مساجد میں اپنے آدمی بٹھا دیئے کہ وہ ابن مقنع کا مقتل گاہ بنا ہوا تھا۔ آگے بڑھا تو وہ حیران رہ گیا کہ پورا علاقہ ابن مقنع کے پیروکاروں سے بھرا ہوا تھا۔ لوگ گروہ در گروہ باہر سے آتے اور اسلامی لشکر پر حملہ کرتے جو گرفتار ہوتے وہ یہی جواب دیتے کہ ابن مقنع ہمارا خدا ہے ہم اس کے پرستار ہیں۔

زید پوچھا کہ یہ کیسا خدا ہے جو راہزنی کی تعلیم دیتا ہے؟ جواب ملتا کہ یہ تو جہاد ہے اور مال غنیمت ہمارا حق ہے۔ زید کہتا کہ اسلام تو یہ نہیں سکھاتا جو اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

وہ کہتے یہ سب تو تم ابن مقنع سے ہی پوچھو۔زیدان کو قتل کر دیتا یا وہ توبہ کرتے تو چھوڑ دیئے جاتے۔

زید بن یحیٰی کی فوج لڑتے لڑتے قلعہ صیام تک پہنچ گئی اور مورچہ باندلیا تو اسے مزید متعجب ہوا جب دیکھا کہ ابن مقنع کی فوج بغیر جنگ حکمت عملی کے بھیڑ بکریوں کی طرح قلعے سے باہر آ گئی اور ان کی بہادری قابل دید تھی کچھ دیر کے لئے مسلمان فوج بھی سراسمیہ ہو گئی کہ کن وحشیوں سے پالا پڑ گیا۔زید بن یحیٰی نے جب یہ صورتحال دیکھی تو خود گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کے قلب میں پہنچ کر تقریر شروع کی کہ "بہادرو۔۔۔!! یہ جہاد ہے، جہاد کرنے والے پیچھے نہیں ہٹتے ،تمہارا دشمن بہادر نہیں ، بے وقوف ہے،ابن مقنع جنگی چالوں سے بالکل ہی بے خبر ہے اگر اس میں سوجھ بوجھ ہوتی تو اپنے لوگوں کو یوں موت کے منہ میں نہ دھکیل دیتا اب تمہارا کام ہے کہ اسے اس کی بے وقوفی کی سزا دہ۔" تقریر نے کام کر دکھایا۔دیکھتے ہی دیکھتے ابن مقنع کے آدمی گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے۔یہ صورتحال دیکھ کر ابن مقنع کے آدمی واپس قلعے میں چلے گئے۔

قلعے میں جانے کے بعد ان لوگوں نے آپس میں سرگوشیوں میں ابن مقنع کی خدائی پر انگلیاں اٹھانا شروع کر دیں کہ یہ کیسا خدا ہے کہ ہم وہاں کٹ مر رہے تھے اور اس نے ہماری مدد نہ کی اور نہ ہی کوئی فرشتے ہمارے مدد کو بھیجے ، اگر ہم قلعے میں بروقت واپس نہ آ جاتے تو ہم سب ہی مارے جاتے۔

ابن مقنع ایسی جگہ بیٹھا تھا کہ جہاں چاند کی چاندنی براہ راست اس پر اس انداز سے پڑ رہی تھی کہ ماحول پر آسیبی ہو رہا تھا، جنگ میں شکست پر وہ بہت آرزدہ اور غضبناک ہو رہا تھا۔اپنے ماننے والوں کی یہ باتیں سن کر مزید بھڑک اٹھا۔

تم لوگوں کو معلوم ہے کہ تم نے کیا کیا ہے؟ کتنی شرمناک حرکت کی؟ قلعے میں بھاگ کر کیوں آ گئے؟

جواباً انہوں نے کہا کہ اے رب کائنات، ہم اگر واپس نہ آتے تو مارے جاتے۔

کیا تمہاری پشت پر میں نہ تھا؟ اگر کچھ دیر اور ثابت قدم رہتے تو میں خود اپنے فرشتوں کے ساتھ آنے ہیوالا تھا مگر تمہاری بزدلی نے تمہارے حوصلے توڑ دیئے۔

وہ بڑے نادم ہوئے اور معافی مانگی اور کہا کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا جو آپ کہیں گے وہی ہم کریں گے۔

کیا حکم دوں تم کو چھوٹی سی جنگ سے تم دل چھوڑ بیٹھے تم کیا شہادت کا درجہ پاؤ گے،، اب جو جنگ ہوگی وہ اصل جنگ ہوگی، میرے فرشتے آسمان سے آنے والے ہیں وہ تمہیں دکھائی نہ دیں گے پر تمہارے شانہ بشانہ لڑیں گے۔

مریدوں نے شکریہ ادا کیا ورد بے پاؤں واپس چلے گئے۔ ابن مقنع جانتا تھا کہ اس کا قلعہ نا قابل تسخیر ہے چاروں جانب خندقیں اور گہرے کھڈے ہیں چاہے کچھ بھی کرلیں وہ قلعہ میں داخل نہ ہو سکیں گے اور موسم کی خرابی کے باعث بیماری اور لاچاری سے سوائے پاس جانے کے کوئی چارہ ہی نہ رہے گا، اور تب تک شائد باغی بھی اس کی مدد کو پہنچ جائیں اور مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑے رات ہو چکی تھی آسمان پر دو چاند نمودار ہو گئے۔ اسلامی فوجوں میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ کون سی آسیبی جگہ ہے جہاں آسمان پر دو چاند نمودار ہوتے ہیں اور مزید یہ کہ ایک چاند ابتدائی دنوں کا جبکہ دوسرا چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ خود زید بن یحیٰی بھی حیران تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ تمام رات مسلمان فوجوں نے استغفار میں گزار دی۔

صبح ہوئی تو فوج میں سے کچھ کو حقیقت جاننے کے لئے مقامی آبادی بھیجا گیا وہ جو خبر لائے

عجیب تھی کہ یہ تو ابن مقنع نے ان پر مہربانی کی ہے اور وہ سب اس کو اپنا خدا تسلیم کرتے ہیں کہ وہ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے۔

اسلامی فوج میں چند سپاہیوں کی عقل حیران تھی کہ وہ ابن مقنع کو کیا سمجھیں جادوگر یا خدا؟ جادوگر سمجھیں تو بھی وہ ہلاک کر دے گا اور خدا ہوا تو اور بھی برا ہے۔خدا ہونے کی بات انہیں ہضم نہیں ہو رہی تھی اور سب بالآخر اسے جادوگر مان چکے تھے۔دن پر دن اور راتیں گزرتی جاری تھی فوجوں کے حوصلے ختم ہوتے جا رہے تھے وہ اسے بھی جادو ہی گردانے لگے تھے۔

زید بن یحیٰی اپنے ساتھیوں کی بے دلی کو محسوس کر چکا تھا مگر وہ جان چکا تھا کہ وہ جادو نہیں ہے پر مشکل یہ تھی کہ وہ کیسے سمجھائے اپنے لشکر کو کہ نہ وہ جادوگر ہے اور نہ ہی خدا۔شائد وہ بھی اسے ایک پراسرار شخصیت تسلیم کر چکا تھا۔محاصرہ ہفتوں تک جاری رہا اور کوئی تبدیلی دیکھنے میں نہ آئی۔

وہاں خلیفہ مہدی کے وقائع نویسوں نے اطلاع دی کہ زید کی فوج ابن مقنع پر قابو پانے میں ناکام رہی ہے مہدی کے ماتھے پر بل آ گئے اور پریشانی بھی لاحق ہوئی۔اس نے ابوعون نامی سپہ سالار کو وہاں روانہ کر دیا اور اب تک کے موصول حالات سے بھی اسے آگاہ کر دیا۔اس کے بعد دربار بغدار سے ناظم خراسان معاذ بن مسلم کا نام تجویز کیا گیا کہ ابن مقنع کے قلعے اسی کے علاقہ جات میں آتے تھے۔اور وہ ان علاقوں اور وہاں موجود اقوام سے اچھی طرح واقف ہوگا یہی سوچ کر اس کے ساتھ عقبہ بن مسلم کو بھی ساتھ کر دیا گیا اجس کے ساتھ بڑی بھاری جمیعت تھی۔کچھ دنوں بعد ہی سعید حرشی کو بھی لشکر کا افسر اعلیٰ مقرر کر کے ان کے پیچھے روانہ کیا۔

سعید حرشی اب واقعہ مصیبت میں گھر چکا تھا سب قلعے فتح کرتے ہوئے بالآخر وہ قلعہ صیام تک تو آ گیا لیکن یہاں گہری خندقوں ،کھڈوں کو عبور کرنا دشوار ہو رہا تھا کوئی اسے پار کرنے کی

کوشش کرتا تو قلعہ سے تیروں کی بارش شروع ہو جاتی تھی۔وہ کھلے میدان میں خیمہ زن تھے جہاں ہر رات آسمان پر چمکتے دو چاند ابن مقنع کی ہیبت ان پر طاری کئے دے رہے تھے۔کئی مہینے گزر گئے مگر وہ ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ پائے تھے اسے بھی وہ جادو کا اثر قرار دینے لگے تھے۔رات کو سپاہی ایک جگہ جمع ہوتے تو ابن مقنع کے جادو ہی کی باتیں کرتے یہ اور قصے گھڑتے رہتے۔یہ سب صورتحال دیکھ کر سعید حرشی نے بڑی سیڑھیاں بنانے کا حکم دیا جن پر چڑھ کر وہ خندقیں عبور کر سکیں۔مہینوں کے بعد ایسی سیڑھیاں بنی تو اتفاق سے وہ بھی چھوٹی پڑ گئیں۔یہ تجربہ ناکام ہوا اور اسے بھی ابن مقنع کی جادوگری کے کھاتے میں ڈال دیا گیا۔

اسی اثناء میں بارشیں بھی ہوئیں جس سے خندقوں میں پانی بھی بھر گیا۔اس دن قلعے میں ابن مقنع کی خدائی کے نعرے گونجنے لگے۔ابن مقنع کے وہ پیروکار جو شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے تھے توبہ استغفار اور ابن مقنع سے معافی مانگنے لگے۔اور سجدے میں گر کر کہنے لگے رب کائنات تو ہمیشہ صحیح تھا کہ تو نے وعدہ کیا تھا دشمن ذلیل وخوار ہوں گے اور قلعے میں داخل نہ ہو سکیں گے،تو نے ان کی ہر تدبیر کو ناکام بنا دیا تو بڑا ہی عظیم قدرت والا ہے ان پر بارش برسا کر ان کے حوصلے توڑ ہی ڈالے۔

یہ سب سن کر ابن مقنع بہت خوش ہوا اور کہا سجدے سے سر اٹھا لو،میں نے سب کی خطائیں معاف کیں سب کو بخش دیا اب اٹھو اور جشن مناؤ۔کسی پر کوئی پابندی نہیں کوئی گناہگار نہیں ۔عنقریب میں مسلمانوں کو بیماری میں مبتلا کر دوں گا اور وبائیں بھیجوں گا جس سے فوج کے کئی لوگ لقمۂ اجل بن جائیں گے۔

اس رات قلعے میں ساری رات شیطان کا رقص جاری رہا۔ابن مقنع جانتا تھا بارش ہوئی ہے تو بیماریاں بھی ضرور پھیلیں گی اور ہوا بھی یہی جیسے ہی بارش ختم ہوئی خندقوں میں موجود پانی

سڑنے لگا ور اسلامی لشکر میں پیٹ کی خرابی اور بخار پھیل گیا۔ ابن مقنع کے آدمی فصیل سے یہ سب دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ دوسری جانب اسلامی فوج کے سپاہیوں میں بے دلی اتنی پھیلی کے کھل کر کہنے لگے کہ یہ بارش اور بیماریاں ابن مقنع کے جادو کا اثر ہے۔ اب ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ فوج کے کئی عہدے دار سعید حرشی کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ اور محاصرہ اٹھانے کی رائے پیش کی جس پر حرشی غصے میں ان پر برس پڑا اور کہا کہ مجھے بزدلی کا درس دینے کی ضرورت نہیں، محاصرہ ہر صورت جاری رہے گا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ عہدیدار مایوسی سے واپس چلے گئے تو حرشی نے سنجیدگی سے غور کیا اور پھر فیصلہ کیا کہ فوجوں کو پیچھے بلا لیا جائے۔ ابن مقنع کے حامیوں نے جب دیکھا فوجیں پیچھے ہٹ رہی ہیں تو خوشی سے بے حال ہو کر ابن مقنع کو خوشخبری سنائی۔ ابن مقنع نے شیطانی آواز میں ہنستے ہوئے کہا کہ تمہارا خدا کبھی جھوٹ نہیں بولتا ابھی دیکھو کیا کچھ ہوتا ہے یہ محاصرہ جلد ختم ہو جائے گا۔

سعید حرشی مسلسل خندقیں عبور کرنے کی ترکیبوں پر غور کر رہا تھا مگر کوئی راہ سوجھ نہیں رہی تھی۔ اس کے ساتھ معاذ بن مسلم اب بھی موجود تھا جسے حرشی کی حکمت عملی اب بھلی لگ رہی تھی کہ تمام قلعے ابن مقنع کی افواج سے پاک ہیں۔ جس کے باعث قلعے والوں کو باہر سے کسی مدد کی امید نہیں رہی۔ مگر تعجب اس بات پر تھا کہ آخر صیام قلعہ فتح ہوتا کیوں نہیں۔ ابن مقنع نے اتنا اناج بھر رکھا تھا کہ سال بھر بیٹھ کر آرام سے کھا سکتا تھا۔ جہاں حرشی کا عزم تعریف کے قابل تھا تو وہیں ابن مقنع کی چالاکیاں بھی داد دینے لائق تھیں۔

آخر کار معاذ بن مسلم اور سعید حرشی اس فیصلہ پر پہنچے کہ قلعے کو بڑے بڑے پتھروں سے پاٹ دیا جائے اور پھر قلعے میں داخل ہوا جائے مگر چونکہ یہ کام بے حد مشکل تھا کیونکہ خندق بے انتہا گہری تھی کہ اسے پاٹنا مذاق ہی لگتا۔ پر دونوں نے فیصلہ کیا فوج کو میدن میں پڑے رہنے

سے بہتر ہے اس کام پر ہی لگایا جائے ، یہ فضول سوچوں میں بیٹھے عجیب خیالات کا شکار ہوتے ہیں یہ شغل بھی رہے گا اور وقت بھی کٹے گا اس بہانے کبھی نہ کبھی خندق بھی بھر ہی جائے گی کہ واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حکم جاری ہونے کی دیر تھی کہ فوج کام میں جت گئی اور ساتھ ہی خلیفہ مہدی کو خط لکھ کر جانوروں کی کھالوں میں ریت بھر کر منگوائی گئی، یوں چھکڑوں اور گاڑیوں میں اناج کے ساتھ ساتھ ریت سے بھری کھالیں بھی ان کے پاس آنے لگیں۔

ابن مقنع کے ساتھی سپاہی یہ منظر دیکھ کر بدحواسی کے عالم میں ابن مقنع کے پاس گئے پتھروں اور ریت سے بھری کھالوں کا ذکر کیا ساتھ ہی ان کا نیا عزم وحوصلہ بھی بیان کیا، اور کہا کہ خداوند اس طرح تو ایک دن وہ ہمارے سروں پر آ کھڑے ہوں گے۔ ابن مقنع نے ان پر تیروں کی بارش کا حکم دیا تو انہوں نے کہا تیر بھی اب ختم ہی ہونے والے ہیں اور ہوا بھی مخالف ہے تیر وہاں تک پہنچ ہی نہیں پاتے راستے ہی میں گر جاتے ہیں۔ پتھر لڑھکاتے ہیں تو دوری کے باعث وہاں تک پہنچ نہیں پاتے۔

ابن مقنع نے کہاں انتظار کرو، وہ اپنی موت کے پاس آ رہے ہیں۔ پیروکاروں نے کہا کہ فرشتوں کو طلب کیوں نہیں کرتے کہ آئیں اور ہماری مدد کریں۔ ابن مقنع نے غصہ دکھایا اور کہا کہ تم کیوں بے وقوفوں والی بات کرتے ہو فرشتے عبادت کے لئے بنائے گئے ہیں نہ کہ جنگ کے واسطے۔ جنگ تو تمہیں خود کرنا ہوگی۔ ابن مقنع کے لشکر کے عہدے داروں نے کہا کہ ہمارے پاس صرف 30 ہزار سپاہی ہیں جبکہ مسلمانوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ ابن مقنع نے یاد دلایا کہ خدا تو تمہارے ساتھ ہے، تم ڈرتے کیوں ہو؟ انہوں نے ہارتے ہوئے پوچھا کہ ہمیں کب تلک انتظار کرنا ہوگا؟ ابن مقنع نے جواب دیا میں نے کہا نا کہ وہ خود ہلاک ہو جائیں گے، اگر

انتظار نہیں ہوتا تو جا کر جنگ کرو۔ میں تمہیں فرشتوں کی سی طاقت ودیعت کئے دیتا ہوں۔ فوج کے کمانڈر نے کہا کہ میں کیسے فوج کو ہلاکت میں ڈال سکتا ہوں۔ ابن مقنع نے یاد دلایا کیا میں نے تمہارے لئے آسمان پر چاند نہیں نکالا؟ اس نے جواب دیا وہ چاند روشنی دیتا ہے زندگی نہیں۔

ابن مقنع نے غصہ وجلال میں آکر کہا" تجھے اپنے خدا پر اعتماد نہ رہا، تو شیطان کے قابو میں ہے اب وہ تجھے جلد ہلاک کر دے گا۔" سب سہم گئے، زبانوں پر تالے لگ گئے۔ ایک انجانا سا خوف سب کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ اور پھر وہی ہوا کہ جو ابن مقنع نے کہا تھا ایک دن چند سپاہی کمانڈر کے گنبد نما کمرے میں گئے تو وہاں کمانڈر کی لاش زمین پر پڑی پائی گئی جو پھول کر کپا ہو چکی تھی گوشت جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا۔ لوگوں نے باتیں بنانا شروع کر دیں کہ ابن مقنع کا قہر نازل ہوا ہے کمانڈر پر کچھ جہاندیدہ لوگ پہچان گئے کہ یہ زہر دے کر ہلاک کی جانے والی موت ہے۔

کمانڈر جس قوم سے تعلق رکھتا تھا وہ نخشب کے قرب و جوار سے تعلق رکھتی تھی اور جنگجوئی و بہادری میں بے مثال تھی۔ کمانڈر کی موت پر وہ لوگ اشتعال میں آگئے اور بغاوت پر مصر ہو گئے۔ کچھ سمجھدار لوگوں نے حالات کا احساس دلا کر انہیں ٹھنڈا کیا اور رات ہونے کا انتظار کرنے کو کہا۔

رات ہوئی تو کئی بڑے سردار مل کر باغیچے میں گئے اور خفیہ مقام منتخب کر کے اجلاس شروع کیا اتنی احتیاط اس لئے کی تھی کہ ابن مقنع کے جاسوس پورے قلعے میں ہر جگہ آتے جاتے رہا کرتے تھے جس میں باغیچہ بھی شامل تھا۔ بات چیت شروع ہی ہوئی تھی کہ انہیں اندھیرے میں کوئی آتا دکھائی دیا۔ سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، کسی نے کہا کہ شائد خداوند کو ہماری موجودگی کا علم ہو گیا ہے اور اب ہماری خیر نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ خدا ہے اسے

کیسے خبر نہ ہوگی تم لوگوں نے مجھے بھی مروا دیا۔

سایہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک عورت تھی اور اتنی خوبصورت کہ اندھیرے میں اس کا چہرا چمک رہا تھا اور وہ دم بخود رہ گئے۔

اس عورت نے کہا۔ میں نیشاپور کی رہنے والی ہوں، قافلے کے ساتھ سفر کر رہی تھی کہ اس ظالم کے آدمیوں نے مجھے گرفتار کر کے قید کر لیا اور تب سے میں اس کی بیوی بنی ہوں، اور اسے خدا ہی سمجھ رہی تھی، مگر کل رات جب وہ میرے ساتھ خلوت میں تھا اور نشے میں بدمست تھا تو میں نے اس کا نقاب اتار دیا۔ اف میرے خدا کیا ہی بھیانک اور مکروہ چہرہ تھا اس کا اس سے پہلے میں نے اتنی بھیانک شکل کسی کی نہ دیکھی تھی۔ کچھ ہو یا نہ ہو پر وہ ہو خدا نہیں ہوسکتا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ نقاب اس لئے پہنتا ہے کہ ہم لوگ اس کے نور کی روشنی کی تاب نہیں لا سکتے جبکہ میں نے جو چہرہ اس کا دیکھا ہے وہ تو شیطانی چہرہ تھا۔ وہ خدا نہیں شیطان ہے۔ سب کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ اور اس کا منصوبہ ہے کہ وہ تم سب کو چھوڑ کر اچانک فرار ہو جائے گا۔

اس انکشاف کے بعد باتوں کا رخ ہی بدل گیا اب تو صرف اس سے نجات کی باتیں ہو رہی تھیں۔ کسی نے رائے دی کہ اسے قتل کر دیا جائے، مگر یہ ممکن نہ تھا کیونکہ اس کے جانثار ہر وقت اس کے آس پاس رہتے تھے۔ پھر یہ طے ہوا کہ اس کی بیویوں میں سے کوئی اسے قتل کر دے لیکن اس بیوی نے انکشاف کیا کہ ابن مقنع کے نزدیک شرم، بے شرمی، جائز یا ناجائز کوئی چیز نہیں ہے۔ بیویوں کے ساتھ خلوت میں بھی ہر وقت گرانڈیل جوان مسلح حالت میں موجود ہوتے ہیں۔

ابن مقنع کا کہنا ہے کہ وہ اس کے حکم سے دیکھتے ہیں اور اس کے حکم پر نابینا ہو جاتے ہیں۔ یہ مجھے اب سمجھ آیا کہ وہ دیکھتے بھی تھے اور سنتے بھی تھے۔ اپنی اس بے عزتی پر وہ عورت رونے

لگی۔

کھل کر لڑنے کی تجویز بھی آئی، پر اس طرح بہت خون خرابا ہونے کا اندیشہ تھا کہ وہاں سب ہی ابن مقنع کے حامی تھے ہر ایک سے جھگڑا کرنا پڑتا۔آخر طے پایا کہ کچھ دن خاموشی سے گزاریں گے شاید مسلمان غالب آجائیں تو ہم سپاہ کو لے کر باہر نکل جائیں گے اور قلعہ خالی کر کے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔

دوسرے دن ابن مقنع نے ہنگامی اجلاس طلب کیا اور ایک نیا کمانڈر منتخب کیا اتفاق سے یہ انہیں میں سے ایک تھا جو کل رات ہونے والے اجلاس میں موجود تھا اور ہتھیار پھینکنے کی تجویز اسی نے پیش کی تھی۔اب کام آسان ہوتا چلا جا رہا تھا۔ نیا کمانڈر مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔

ابن مقنع کے سپاہی دیکھ رہے تھے کہ مسلمان خندقیں پاٹنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور نہایت احتیاط اور مستعدی سے قلعے کی جانب بڑھتے چلے آرہے تھے اب ان کے حوصلے بھی بڑھ چکے تھے۔کسی کو اب کوئی شک نہیں تھا کہ اب قلعہ جلد ہی فتح ہو جائے گا۔کمانڈر نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ وہ مسلمانوں سے امان طلب کرنے باہر جا رہا ہے امان مل جائے تو قلعے کے دروازے کھول دینا اور سب کو لے کر باہر نکل آنا۔

قلعے کے باہر اللہ اکبر کے نعرے گونج رہے تھے جس سے ابن مقنع کو ہوش اڑے جا رہے تھے اس نے اپنی سو سے زیادہ بیویوں کو کہا کے یہ میرے سپاہی کسی کام کے نہیں ہیں میں ابھی فرشتوں کو بلا کر ان مسلمانوں کا خاتمہ ہی کر دیتا ہوں۔بیویوں نے کہا جلدی جایئے دیر کیوں کرتے ہیں اس نے کہا کہ تم سب کو بھی میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔اس نے بیویوں کو سمجھایا اب میں وہیں رہوں گا کہ یہاں کے لوگ بڑے بزدل ہیں۔تم میری بیویاں ہو میرے ساتھ ہی رہنا ،۔وہاں جا کر میں اپنا نقاب بھی اتار دوں گا اور تم سب میرا دیدار بھی کر سکو گی۔ پھر اس نے اپنے

جانثاروں کو کمرے سے باہر لے گیا اور انہیں ایک محلول دیا اور سب کو تھوڑا تھوڑا پینے کو کہا۔اس کے اثر سے تم نورانی مخلوق بن جاؤ گے۔اور کسی کو دکھائی نہ دو گے اگر مسلمان اندر بھی آ گئے تو تم لوگوں کو دیکھ نہ سکیں گے۔ یہ جانثار تعداد میں بیس کے قریب تھے۔اس کے بعد واپس بیویوں کے پاس آیا اور یہی محلول بیویوں کو بھی پلایا۔وہ سب اسی وقت مر گئیں۔ پھر وہ باہر آیا تو تمام جان نثار مر چکے تھے۔

کمانڈر سعید حرشی سے امان طلب کر کے آ چکا تھا۔اب اس کے سپاہی غیر مسلح ہو کر قلعے کے دروازے سے باہر جا رہے تھے۔ابن مقنع نے بھی نقاب اتارا اور مردہ چہروں میں سے ایک پر چڑھا دیا،اور باہر نکلنے والے ہجوم میں شامل ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے اس بدصورت شکل کو دیکھا ضرور پر پہچان نہ سکے ابن مقنع بھی مطمئن تھا کہ اس کے چہرے کو دیکھنے والوں میں سے کوئی بھی زندہ نہ تھا۔مگر وہ بھول چکا تھا کہ نیشاپور سے آنے والی ایک عورت جوان بیویوں میں شامل نہ تھی جنہیں وہ ابھی ہلاک کر آیا ہے۔وہ تو امان لینے والوں میں شامل تھی۔اس کی نظر ابن مقنع پر پڑی تو اس نے شور مچا دیا کہ یہی ہے ابن مقنع ،یہی ہے ابن مقنع ۔ابن مقنع نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن پکڑا گیا۔مسلمانوں نے اسے پکڑ کر سعید حرشی کے کے پاس لے جا رہے تھے کہ اس نے زہر کھا کر خود کو ہلاک کر لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بدن کا گوشت پھول کر پھٹنے لگا۔سعید حرشی کے پاس اسی حالت میں پہنچایا گیا تو اس نے کہا یہ بغداد لے جانے کی حالت میں نہیں ہے اور پھر تلوار نکال کر اس کا سر تن سے جدا کر لیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ زہر کا اثر چہرے پر نہیں ہوا تھا، ہاں مگر اتنا ہوا تھا کہ اس کا مکروہ چہرہ مزید مکروہ ہو گیا تھا۔

حرشی نے امان طلب سپاہیوں کو اجازت دی کہ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔اسلامی لشکر کی واپسی ہوئی تو ہاشم عرف ابن مقنع کا سر ان کے ساتھ تھا۔

اسلام کا مشاورتی نظام اہمیت اور طریقۂ کار

(ماہنامہ دارالعلوم ، شمارہ 8-9، جلد:98، اگست، ستمبر 2014ء، از: مفتی تنظیم عالم قاسمی)

انسان کو زندگی میں بیشتر ایسے امور پیش آتے ہیں جن میں وہ تذبذب کا شکار ہوجاتا ہے۔ کرنے اور نہ کرنے دونوں پہلوؤں پر اس کی نظر ہوتی ہے، وہ سردست یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ موجودہ حالات میں اسے کیا کرنا چاہیے؟ کام کے کس رخ کو اختیار کرنے میں اس کے لیے بھلائی اور ہدایت ہے؟ کشمکش کی اس صورتِ حال میں شریعت نے ہدایت دی ہے کہ ایسے تمام مواقع پر از خود فیصلہ کرنے اور اپنی عقل و دانش پر اعتماد کرنے کے بجائے متعلقہ کام کے ماہرینِ فن، اربابِ نظر اور ہمدرد و بہی خواہ افراد سے رائے معلوم کرلی جائے، پھر باہمی غور و فکر کے بعد جس جانب دل مائل ہو، اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اختیار کرلے، اس کو" مشورہ یا مشاورت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صالح، کامیاب اور پرامن زندگی گزارنے کے لیے مشاورتی نظام اپنانا از حد ضروری ہے، بلاشبہ مشورہ خیر و برکت، عروج و ترقی اور نزولِ رحمت کا ذریعہ ہے، اس میں نقصان و شرمندگی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا شَقِیَ عَبۡدٌ بِمَشُوۡرَۃٍ وَمَا سَعِدَ بِاسۡتِغۡنَاءِ رَأۡیٍ یعنی کوئی انسان مشورہ سے کبھی ناکام اور نامراد نہیں ہوتا اور نہ ہی مشورہ ترک کرکے کبھی کوئی بھلائی حاصل کرسکتا ہے۔ (قرطبی ۴/ ۱۶۱)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: مَاخَابَ مَنِ اسۡتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسۡتَشَارَ "جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہیں ہوا اور جس نے مشورہ کیا وہ شرمندہ نہ ہوا۔" (المعجم الأوسط للطبرانی: ۶۸۱۶)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے: اَلْمَشُوْرَۃُ حِصْنٌ مِنَ النَّدَامَۃِ وَ اَمْنٌ مِنَ الْمَلَامَۃِ" مشورہ شرمندگی سے بچاؤ کا قلعہ ہے اور ملامت سے مامون رہنے کا ذریعہ ہے۔"
(ادب الدنیاوالدین ۱/ ۲۷۷)

اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک انسان جب اپنی رائے پر عمل کرتے ہوئے کوئی کام کرتا ہے اگر اس میں ناکامی ہو جائے تو بہت سی زبانیں لعن طعن کرنے لگتی ہیں، ملامت کا ایک سلسلہ چل پڑتا ہے اور پھر بڑی ذلت محسوس ہوتی ہے؛ لیکن اگر مشورہ کے بعد کوئی کام کیا جائے تو عام طور پر اس میں ناکامی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ مشورہ کی برکت سے خیر کی راہیں کھول دیتا ہے اور اگر فیصلہ تقدیر کے سبب مشورہ کے تحت کیا ہوا کام بارآور اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکا تو بھی اس میں لوگوں کے سامنے شرمندگی اٹھانی نہیں پڑتی؛ اس لیے کہ اس میں صرف اسی کی عقل وفکر شامل نہیں ہے؛ بلکہ مختلف اربابِ نظر اور ماہرینِ فن کی رائیں اور عقلیں شامل ہیں، ملامت کس کس کو کی جائے اور ملامت کرنے والا بھی اپنی اصابتِ رائے کی ضمانت نہیں دے سکتا؛ اس لیے مشورہ میں دیگر اہم فائدوں کے ساتھ ایک بڑا فائدہ ملامت اور طعن وتشنیع سے نجات بھی بتایا گیا ہے، ایک شاعر مشورہ کی اسی افادیت کے پیشِ نظر کہتا ہے:

الرأیُ کَاللَّیْلِ مُسْوَدٌّ جَوَانِبُه
وَاللَّیْلُ لَایَنْجَلِی اِلّا بِالْاِصْبَاح
فَاضْمُمْ مَصَابِیْحَ آرَاءِ الرِّجَالِ اِلیٰ
مِصْبَاحِ رَأیِکَ تَزْدَدْ ضُوْءَ مِصْبَاح

"رائے تاریک رات کی طرح ہے کہ اس کے اطراف سیاہ ہیں اور رات کا اندھیرا بغیر صبح کے زائل نہیں ہوتا، لوگوں کی رائے کی مشعل کو اپنے چراغ کے ساتھ ملا لینے سے تیرے چراغ کی

روشنی زیادہ ہوجائے گی“

یعنی آدمی اپنی رائے سے ایک پہلو کو سمجھتا ہے؛ مگر جیسا کہ رات میں اگرچہ قریب کی چیز کا احساس وادراک ہوجاتا ہے؛ مگر ذرا فاصلہ کی چیز نظر نہیں آتی، اسی طرح تنہا اپنی رائے سے تمام پہلو روشن نہیں ہوتے، وہ برابر معرضِ خفاء میں رہتے ہیں؛ لیکن جب صبح ہوکر شب کی تاریکی زائل ہوجاتی ہے تو مشرق ومغرب، جنوب وشمال کی تمام چیزیں روشن ہوجاتی ہیں، اسی طرح جب اپنی رائے کے ساتھ دوسروں کی رائے کو ملالیا گیا تو گویا ایک چراغ کے ساتھ جس کی روشنی تھوڑی دور تک پھیلی ہوئی تھی، ہزاروں شمعوں کو روشن کردیا اور عالم کے نورانی ہوجانے سے خود اس کے چراغ کی روشنی بھی بڑھ گئی اور اطراف وجوانب کی سب چھوٹی بڑی چیزیں ظاہر ونمودار ہوگئیں۔

بعض بلغاء کا قول ہے:

مِنْ حَقِّ الْعَاقِلِ أَنْ يُضِيفَ الٰى رَأْيِه آرَاءَ الْعُقَلَاءِ، يَجْمَعُ الٰى عَقْلِه عُقُوْلَ الْحُكَمَاءِ فَانَّ الرَّأْيَ الْفَذَّ رُبَّمَاا ذَلَّ وَالْعَقْلَ الْفَرْدَ رُبَّمَا ضَلَّ

”عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ عقلاء کی رائے کا اضافہ کرے اور اپنی عقل کے ساتھ حکماء کی عقل کو جمع کرے؛ کیوں کہ اکیلی رائے بسا اوقات ذلیل ہوتی ہے اور پھسل جاتی ہے اور تنہا عقل بسا اوقات گمراہ ہوجاتی ہے“۔

ظاہر ہے کہ اپنی عقل کے ساتھ جب دیگر عقلوں اور اپنے تجربہ کے ساتھ دیگر تجربات کو ملالیا جائے تو اس میں استحکام پیدا ہوگا اور غلطی کا امکان کم ہوجائے گا، خواہ وہ عقلیں اپنے تئیں ناقص ہی کیوں نہ ہوں؛ چوں کہ مشورہ میں شریک افراد بڑی مشقتوں سے حاصل کیے ہوئے تجربات کی روشنی میں رائے دیتے ہیں؛ اس لیے مشورہ کرنے والے کو اہم اور قیمتی باتیں مفت مل جاتی ہیں جن کو اگر وہ خود حاصل کرنا چاہے تو زندگی ختم کرکے بھی حاصل ہونا یقینی نہیں ہے؛ اسی لیے

حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: تجربہ کار تجھ کو وہ رائے دیتا ہے جو اس کو نہایت گراں قیمت پر ملی ہے یعنی نہایت مشقت و تحملِ مصائب کے بعد حاصل ہوئی ہے اور تو اس کو مفت بلا تعب اڑا تا ہے۔ (اسلام میں مشورہ کی اہمیت از مفتی محمد شفیع ۶۱ تا ۶۳)

حضرت علی کا یہ قول بھی کتنا جامع ہے:

اَلْاِسْتِشَارَۃُ عَیْنُ الْھِدَایَۃِ وَ قَدْ خَاطَرَ مَنِ اسْتَغْنٰی بِرَأْیِہٖ۔ (المدخل: ۴/۲۸)

مشورہ عین ہدایت ہے اور جو شخص اپنی رائے سے ہی خوش ہو گیا وہ خطرات سے دو چار ہوا۔

خلاصہ یہ کہ مشورہ ایک مہتم بالشان امر ہے، رشد و ہدایت اور خیر و صلاح اس سے وابستہ ہے؛ جب تک مشورہ کا نظام باقی رہے گا، فساد اور ضلالت و گمراہی راہ نہیں پا سکے گی، امن اور سکون کا ماحول رہے گا، یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے حُکّام تم میں سے بہترین آدمی ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوا کریں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لیے بہتر ہے اور جب تمہارے حُکّام بدترین افراد ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے اندر دفن ہو جانا تمہارے زندہ رہنے سے بہتر ہوگا۔" (روح المعانی: ۷/۵۳۱)

دنیا کے حالات پر جن کی نظر ہے وہ اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ دنیا میں جتنے بھی دینی و ملی ادارے چل رہے ہیں، ان میں جن کا نظام مشورہ سے مربوط ہے، ان کے تمام امور مستحکم اور پائیدار ہیں اور وہ تمام داخلی و خارجی فتنے و فساد سے پاک ہیں؛ لیکن جب کسی ادارے یا حکومت کو خاندانی یا وراثتی نظام پر چلایا جاتا ہے کہ پہلے باپ حکمراں تھا تو محض اس بنیاد پر بیٹا اس کا اہل قرار پائے اور یہی سلسلہ چلتا رہے تو پھر یاد رکھنی چاہیے کہ یہ حکومت دیر پا نہیں ہوتی، ہزار طرح

کے مسائل وہاں جنم لیتے ہیں اور ایک دن پورا شہر فتنہ وفساد کے لپیٹ میں آجاتا ہے، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں حکمرانی کا یہی طریقہ رائج تھا، اسی وجہ سے وہاں ہر گھر، ہر خاندان، ہر قبیلہ الگ الگ خانوں میں منقسم ہوگیا تھا فتنہ وفساد کا ایک سیلاب تھا، جس پر کوئی بندش نہیں تھی، لوگوں کو کسی گرفت کا احساس نہیں تھا؛ اس لیے جو شخص جو چاہتا کرتا تھا اور پھر یہیں سے زنا کاری، شراب نوشی، ڈاکہ زنی، لوٹ کھسوٹ، قتل وغارت گری، جیسے ہزاروں جرائم وجود میں آئے اسلام نے اس طریقہ کو مٹا کر مشاورتی نظام قائم کیا، مختلف نوعیتوں سے مشورہ کی اہمیت بیان کی گئی؛ بلکہ اس کو مسلمانوں کا وصف خاص قرار دیا گیا۔ ارشاد باری ہے:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ (شوریٰ:۳۸)

"ایمان والے وہ ہیں جنھوں نے اپنے رب کے حکم کو مانا، نماز قائم کی اور ان کے کام باہم مشورہ سے ہوتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اسے خرچ کرتے ہیں۔"

اس آیت میں مسلمانوں کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں، ان میں ایک وصف باہمی مشورہ بھی ہے یعنی کسی اہم معاملہ کو آپسی رایوں کے ذریعہ حل کیا جانا کامل اور پختہ ایمان مسلمانوں کی صفت ہے، اطاعتِ خداوندی اور اقامتِ صلوٰۃ کے بعد فوری طور پر مشورہ کے معاملہ کو بیان کرنے سے اس کی غیر معمولی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور بالخصوص خلفاء راشدین نے مشورہ کو اپنا معمول بنایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مشورہ کا حکم دیا تھا ارشاد ہے:

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔" (اٰل عمران: ۱۵۹)

اے نبی! آپ معاملات اور متفرق امور میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا کیجیے۔"

بظاہر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی حاجت نہیں تھی؛ کیوں کہ آپ کے لیے وحی کا دروازہ کھلا ہوا تھا، آپ چاہتے تو وحی کے ذریعہ معلوم ہوسکتا تھا کہ کیا اور کس طرح کرنا چاہیے؟ اسی لیے مفسرینِ کرام نے یہاں بحث کی ہے کہ حکمِ مشورہ سے کیا مراد ہے۔ حضرت قتادہ، ربیع اور دوسرے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ صحابہ کرام کے اطمینانِ قلب اور ان کو وقار بخشنے کے لیے یہ حکم دیا گیا تھا؛ اس لیے کہ عرب میں مشورہ اور رائے طلبی باعثِ عزت و افتخار تھا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

فَقَالَتْ طَائِفَةٌ ذٰلِکَ فِيْ مَکَائِدِ الْحُرُوْبِ وَ عِنْدَ لِقَاءِ الْعَدُوِّ وَ تَطَیُّباً لِنُفُوْسِهِمْ وَرَفْعاً لِأَقْدَارِهِمْ وَ جَأَلُّفًا عَلٰی دِیْنِهِمْ (قرطبی ۴/۱۶۱)

حقیقت یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ اگر چہ بہت سے امور میں آپ کی رہنمائی کردی جاتی تھی؛ مگر بعض حکمت اور مصالح کے پیشِ نظر چند امور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا، ان ہی مواقع میں آپ کو صحابہ کرام سے مشورہ کا حکم دیا گیا؛ تاکہ امت میں مشورہ کی سنت جاری ہوسکے اور لوگ یہ سمجھیں کہ جب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل فہم وبصیرت ہونے کے باوجود مشورہ کا حکم دیا گیا تو پھر ہم اس کے زیادہ محتاج اور ضرورت مند ہیں؛ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اَمَّا انَّ اللهَ وَ رَسُوْلَه لَغَنِیَّا عَنْهَا وَلٰکِنْ جَعَلَهَا اللهُ تَعالٰی رَحْمَةً لِأُمَّتِيْ''
(الدر المنثور: ۴/۳۵۹)

یعنی یاد رکھو! کہ اللہ اور اس کے رسول مشورہ سے بالکل مستغنی ہیں؛ لیکن خدا تعالیٰ نے اس کو امت کے لیے رحمت کا سبب بنایا ہے۔

''وَ اِنَّمَا أَرَادَ أَنْ یُعَلِّمَهُمْ مَّا فِي الْمُشَاوَرَةِ مِنَ الْفَضْلِ وَلِتَقْتَدِيَ بِه أُمَّةٌ

مِّنۡ بَعۡدِہٖ''

''اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے ذریعہ مسلمانوں کو مشورہ کی فضیلت کا سبق سکھانے کا ارادہ کیا ہے؛ تاکہ آپ کے بعد آپ کی امت اس کی پیروی کریں'' (قرطبی: ۲/۱۶۱)

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشورہ کرنے والا کسی کونہیں پایا یعنی آپ ہر قابلِ غور معاملہ میں اپنے صحابہ سے مشورہ کرکے ہی کوئی فیصلہ فرماتے، مثلاً: بدر کی لڑائی سے فراغت ہوچکی تو آپ نے اسیرانِ جنگِ بدر کے بارے میں صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ ان کو معاوضہ لے کر رہا کردیا جائے یا قتل کیا جائے یا، مثلاً: غزوۂ اُحد کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا مدینہ شہر کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے یا شہر سے باہر نکل کر۔ عام طور سے صحابہ کرام کی رائے باہر نکلنے کی ہوئی تو آپ نے اس کو قبول فرمایا۔ غزوۂ خندق میں ایک خاص معاہدہ پر صلح کرنے کا معاملہ درپیش ہوا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کو مناسب نہیں سمجھا؛ اس لیے ان دونوں نے اختلاف کیا آپ نے ان دونوں کی رائے قبول کرلی، حدیبیہ کے ایک معاملہ میں مشورہ لیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر فیصلہ فرمادیا، قصۂ اِفک میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا، اسی طرح اذان کی بابت بھی اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کہ نماز کی اطلاع دینے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جن امور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکمت کی بناء پر کسی خاص جانب رہنمائی نہ کی جاتی، ان میں صحابہ کرام سے آپ مشورہ فرماتے، اس میں ان لوگوں کے لیے جو مشورہ کو کھیل اور لغو کام سمجھتے ہیں یا جن کو مشورہ لینے میں عار اور خفت محسوس ہوتی ہے؛ حالانکہ مشورہ طلب کرنے میں ہی عزت ہے، مشورہ کرنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا، اگر کامیاب ہوجائے تو اس کی مدح کی جاتی ہے اور اگر مشورہ کے بعد بھی کامیابی نہ ملی تو اسے معذور سمجھا جاتا

ہے؛لیکن اگر مشورہ کیے بغیر کوئی کام کیا گیا اور کام نہیں بن سکا تو پھر اس کی ذلت ہی ذلت ہے، ہزار لوگ اس کو طعن و تشنیع کریں گے اور مختلف باتیں اس کو سننے کے لیے اس کو تیار رہنا ہوگا۔

تخلیق آدم علیہ السلام کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اس کا تذکرہ کیا تھا اور ان کی رائے معلوم کی تھی جس کی تفصیل (سورہ بقرہ آیت ۳۰) کے ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے، اس سے درحقیقت فرشتوں سے مشورہ طلب کرنا مقصد نہیں تھا؛ بلکہ انسانوں کے دل و دماغ میں مشورہ کی اہمیت پیدا کرنا مقصد تھا کہ خالق کائنات کے اس عمل کو پوری کائنات میں طریقہ بنایا جائے؛ مگر افسوس! کہ آج دیگر اعمالِ خیر کی طرح مشورہ کی سنت بھی ہماری زندگی اور معاشرہ سے رخصت ہوگئی جس کے بھیانک نتائج ہمارے سامنے ہیں، ساری محنتوں مشقتوں اور کوششوں کے باوجود ناکامی ہمارے حصہ میں ہے، ہر طرف انفرادی اور اجتماعی جگہوں میں خلفشار اور انتشار پایا جاتا ہے بسا اوقات ناکامی اور نقصان کے بعد مشورہ نہ کرنے پر افسوس بھی ہوتا ہے؛ مگر اب کیا حاصل؟ ضرورت ہے کہ اہم اور قابلِ غور مسائل میں کام کے آغاز سے پہلے ہی مشورہ کو اپنا معمول بنایا جائے؛ تاکہ محنتیں بارآور اور نتیجہ خیز ثابت ہوں، یقینا مشورہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بھی ہے اور ہزار دینی و دنیوی فائدے بھی، کاش! امتِ مسلمہ کی زندگی اور معاشرہ میں مشورہ کی سنت جاری ہو جائے۔

مشورہ کے امور:

لیکن اب سوال یہ ہے کہ مشورہ کہاں اور کن چیزوں میں کیا جائے؟ اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہیے کہ جن امور میں شریعت کا فیصلہ متعین ہے کہ یہ چیز فرض ہے یا واجب ہے یا حرام یا مکروہ ہے، ان امور میں مشورہ کی ضرورت نہیں؛ بلکہ جائز بھی نہیں ہے، جیسے کوئی شخص یہ مشورہ کرے کہ

نماز پڑھے یا نہیں، زکوٰۃ دے یا نہیں، حج کرے یا نہیں، یہ چیزیں مشورہ کی نہیں ہیں، ان کے لیے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم متعین ہے کہ ان کا کرنا ہر حال میں ضروری ہے یا اسی طرح جن چیزوں کو شریعت نے منع کیا ہے، جیسے زنا کاری، شراب نوشی، ڈاکہ زنی وغیرہ ان میں بھی مشورہ کی حاجت نہیں، ان سے تو بہر حال رکنا لازمی ہے؛ البتہ طریق کار کے بارے میں مشورہ کیا جا سکتا ہے، جیسے حج میں جانے کے لیے مختلف راستے ہیں، بعض پُراَمن ہیں اور بعض میں خطرہ ہے، تو اس موقع پر تجربہ کار افراد کی رائے معلوم کی جاسکتی ہے کہ ان مختلف راستوں میں اس کے لیے کون سا راستہ بہتر ہوگا، یا اسی طرح ایک شخص مریض ہے اس کو تردد ہے کہ مجھ کو اس حالت میں تیمم کی اجازت ہے یا نہیں، اس بارے میں اطباء یا تجربہ کاروں سے مشورہ کرسکتا ہے، اسی طرح وہ احکام ومسائل جن کے بارے میں قرآن وحدیث، اقوالِ صحابہ یا سلف کی کتابوں میں کوئی صراحت نہیں ہے، جدید اور نئے زمانہ سے ان کا تعلق ہے، ان میں مشورہ کرنا نہ صرف جائز؛ بلکہ اربابِ فقہ اور صاحبِ نظر علمائے دین سے ان کے بارے میں پوچھنا اور حکمِ شرعی معلوم کرنا واجب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حکم صراحتاً قرآن میں نازل نہیں ہوا اور آپ سے بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد ہم نے نہ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے کام کے لیے اپنے لوگوں میں سے عبادت گزار فقہا کو جمع کرو اور ان کے مشورہ سے اس کا فیصلہ کرو، کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔ (معارف القرآن: ۲/ ۲۲۰)

دینی امور کے علاوہ معاشی، معاشرتی، سماجی، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں بھی مشورہ کو اپنانا چاہیے، جہاں شریعت، عقل وعادت کے اعتبار سے کوئی

جانب متعین ہو اور نہ ہی اس کا نافع ہونا یقینی ہو، امورِ طبعیہ جیسے بھوک اور پیاس کے وقت روٹی کھانا یا پانی پینا، اس میں مشورہ کرنے اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مجھے بھوک لگی ہے کھانا کھانا چاہیے یا نہیں؟ عام حالات میں یہ سوال حماقت ہے، ہاں بیماری کے وقت یا اس کے ذرائع اور طرق یا مختلف اغذیہ اور اشربہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں اگر کسی کے اندر خطرہ کا احتمال ہو تو مشورہ کرنا مستحسن یا ضروری ہوگا۔ یہاں اس پہلو پر بھی نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشورہ کی ترغیب اور ہدایت تو دی ہے؛ مگر اپنی رحمتِ عامہ کی بناء پر چند مخصوص جگہوں کے علاوہ انسان کو مقید نہیں کیا کہ کوئی معاملہ بلا مشورہ کر ہی نہ سکے، بسا اوقات اہم معاملات پیش آتے ہیں اور ایک تجربہ کار انسان کو اس کے انتظام و انصرام اور حل کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کسی صاحبِ عقل و دانش سے مشورہ کرے گا تو اس کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں بتلا سکتا، اس حالت میں اگر وہ بلا مشورہ کام کر بیٹھے تو کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح معاملات کی نوعیت اور منافع و خطرات کی عظمت و وقعت اور قوت وضعف کے اعتبار سے مشورہ کے حکمِ استحسان میں فرق ہو جائے گا، بعض مواقع میں مشورہ نہایت اہم اور ضروری ہوگا اور بعض جگہ درجۂ استحسان میں رہے گا۔ بہرحال وہ امور جن میں کوئی جانب شرعاً، عقلاً، عرفاً، عادتاً معین نہیں اور جن کے مختلف جوانب میں خطرات و منافع کا احتمال ہے، یعنی نتائج مبہم اور مخفی ہوں، ان میں مشورہ کو اپنا معمول بنانا چاہیے۔ اس میں اتباعِ سنت کے علاوہ ہزار فوائد ہیں، اہلِ علم اور مشورہ کے پابند حضرات اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔

مشورہ کن سے کیا جائے؟

مشورہ ہمیشہ ایسے شخص سے کرنا چاہیے جس کو متعلقہ معاملے میں پوری بصیرت اور تجربہ

حاصل ہو؛ چنانچہ دینی معاملات میں ماہر اور صاحبِ نظر عالمِ دین سے مشورہ کرنا چاہیے اور کسی بیماری اور جسمانی صحت کے بارے میں کسی اچھے ڈاکٹر کا انتخاب ہی مفید ہوگا۔ غرض جس طرح کا معاملہ ہے، اسی فن کے ماہرین اور تجربہ کار کا انتخاب کیا جائے؛ کیوں کہ تجربہ کے بغیر صرف عقل کامیابی سے ہمکنار نہیں کرسکتی، گویا مشورہ لینے کے لیے عقل اور تجربہ دونوں کا بیک وقت موجود ہونا نہایت ضروری ہے۔ ایک دوسرے کے بغیر صحیح رہنمائی نہیں مل سکتی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

اِسْتَشِيْرُوْا ذَوِي الْعُقُوْلِ تُرْشَدُوا وَ لَاتَعْصُوْهُمْ فَتَنْدَمُوا۔ (مسندِ شہاب: ٦٧٣)

"عقلمندوں سے مشورہ کرو، کامیابی ملے گی اور ان کی مخالفت نہ کرو ورنہ شرمندگی ہوگی۔"

حضرت عبداللہ بن الحسن نے اپنے صاحبزادہ محمد بن عبداللہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: "جاہل کے مشورہ سے بچو اگرچہ کہ وہ خیرخواہ ہو جیسا کہ عقلمند کی دشمنی سے بچتے ہو۔" (المدخل: ۲۹/۴)

کسی میں اگر عقل اور تجربہ نہیں ہے تو وہ مشورہ کا اہل بھی نہیں ہے، اگر اس سے مشورہ کیا جائے تو پہلے وہ مشورہ ہی کیا دے گا اور اگر مشورہ دے گا بھی تو اس مشورے سے کیا فائدہ؛ اس لیے مشورہ کے لیے عقلمند، ماہر اور تجربہ کار ہونے کی شرط لگائی گئی ہے۔ اسلام کی شورائیت اور موجودہ جمہوریت میں یہی بڑا فرق ہے کہ شورائیت کا تعلق اہلیت سے ہے اور جمہوریت کا اکثریت سے، جس پارٹی کو اکثر لوگوں نے منتخب کرلیا وہی حکمرانی کا حق دار ہے، چاہے ووٹ دینے والے پاگل اور دیوانہ ہی کیوں نہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ جُمہوری نظام ایک تباہ کن نظام ہے، عقل وخرد سے اس نظام کا کوئی واسطہ نہیں ہے، اسلام نے اپنا نظام شورائیت پر رکھا ہے، یعنی

ماہرین، تجربہ کار اور عقلمندوں کے مشورے سے کوئی فیصلہ صادر کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضراتِ شیخین، صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم کی رائے کو جمہور صحابہ پر فوقیت دیتے اور آپ ان دونوں حضرات سے مخاطب ہو کر فرماتے:

لَوِ اجْتَمَعْتُمَا فِیْ مَشْوَرَةٍ مَا خَالَفْتُکُمَا۔

”جب تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو جاؤ تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔“ (مسندِ احمد)

معلوم ہوا کہ محض کثرت کا شریعتِ اسلامی میں کوئی اعتبار نہیں، قوتِ عقل و بصیرت اہم چیز ہے۔

اسی طرح مشورہ کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے جو متقی اور دیندار ہو، جس میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور عنداللہ جواب دہی کا احساس نہ ہو، اس کے مشورہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، پتہ نہیں اس نے صحیح مشورہ دیا ہے یا نہیں، ممکن ہے کہ اس کے نزدیک دوسری رائے بہتر ہو اور محض نقصان پہنچانے کے لیے اس کو یہ رائے دی ہو؛ تاکہ مشورہ کرنے والے کو نقصان اور پریشانی میں دیکھ کر ہنسنے اور مذاق کا موقع مل سکے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پرانے زمانے کا کوئی بغض دل میں چھپا ہوتا ہے اور وہ موقع کی تاک میں رہتا ہے، غلط مشورہ دے کر نقصان پہنچانے میں وہی بدلے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے؛ لیکن جب آدمی میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا تو اس طرح کے احتمالات اور امکان سے دل مطمئن ہوگا، اسی لیے اہل علم نے لکھا ہے کہ مشورہ دینے والے کو دیکھنا چاہیے کہ اس میں ہمدردی کا جذبہ ہے یا نہیں، اگر ہمدردی کا داعیہ نہیں بالخصوص مشورہ لینے والے کے حق میں مشیر کا دل حسد و کینہ اور بدخواہی سے پُر ہو تو اس سے مشورہ ہرگز نہیں لینا چاہیے، اس کا مشورہ سمِ قاتل سے کم نہیں ہوگا۔

مشورہ لینے کے لیے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مشیر فکر و نظر کے اعتبار سے صالح ہے یا نہیں،

جذباتی انسان کا مشورہ معتبر نہیں ہوسکتا ہے؛ اس لیے کہ ایسے شخص کا مشورہ اس امکان سے خالی نہیں کہ غیظ وغضب میں مبتلا ہوکر یا جذبات کے رَو میں بہہ کر اس نے یہ رائے دی ہو، اسی طرح جس کا قلب ایسے ہجوم وافکار سے خالی نہ ہو جن کی وجہ سے دماغ پریشان اور قلب مشغول ہوجاتا ہے، ان سے بھی مشورہ طلب نہیں کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ وہ اس پوزیشن میں ہے کہ اپنی پوری عقل لڑا کر اس کی تمام جہتوں پر غور کرسکتا ہے اور نہ ہی مستشیر کی رہبری کرسکتا ہے۔

جس کا مفاد وابستہ ہو اس سے بھی مشورہ نہ کیا جائے، جیسے کسی دکاندار سے کسی چیز کے خریدنے کے بارے میں اگر پوچھا جائے گا تو وہ اس کی بہت ساری خوبیاں بیان کردے گا؛ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس سامان کے فروخت ہونے میں اس کے منافع پوشیدہ ہیں؛ اس لیے اس سامان کے کمزور پہلوؤں کو وہ پردۂ راز میں رکھتا ہے۔ مشورہ لینے والے کو چاہیے کہ سوچ سمجھ کر مشیر کا انتخاب کرے، ورنہ مشورہ سے فائدہ کے بجائے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

مشیر کے فرائض:

(۱) جس معاملہ میں اس سے مشورہ لیا جارہا ہے، اگر اس میں مکمل بصیرت ہو تو مشورہ دے، ورنہ صاف کہہ دے کہ مجھے اس بارے میں کوئی جانکاری نہیں ہے؛ اس لیے میں مشورہ کا اہل نہیں ہوں، یہ کوئی ہتک اور بے عزتی کی بات نہیں؛ بلکہ اس کے اخلاص اور جذبۂ ہمدردی کی بنیاد پر اجر وثواب کا مستحق ہوگا، مشورہ لینے والے کا بھی اعتماد بڑھ جائے گا اور اسے یقین ہوجائے گا کہ یہ میرے حق میں مخلص ہے، آج کل لوگوں کا یہ مزاج ہے کہ کچھ آئے یا نہ آئے مشورہ لیتے وقت ضرور کچھ نہ کچھ جواب اور مشورہ دے دیتے ہیں، یہ دیانت کے خلاف ہے۔

(۲) غور وفکر کے بعد مشیر کا ذہن جس طرف مائل ہو رہا ہے، کسی رعایت کے بغیر صاف طور

پر اس کا اظہار کر دے، یعنی مشیر کا ایک اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ اسے اپنے بھائی کا حق سمجھتے ہوئے صحیح مشورہ دے، رسولِ اکرم ا نے جان بوجھ کر کسی کے معاملہ کو بگاڑنے کے لیے یا کسی کا نقصان کرانے کے لیے مشورہ دینے کو خیانت اور گناہ قرار دیا ہے ارشاد ہے:

''مَنِ اسۡتَشَارَ أَخَاہُ فَأَشَارَہ عَلَیۡہِ بِأَمۡرِہ وَھُوَ یَرَیٰ الرُّشۡدَ غَیۡرَ ذٰلِکَ فَقَدۡ خَانَہ'' (مسند احمد) ''

جس نے اپنے بھائی سے مشورہ کیا اور اس نے اسے کوئی ایسا مشورہ دیا جس کے علاوہ میں وہ کامیابی سمجھتا ہو تو اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔"

مشورہ دینے میں اس بات کی ہرگز پرواہ نہ کرے کہ اگر میں اس کو یہ مشورہ دوں گا تو شاید اس کا دل ٹوٹ جائے گا، یہ مجھ سے ناراض اور رنجیدہ ہو جائے گا۔ کیوں کہ مشورہ طلب کرنے کے بعد اس کی گنجائش نہیں رہتی کہ خوش کرنے کے لیے غلط اور خلافِ حقیقت رائے دی جائے، کسی انسان کی نہیں؛ بلکہ اللہ کی رضامندی اور ناراضگی کا خیال رکھے اور جو مشورہ ذہن میں آئے دوٹوک انداز میں بیان کر دے۔ اس کے ذیل میں علماء اور فقہاء نے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ صحیح مشورہ دینے میں اگر کسی کی غیبت بھی ہو رہی ہو تو بھی صحیح بات بتائے، شرعاً ان مواقع میں غیبت معاف ہے۔ مثلاً رشتہ کے لیے کسی لڑکی یا لڑکے کے بارے میں سوال کیا جائے، اگر اس میں کوئی عیب ہے اور آپ کو معلوم ہے تو مشورہ لینے والے کو ضرور مطلع کر دینا چاہیے اور اس موقع پر اظہارِ عیب معاف ہے؛ کیوں کہ یہاں کسی کی زندگی کے بننے اور بگڑنے کا مسئلہ ہے۔

(۳) مشورہ دینے والے کی ذمہ داری ہے کہ جس معاملہ میں مشورہ لیا گیا ہے، اس کو راز میں رکھے، لوگوں کے سامنے اس کو ظاہر نہ کرے، جیسے کسی نے اپنی بیوی کے کسی معاملہ کے بارے میں مشورہ کیا یا لڑکی اور لڑکے کے رشتہ یا کسی اور معاملہ میں رائے معلوم کی تو گویا یہ مشیر اور مستشیر

کے درمیان ایک راز کی بات ہوگی، ہوسکتا ہے کہ مشورہ لینے والا چاہتا ہو کہ اس کی یہ باتیں مشیر کے علاوہ دوسروں تک نہ پہنچے، دوسروں کے سامنے بیان کرنے سے یقینا اس کو تکلیف پہنچے گی اور یہ خیانت کا معاملہ ہوگا، رسولِ اکرم ؐ نے ارشاد فرمایا:

"اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ" (ترمذی)

یعنی جس شخص سے مشورہ کیا جاتا ہے وہ امانت دار ہوتا ہے، اسے امانت داری کا پورا حق ادا کرنا چاہیے۔ آج کل دیگر خرابیوں کے ساتھ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ کسی کے راز کو راز نہیں سمجھا جاتا، کسی کے بارے میں کوئی چیز معلوم ہوتی ہے تو فوراً اسے عام کرنے کی فکر ہو جاتی ہے اور پھر اس کے نتیجے میں جھگڑے، فسادات دشمنیاں اور ناچاقیاں پھیلتی ہیں، ضرورت ہے کہ دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کیا جائے اور اتحاد و یگانگت کا ماحول بنایا جائے۔

(۴) مشیر کا کام ہے صرف مشورہ دینا، اصرار یا رائے تھوپنے کا مزاج درست نہیں ہے، مشورہ لینے والے کا مقصد ہوتا ہے کہ مختلف جہتوں سے معاملہ کو پہچانا اور جانا جائے پھر غور وفکر کے بعد کسی ایک پہلو کو اختیار کیا جائے، ظاہر ہے کہ مشورہ طلب کرنے والا مشورہ میں شریک تمام افراد کی رایوں اور خیالات پر عمل نہیں کرسکتا، وہ صرف اپنے ذاتی حالات کے اعتبار سے صرف کسی ایک کی رائے کو پسند کرسکتا ہے؛ اس لیے اگر کسی کے مشورہ پر عمل نہ کیا جائے تو اس سے دل گیر اور رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے، خوش دلی اور خندہ پیشانی سے مشورہ کرنے والے کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کیا جائے، حضرت بریرہ کا نکاح حضرت مغیث سے ہوا تھا، حضرت بریرہ پہلے باندی تھیں، جب وہ آزاد کی گئیں تو رسولِ اکرم ؐ نے شریعت کا حکم سنایا کہ تمہیں اختیار ہے چاہو تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہو اور چاہو تو علاحدگی اختیار کرلو، حضرت بریرہ شوہر سے خوش نہیں تھیں؛ اس لیے انہوں نے علاحدگی کا ارادہ کرلیا، ان کے شوہر حضرت مغیث کو ان سے کافی

محبت تھی، وہ چاہتے تھے کہ بریرہ علاحدگی اختیار نہ کریں، حضرت مغیث نے بہت کوشش کی؛ مگر وہ تیار نہ ہوئیں، بالآخر نبیِ کریم اسے حضرت مغیث نے سفارش کرائی، حضرت بریرہ نے سوال کیا یارسول اللہ! یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم ہے؟ اگر حکم ہے تو سرتابی کی مجھے جرأت نہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ حکم نہیں مشورہ ہے، حضرت بریرہ نے عرض کیا پھر تو میں آزاد ہوں کہ اس مشورہ کو قبول کروں یا نہ کروں، میری زندگی ان کے ساتھ گزرنی مشکل ہے؛ اس لیے میں ان سے علاحدگی اختیار کرتی ہوں آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔(مشکوٰۃ:۲۷۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صائب الرائے کون ہوسکتا ہے؛ لیکن چوں کہ مشورہ تھا؛ اس لیے حضرت بریرہ کے نہ ماننے پر آپ نے کسی طرح ناراضگی ظاہر نہیں کی، موجودہ دور کے لیے یہ حدیث بڑی سبق آموز ہے، ذاتی رائے کو عام لوگوں پر مسلط کرنے کا مزاج عام ہوگیا ہے، جس کے سبب بدنظمی اور بدعنوانی کا ہر طرف ایک سیلاب ہے۔اپنی رائے کو محض ایک معمولی رائے سمجھنا چاہیے، نہ کہ قولی فیصلہ؛ تاکہ مشورہ کا حقیقی فائدہ حاصل ہوسکے۔

مشورہ میں عمر کی قید نہیں:

ہر وہ شخص جس میں مشورہ کی اہلیت پائی جاتی ہو، یعنی عقلمند تجربہ کار اور متقی وغیرہ ہو تو اس سے مشورہ لیا جاسکتا ہے خواہ عمر کم ہو یا زیادہ، مشورہ کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے، سیدنا حضرت عمر بن الخطاب بعض وقت حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے تھے، حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہ موجود ہوتے تھے جو حضرت عبداللہ بن عباس سے عمر، علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے، معلوم ہوا کہ چھوٹوں سے مشورہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر مشورہ کی اہلیت رکھنے والے ضابطے کے بڑے موجود نہ ہوں تو اپنے اہل وعیال جن

پر اعتماد ہو ان سے کم سے کم مشورہ ضرور کر لینا چاہیے، انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ غیب سے مشورہ کی برکت سے ضرور کوئی راستہ نکالے گا، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ مسلمان عمرہ کرنے سے روک دیے گئے تھے، حضورِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے اسی مقام پر احرام کھولنے کا حکم دیا، مگر صحابہ کرام پس و پیش کر رہے تھے، آپ ﷺ نے امّ المومنین حضرت امّ سلمہ سے مشورہ کیا، انہوں نے فرمایا: یا رسول اللہ! یہ حضراتِ صحابہ جذبات اور جوش کے عالم میں مغلوب ہیں، اس لیے ان کے طرزِ عمل کا کچھ خیال نہ کیجیے اور آپ خود پہلے اپنا احرام کھول لیجیے، یہ مشورہ کامیاب ہوا، صحابہ کرام نے آپ کی اتباع میں احرام کھول دیا۔ حضرت امِّ سلمہ آپ سے عمر میں چھوٹی اور بیوی تھیں پھر بھی ضرورت پڑنے پر آپ نے ان سے مشورہ کیا۔

اگر مشورہ میں اختلاف ہو جائے:

کچھ لوگ اپنی عقل و دانش اور تجربہ وفن کے اعتبار سے ایک کام کو بہتر سمجھتے ہوں اور مشورہ میں شریک دوسرے افراد اس کو بہتر نہیں سمجھتے ہوں یا اس طرح کا اور کوئی اختلاف ہو جائے تو وہاں دیکھنا چاہیے کہ کون سی رائے قرآن وسنت کے مطابق یا قریب تر ہے، اس پر عمل کر لیا جائے، اقلیت یا اکثریت کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، افراد کی کمی اور زیادتی پر نظر نہ رکھی جائے، علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔

''وَالشُّوْریٰ مَبْنِیَّةٌ عَلٰی اخْتِلاَفِ الْآرَاءِ وَالْمُسْتَشِيْرُ يَنْظُرُ فِيْ ذٰلِکَ الْخِلاَفِ وَيَنْظُرُ أَقْرَبَهَا قَوْلاً الیٰ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ ان أَمْکَنَه فَاِذَا أَرْشَدَهُ اللهُ تعالیٰ الیٰ مَا شَاءَ مِنْهُ عَزَمَ عَلَيْهِ۔'' (قرطبی: ۴/۱۶۲)

مانگے بغیر مشورہ دینا:

مشورہ طلب کیے بغیر از خود مشورہ دینا بہتر نہیں ہے، طرفہ کہتا ہے: نا اہل کے لیے اپنی ہمدردی خرچ مت کر جو شخص تیری رائے سے استغناء کرے تو اس سے بے پرواہ ہو جا! (اسلام میں مشورہ کی اہمیت صفحہ ۱۰۷)؛ البتہ اگر مشیر یہ سمجھے کہ کوئی شخص غلط راہ پر چلنے سے ہلاکت میں پڑ سکتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اگر میں نے سکوت اختیار کیا تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گا تو اس وقت از خود بڑھ کر اظہارِ رائے کرنا اور صحیح راستہ بتانا ضروری ہو جاتا ہے، جیسے ولایت و حکومت کی خواہش ممنوع ہے؛ مگر سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کی حکومت طلب کی تھی؛ اس لیے کہ وہاں اصلاح اسی طریق سے ممکن تھی۔

اللہ پر توکل:

اللہ تعالیٰ نے مشورہ کا حکم دیا، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا کہ مشورہ کے بعد جس پہلو کو بھی اختیار کیا جائے، اس کے بارے میں اللہ پر توکل اور اعتماد رکھنا چاہیے؛ کیوں کہ مشورہ کا تعلق تدبیر سے ہے اور تدبیر پر تقدیر ہمیشہ غالب آتی ہے، اصحابِ عقل و اربابِ نظر و ماہرینِ فن کی رائے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ درست اور مثمر و منتج بھی ہو، سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں؛ اس لیے ایک مسلمان کا کام ہے کہ مشورہ لینے کے بعد اس پر عمل کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین اور اعتماد رکھے۔

کائنات کا حقیقی مالک

وہ سچا عظیم معبود۔ کائنات کا حقیقی مالک اور خالق!

اُس کی صفات کا احاطہ کون کر سکتا ہے!

اور اُس کی عظمت کا اعتراف کیونکر ہو.......!

لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے اور حقیر معبودوں کی تعظیم سے سیر نہیں ہوتے!

'وطن' کے گیت گاتے نہیں تھکتے!

'قوم' کی ترقی کا ورد نہیں چھوڑتے۔

'ملک' کے استحکام پر جان دے دیتے ہیں۔

'آزادی' پر قومیں اپنی نسلیں وار دیتی ہیں۔

'انسانی حقوق' کی راہ میں قربانیاں ایک انسان کو امر کر جاتی ہیں اور لوگ اس کے فنا ہو جانے کے بعد اس کے مجسمے پوجتے ہیں!

لوگ 'جمہوریت' کی بحالی کے لیے 'شہید' ہوتے ہیں!

'کرکٹ میچ' کی ہار یا جیت پر دل کے دورے پڑتے ہیں!

سیاسی اور فلمی 'ستاروں' کی موت پر غشیاں پڑنے لگتی ہیں!

قبیلے، برادری، اور ملک کی جنگ میں...... مائیں اپنے سپوت پیش کر دینا ہر دور میں باعث شرف سمجھ لیتی رہی ہیں۔

قوم کے محسنوں کو 'زندہ و پائندہ باد' کے نعروں سے صبح شام عقیدت کا خراج پیش کیا جاتا ہے۔

وطن کے پرچم کو'ایڑی چوٹی' کے زور سے سیلوٹ ہوتا ہے اور قومی تفاخر کے مواقع پر اس کی مورتی دل کے پاس سینے پر سجائی جاتی ہے!

پتھر اور لکڑی جیسی حقیر چیزیں اگر قومی یادگاروں میں استعمال ہو جائیں تو 'مقدس' ہو جاتی ہیں!

کسی قومی ہیرو کی توہین ہو جائے یا اسکے بت کی بے حرمتی، اس پر جلوس نکل سکتے ہیں۔ اس کے لیے نازیبا الفاظ کے استعمال پر قیامت برپا ہو سکتی ہے، اگر چہ رب العالمین کے ساتھ صبح و شام وہاں کیسا بھی شرک اور اُس کے آگے کیسی ہی بغاوت کیوں نہ ہوتی رہے!

ایک ہاتھ پیر ہلانے سے عاجز بزرگ کی پس مرگ زیارت کے لیے ہزاروں میل کا پیادہ پا سفر عقیدت کا 'ادنیٰ' سا اظہار مانا جاتا ہے! ایک مُردے کی قبر کی توسیع کے لئے یہاں آدھا شہر اٹھا دیا جاتا ہے! ایک مٹی میں ملے معبود کی 'خوشی' کی خاطر ہزاروں زندوں کا نقصان خوشی خوشی جھیلنا 'سعادت' سمجھا جاتا ہے!

حیران کن بات تو یہ ہے کہ ان معبودوں کے لیے یہ جو کچھ ہوتا ہے، اس میں ان معبودوں کا کوئی بھی کمال نہیں!

دراصل 'عبادت' ایک جذبہ ہی ایسا ہے!

''بندگی'' چیز ہی ایسی پیاری اور خوبصورت بنائی گئی ہے! تبھی تو صرف یہ اللہ کا حق ہے!!

''پرستش'' مر مٹنے کا نام ہے۔

سچ پوچھیں تو مر مٹنے کا اپنا مزہ ہے۔

اس کے بغیر انسان ادھورا ہے۔

تبھی تو لوگ دیوانے ہو جاتے ہیں! مر مٹنے کے لیے 'کوئی بھی' چیز ڈھونڈتے ہیں! مٹی نہ ملی تو

پتھر اٹھالیا۔ پتھر نہ ملا تو لکڑی تراش لی۔لکڑی سے جی بھرا تو پلاسٹک سے بہلا لیا! زندوں سے مایوس ہوا تو مُردوں کا رخ کرلیا!

کیسی وحشت ناک زندگی ہے یہ! اصل معبود نہ ملے تو انسان کیسے پاگل ہوجاتا ہے! کیسے کیسے خبط مارتا ہے! انسان اللہ سے واقف نہ ہو تو کتنا حقیر ہوجاتا ہے! کیسی گھٹیا حرکتیں کرتا ہے!

قوم پر مرتا ہے۔عصبیت پہ فدا ہوتا ہے۔روپے کو خدا بنالیتا ہے۔ پیسے کو خوشی اور غم کا راز سمجھ بیٹھتا ہے۔لکڑی، پتھر اور کپڑے کے حضور کبھی مذہبی تو کبھی قومی جوش وخروش کے ساتھ آداب اور کورنش بجالاتا ہے۔مُردوں کو خوش کرنے کے لیے معصوم بچوں کے منہ کا نوالہ چھین کر ایک بے حس وحرکت معبود کو چڑھاوا دے آتا ہے۔

زندوں اور مُردوں کو ہیرو بنا کر پوجتا ہے اور انکی شان میں گستاخی کو برداشت سے باہر سمجھتا ہے۔حقیر ہستیوں کی عظمت وناموس کے لیے مرنے مرانے پر اتر آتا ہے۔ملک کی عزت پہ کٹ مرتا ہے اور وطن کی مٹی کو سلام پیش کرتا ہے......

اور وہ مالکِ ارض وسماوات جو حق رکھتا ہے اِس جان پر، پرستش کے اِن نفیس جذبات پر، اُس ایک کو بھول جاتا ہے! کیسا ظالم ہے وہ انسان جسے عقیدت اور بندگی کا خراج دینے کو جہانوں کا رب نظر نہ آئے تو وہ اسے مٹی پہ ڈھیر کردے!

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (الصافات85۔87)

(ابراہیمؑ نے) جب اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیا تم پوجنے بیٹھے ہو؟ نرے بے حقیقت من گھڑت معبود۔ یہ تم اللہ کو چھوڑ کر پوجنا چاہتے ہو؟ پھر یہ تو بتلاؤ کہ تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟

مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا وَاللَّهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ((نوح 13۔20)

(نوحؑ نے کہا) تو کیا تمہیں بس ایک اللہ ہی کے مرتبے کا پاس نہیں! وہ تو وہ ہے جس نے مرحلہ درمرحلہ تمہاری تخلیق کی۔کیا دیکھتے نہیں وہ اللہ جس نے سات آسمان تہ درتہ بنائے۔پھران میں چاند کا اجالا کر دیا اور سورج کا چراغ دھر دیا،اورتم کو بھی زمین سے کیا عجب طریقے سے اگایا اور وجود دیا۔وہ تو تمہیں پھراسی مٹی میں ملا ڈالے گا، پھراس سے یکا یک وہ تم کو نکال کھڑا بھی کرلے گا۔اورزمین کا تمہارے لیےفرش بچھایا۔تاکہ تم اس کے اندر کھلے راستوں اور وادیوں میں چلو"

پس یہ'بندگی' تو بجائے خود کتنی زبردست اور حیران کن چیز ہے!

پھر جب یہ للہ کے لیے ہو جائے..اور ایک اُسی کی ہو جائے..تب تو یہ دنیا کا سب سے بڑا واقعہ کیوں نہ ہو......نہ صرف سب سے بڑا بلکہ خوبصورت ترین اور برحق ترین!۔

غرض "للہ کے دین" کا مطلب ہوا کہ آدمی کو بندگی کی اصل حقیقت معلوم ہو اور پھر......للہ کی پہچان ہو جائے! تب اس کی خوشی اور سعادت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہتا!علم کے پس یہ دو ہی حقیقی میدان ہیں، اور حقیقت یہ کہ دونوں اشرف العلوم: "بندگی کی حقیقت" اور "للہ کا تعارف"..پھراس کے ساتھ ایک تیسری چیز......شرک سے بچنا اور مشرکوں سے براءت رکھنا۔

(ایمان کا سبق از حامد کمال الدین)

خدا ایک سے زائد کیوں نہیں ہو سکتے

(از۔ پروفیسر ظفر احمد)

اگر خدا ایک سے زائد ہیں تو لازماً یہ سوال پیدا ہوگا کہ وہ طاقت وقوت، اقتدار تصرف اور تدبیر و انتظام کے لحاظ سے چھوٹے بڑے ہیں یا سب کا درجہ برابر ہے؟ اگر وہ چھوٹے بڑے ہیں تو خالق کائنات کے لئے چھوٹا ہونا عیب ہے، کمال نہیں اور عقل سلیم کا کسی دلیل کا تقاضا کئے بغیر بدیہی فیصلہ یہ ہے کہ خدا کو ہر عیب سے پاک ہونا چاہئے اور ہر کمال کا اسے مالک ہونا چاہئے۔ اگر ایک سے زائد یہ مفروضہ خدا درجے میں برابر ہیں تو برابری بھی عیب ہے، کیوں کہ اس صورت میں ایک خدا دوسرے کو مغلوب نہیں کرسکتا۔ دوسرے کو مغلوب نہ کرسکتا عاجزی اور بے بسی ہے، کمال نہیں۔ بالفرض ان مفروضہ خداؤں میں باہم تصادم نہ بھی ہو تو بھی یہی سمجھا جائے گا کہ انہوں نے ایک دوسرے کو مجبوراً برداشت کر کے ایک دوسرے پر غالب نہ آسکنے کی اپنی کم زوری کو چھپالیا ہے۔ عیب چھپالیا جائے یا چھپا رہے تو بھی بہ رحال عیب ہی رہے گا، کمال میں نہیں بدل جائے گا۔ پس خدا ایک ہے جس کی شان یہ ہے الحمدللہ رب العالمین کہ اللہ ہی تمام کمالات اور تعریفوں کا مالک ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

اگر خدا ایک سے زائد ہیں تو کائنات کا نظم ونسق چلانے اور سنبھالنے میں ایک دوسرے کے محتاج ہوں گے یا نہیں۔ اگر محتاج ہیں تو ان میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ محتاج ہونا خالق کے لئے عیب ہے۔ اگر وہ ایک دوسرے کے محتاج نہیں بلکہ سب اپنی اپنی جگہ پر مختار ہیں تو ایک کے سوا باقی خداؤں کا وجود سرے سے فالتو اور غیر ضروری ہوگا، جس کی مخلوق کو ضرورت نہ ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ خدا بے نیاز اور باقی سب اس کے محتاج ہیں عقل سلیم کے اس فطری فیصلے

کے عین مطابق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

یاایھا الناس انتم الفقرآء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید(فاطر ۱۵)

''اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے پرواہ (اور) تعریف کے لائق ہے۔''

نیز مختارِکُل عقلاً ایک ہی ہوسکتا ہے۔ اگر مفروضہ متعدد خدا اپنی اپنی جگہ پر مختارِکُل ہیں تو اگر وہ ایک دوسرے کے برابر ہیں، تو برابری عیب ہے، مختارِکُل اگر عیب کا ازالہ نہ کرسکے تو وہ عاجز ہوا۔ عاجزی اور اختیارِکلی ایک دوسرے کے منافی ہیں اگر یہ مفروضہ مختارانِ کُل (خدا) بڑے چھوٹے ہیں تو چھوٹا ہونا بھی عیب ہے، جو مختارِکُل ہوگا وہ ابتدا ہی سے عیب کو اپنے سے دور رکھے گا ورنہ وہ عاجز و بے بس سمجھا جائے گا، عاجزی و بے بسی خدا کے لئے عیب ہے، کمال نہیں حال آں کہ الحمد للہ رب العالمین، اللہ تمام کمالات کا مالک ہے، جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

اگر خدا ایک سے زائد ہیں، مثلاً الف، ب اور ج تین خدا ہیں تو ان سب میں کم ازکم ایک امتیازی وصف ایسا ضرور ہوگا جس سے وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوسکیں اور مخلوق کے لئے ان کی شناخت ممکن ہو۔ اب اگر یہ امتیازی وصف کمال والا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان تینوں میں کم ازکم ایک وصفِ کمال کی کمی ہے حال آں کہ خدا کو تو تمام کمالات کا مالک ہونا چاہئے اور اگر یہ امتیازی وصف نقص والا ہے، مثلاً ایک نابینا، دوسرا بہرہ، اور تیسرا گونگا ہے تو اس صورت میں بھی تینوں میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ خدا کو ہر نقص سے پاک ہونا چاہئے، پس خدا ایک ہی ہے جو تمام کمالات کا مالک ہے الحمد للہ رب العالمین، تمام کمالات اللہ ہی کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

اگر خدا ایک سے زائد ہیں تو وہ ایک دوسرے کے کام میں مداخلت کرسکتے ہوں گے یا نہیں۔ اگر ایک خدا دوسرے (مفروضہ) خدا کے کام میں مداخلت کرے اور دوسرا اسے روک

نہ سکے تو دوسرا خدا عاجز ہوا۔ اگر پہلا (مفروضہ) خدا دوسرے کے کام میں دخل دینے کی سکت ہی نہ رکھتا ہو تو پہلا خدا عاجز ہوا، حال آں کہ خدا کو ہر عیب سے پاک ہونا چاہیئے۔ قبل ازیں دلیل کبریائی میں یہ مذکور ہو چکا ہے کہ اگر برابر مدارج اور مراتب کے مفروضہ خداؤں میں تصادم نہ بھی ہو تو بھی برابر درجے والے یہ خدا دراصل خدا ہیں ہی نہیں۔ لیکن یہ تصادم اور ٹکراؤ ناگزیر ہے کیوں کہ خدا کو تمام صفات و کمالات کا مالک ہونے کی حیثیت سے تکبّر (برائی) (جتانے) کا حق بھی ہوگا چناں چہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ''متکبّر'' بھی شامل ہے۔ ایک سے زائد ایک ہی مرتبے کے متعدد متکبر موجود ہوں تو ان میں تصادم کا نہ ہونا عقلاً محال ہے، چناں چہ اس تصادم کے نتیجے میں کائنات سرے سے وجود پذیر ہی نہ ہوگی، مثلاً ایک خدا زید کو پیدا کرنا چاہے اور دوسرا پیدا نہ کرنا چاہے تو برابر کے ان خداؤں کے ارادے تو جمع ہو سکتے ہیں لیکن ان کی مرادیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر دونوں زید کو زندہ کرنا یا دونوں مارنا چاہیں اور دونوں اس کے لئے ایک دوسرے کی مدد کے محتاج ہوں تو ان میں سے کوئی بھی خدا نہ ہوگا اور اگر محتاج نہ ہوں تو ان میں سے ایک کی ضرورت ہی نہیں جو غیر ضروری ہوگا اسے مخلوق کی اور مخلوق کو اس کی ضرورت نہ ہوگی حال آں کہ خدا تو وہ ہو سکتا ہے کہ سب مخلوق اس کی محتاج ہو اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو پس خدا ایک ہی جس کی شان یہ ہے الحمد للہ رب العالمین، کہ تمام کمالات اللہ ہی کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

چونکہ مشاہداتی دلائل کا سمجھنا لوگوں کے لئے زیادہ آسان ہوتا ہے اس لئے کلمات ''رب العالمین'' میں ان کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ رب کا معنی ہے ہر چیز کو بتدریج نشوونما دے کر اسے درجۂ کمال تک پہنچانے والا۔ کائنات اس قدر وسیع و عریض ہے کہ اس کے تصور ہی سے سر چکرانے لگتا ہے۔ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ اس حساب سے ایک

منٹ، پھر ایک گھنٹے، پھر ایک دن اور بعدازاں ایک سال کی مدت میں روشنی کی رفتار کا اندازہ لگانا کس قدر تعجب خیز ہے! اس کائنات کی وسعت کی پیمائش نوری سالوں میں بھی آسان نہیں۔ سورج اور اس کے گرد گھومنے والے سیارے ایک نظام شمسی کو تشکیل دیتے ہیں۔ کئی نظام ہائے شمسی ملیں تو ایک کہکشاں (Galaxy) بنتی ہے۔ کئی کہکشاؤں سے جھرمٹ وجود پذیر ہوتا ہے یہ کائنات بے شمار جھرمٹوں کا مجموعہ ہے۔ ہمارا نظام شمسی جس جھرمٹ سے وابستہ ہے وہ بہت چھوٹا ہے اور اس میں کل چودہ کہکشائیں ہیں۔ کائنات کی اس وسعت کو سورہ فاتحہ میں دو لفظوں ''رب العالمین'' میں سمیٹ دیا گیا ہے کہ تم اس کائنات کو ایک جہاں نہ سمجھو بل کہ یہ تو کئی جہانوں کا مجموعہ ہے۔ جمع میں افراد کا محدود و متعین ہونا ضروری نہیں لہٰذا کائنات کے خارجی مظاہر کا پورا احاطہ عقل کے بس میں نہیں، اور نہیں تو صرف زمین ہی کو لیجئے اس میں موجود موالیدِ ثلٰثہ (حیوانات، نباتات اور جمادات) اور زمین کے اندر چھپی اشیا کا احاطہ کر لینا اور انہیں ہر حیثیت سے پوری طرح سمجھ پانا ہمارے بس میں نہیں۔ جب مخلوقات کا یہ حال ہے تو خالق کی عظمت کا کیا کہنا! سارے جہانوں کو بہ تدریج نشوونما دینا اور ان کی تمام ضروریات کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے۔ انسانی مشاہدہ اور تجربہ بتا رہا ہے کہ اس ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں وہی رب العالمین ہے۔

اللہ کی پیدا کی ہوئی اس کائنات اور اس میں موجود جان دار اور بے جان اشیا پر اللہ تعالیٰ کا جو نظام ربوبیت جاری ہے اس کا احاطہ کرنا تو دور کی بات ہے، انسان صرف ایک لقمے پر ہی غور کرے جو وہ اپنے منہ میں ڈالتا ہے تو اس کے پیچھے لاتعداد اسباب ومُسبّبات کا سلسلہ کارفرما نظر آئے گا۔ اس وسیع اور محیر العقول نظام ربوبیت کو دو لفظوں ''رب العالمین'' میں سمیٹ کر واضح کر دیا گیا کہ جب اللہ تعالی ہی رب العالمین ہے تو اس کی ذات وصفات میں شرک کی کوئی

گنجائش نہیں۔سورہ فاتحہ کے بعد باقی سارا قرآن اس ہی سورت کی توضیح وتشریح ہے۔اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت پر دلالت کرنے والے آفاقی مظاہرِ فطرت کی طرف قرآن کریم میں بارہا توجہ دلائی گئی ہے،مثلاً سورہ بقرہ میں ہے کہ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور کشتیوں کے لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں (سامان تجارت وغیرہ) کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنے میں اور جو اللہ نے آسمان سے (بارش کا) پانی اتارا ہے اس کے ذریعے مردہ (بنجر) زمین کو زندہ (تروتازہ اور شاداب) کر دینے میں اور آسمان اور زمین کے درمیان مسخر بادل میں عقل مندوں کے لئے (اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کی) نشانیاں موجود ہیں۔(البقرہ ۱۶۴)ان مظاہر فطرت پر غور کیجئے کہ اگر خدا ایک سے زائد ہیں اور یہ فرض کر لیا جائے کہ کائنات کی تخلیق کے موقع پر ان میں کوئی تصادم نہیں ہوا تھا تو یقیناً ہر ایک کی مخلوق الگ الگ ہوگی اور خدا چوں کہ متکبر بھی ہیں لہٰذا زود یا بدیر ان میں تصادم ناگزیر ہے، چناں چہ اس کو (مثلاً) سورۂ مومنون میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے لئے کوئی اولاد اختیار نہیں کی اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ورنہ ہر معبود (خدا) اپنی اپنی مخلوق کو الگ الگ لئے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔ یہ (مشرکین اللہ کے متعلق) جو کچھ بتاتے ہیں وہ اس سے پاک ہے (المومنون ۹۱) اور مثلاً سورۂ انبیاء میں ہے کہ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود بھی ہوتے تو یہ دونوں (آسمان وزمین) درہم برہم ہو جاتے پس اللہ عرش کا رب ہر اس چیز (عیب اور نقص) سے پاک ہے جو یہ (مشرکین اس کے متعلق) بیان کر رہے ہیں۔(اس کی خودمختاری کا تو یہ حال ہے کہ) وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں ہے اور وہ (سب کے سب اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔(الانبیاء ۲۳)

اب دیکھئے کائنات ایک خارجی حقیقت کے طور پر موجود ہے۔ یہ خارجی کائنات ایک ہی

ہے اور اس کے تکوینی قوانین باہم مربوط ہیں۔ کائنات اضداد کے باوجود رواں دواں ہے اور اس کے انتظام میں کوئی خلل نہیں، مثلاً اجرام فلکی ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں لیکن اس کشش میں ایسا توازن ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دھکیلتے بھی ہیں یعنی ان میں قوتِ جذب بھی ہے اور قوت طرد بھی ہے۔ ان دونوں متضاد قوتوں میں ایسا توازن ہے کہ یہ نہ تو آپس میں ٹکراتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے سے دور جانکلتے ہیں۔ اس وسیع کائنات میں حسن ہے۔ قوانین فطرت لگے بندھے ہیں جس کی وجہ سے کائنات میں نظم وترتیب ہے۔ اگر برابر کے اختیارات والے کئی منتظم ہوں تو لازماً بدنظمی اور بدترتیبی پیدا ہوگی اس لئے اگر خدا ایک سے زائد ہوتے اور بالفرض تخلیق کائنات کے موقع پر ان میں اختلاف نہ بھی پیدا ہوا ہوتا تو بھی بعد کے مراحل میں کائنات کا حسن اور باہم مربوط ہونا تو ایک طرف رہا یہ تباہ اور خستہ حال ہوتی۔ قوانین فطرت میں نہ باہم موافقت ہوتی اور نہ ہی یہ قوانین ایک ہی بالائی قوت کے سامنے مسخر نظر آتے۔ سورۂ ملک میں ہے کہ تو رحمن (اللہ تعالیٰ) کی تخلیق میں کوئی بے ضابطگی نہیں پائے گا تو دوبارہ نظر ڈال کر دیکھ لے کیا تجھے کوئی شگاف نظر آ رہا ہے؟ پھر دہرا کر دو دوبار نظر ڈالے، تیری آنکھ تیری طرف ذلیل (عاجز) ہوکر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی (الملک ۳۔۴) اور مثلاً سورۂ یٰس میں ہے کہ سورج کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے اور یہ سب (اجرام سماوی) فلک میں تیر رہے ہیں۔ (یسین ۴۰) پس یہ مشاہداتی اور آفاقی دلائل بھی ثابت کر رہے ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے۔

غیر مسلم کے چند اعتراضات کے جوابات

۲۶ کہ کفر کہتے ہیں خلاف اسلام کو اس کے ساتھ شرک بھی ہو یا نہ ہو۔ دونوں کے لئے سزا

ابدالآباد جہنم ہے جب ترک اسلام کی یہ سزا ہے تو اس سے اسلام کی نوعیت وفضیلت اور اسکی ضرورت کا درجہ معلوم ہو گیا۔ (ایضاً ص ۱۷)

اللہ تعالیٰ بغیر زبان کیسے کلام فرماتا ہے

ایک ہندو جو اپنے گروہ میں عابد کہلاتا ہے میرے پاس اپنے ایک پنڈت کے ساتھ آیا اور یہ سوال کیا کہ آپ لوگ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام کہتے ہیں، حالانکہ کلام بے زبان کے ہو نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ کی زبان ہے نہیں پھر اس نے کلام کیسے کی؟

میں (مولانا اشرف علی تھانویؒ) نے جواب دیا کہ ہم کو کلام کے لئے زبان کی ضرورت ہے لیکن خود زبان کو کلام کرنے کے لئے زبان کی ضرورت ہے وہ خود اپنی ذات سے کلام کرتی ہے، اسی طرح ہم کان سے سنتے ہیں لیکن خود کان اپنی ذات سے سنتا ہے اس کو کسی اور آلہ کی ضرورت نہیں، ہم کو دیکھنے کے لئے آنکھ کی ضرورت ہے وہ اپنی ذات سے دیکھتی ہے تو جب زبان اس پر قادر ہے کہ بے زبان کلام کرے، تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کو کلام کے لئے کسی آلہ کی ضرورت نہ ہو تو کیا تعجب ہے، صفت کلام خود اس کی ذات میں موجود ہے، کلام خود اس کی ذات ہے بلا زبان صادر ہوتا ہے، وہ ہندو اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اپنے ہمراہی سے کہا دیکھو اس کو علم کہتے ہیں۔

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اس سے پہلے بھی میرے ذہن میں یہ جواب نہ تھا، الحمد للہ کہ اس وقت منجانب اللہ یہ جواب میرے ذہن میں آیا۔

(اشرف الجواب ص/۲۶)

کامیابی کا فلسفہ

انسان فطرتاً کامیاب ہونا چاہتا ہے، اس کامیابی کو پانے کے لیے خواب دیکھتا ہے، اور پھر ان خوابوں کو حقیقت بنانے کے لیے دن رات محنت کرتا ہے۔ کامیاب ہونے کی تڑپ اسے جینے کا مقصد عطا کرتی ہے۔ آپ اور میں اپنے اردگرد کتنے ہی معصوم پھولوں کو دیکھتے اور جانتے ہیں جن کے لیے کامیابی اپنا پسندیدہ کھلونا حاصل کر لینے کا نام ہے۔ آپ کبھی کسی بچے کو یہ کہتے ہوئے نہیں پائیں گے کہ اس کی زندگی میں کوئی مقصد، کوئی خواب نہیں ہے۔ کبھی ان سے پوچھا جائے کہ وہ زندگی میں کیا بننا چاہتے ہیں تو آپ کو 99 فیصد بچے کامیاب انسان بننے کی بات کرتے، خواہش کرتے نظر آئیں گے۔ کسی کا مقصد ڈاکٹر بننا ہے تو کوئی انجینئرنگ کے خواب سجاتا ہے، کسی کو ہواؤں میں اُڑنے، پائلٹ بننے کی چاہ ہے تو کہیں کوئی کامیاب بزنس مین بننا چاہتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ آخر ایسا کیا ہے اور کیوں ہے کہ بچپن میں خواب تو ہر بچہ دیکھتا ہے، رئیس خاندان کا چشم و چراغ ہو یا جھگیوں میں رہنے والا ایک عام بچہ، عملی زندگی میں شاید ہی کوئی 10 فیصد لوگ اپنے خواب اور مقصد زندگی کو پانے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ آخر کیوں ناکامی ہمارا مقدر بن کر رہ جاتی ہے؟ میرے نزدیک اس ناکامی کا سہرا انسان کی اپنے مقصد حیات کے لیے غیر سنجیدہ سوچ، عدم اعتمادی، غیر ذمہ دارانہ رویے اور حالات سے سمجھوتہ کر لینے کو جاتا ہے۔ رکاوٹیں ہر کامیاب اور ناکام انسان کی زندگی میں برابر ہوا کرتی ہیں۔ جو دلیری سے ان رکاوٹوں کے سامنے چٹان بن کر کھڑے رہتے ہیں ان کے لئے انہی رکاوٹوں میں سے راستے بنا دیے جاتے ہیں اور جو ان رکاوٹوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیں ان کی زندگی کا نہ صرف مقصد کھو جاتا ہے بلکہ وہ خواب دیکھنے سے بھی قاصر رہ جاتے ہیں۔ اکثر و بیشتر لوگ اپنے حالات کے سامنے ہار

مان جاتے ہیں اور رکاوٹیں ان کے کامیاب زندگی گزارنے کے جذبے کو چھین لیتی ہیں۔

ناکامی کا فلسفہ سوچ پر بہت بری طرح اثرانداز ہوتا ہے۔ ناکامی یہ نہیں کہ آپ اپنی زندگی کے کسی حصے میں ناکام ہو چکے ہیں، حقیقی معنوں میں ناکامی تو یہ ہے کہ آپ اس ناکامی پر راضی ہو چکے ہیں اور اسے مقدر کا لکھا کہ کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اپنے خوابوں کو دفن کر کے اپنے آپ سے ان کا ذکر تک کرنا ترک کر دیتے ہیں۔ یہ ہے اصل ناکامی جسکا شکار آج ہر دوسرا شخص ہے۔ حالات اور رکاوٹوں کے سامنے چٹان بن کر کھڑے رہنے والوں کو ان کا حوصلہ، اپنے مقصد کو پا لینے کا عزم اور مستقل مزاجی سے کی جانے والی محنت جھکنے اور رکنے نہیں دیتی۔ مشکل وقت میں خوابوں کو پورا کرنے، انہیں پا لینے کی لگن ہی انہیں آگے بڑھتے رہنے کی ہمت دیتی ہے۔ حوصلہ اور ہمت بڑی کر لینے سے رکاوٹیں خود ہی چھوٹی ہو کر اپنی موت آپ مر جاتی ہیں اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: یقینا ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ [سورۃ التین: آیت 4]

وہ خالق و رازق، تمام جہانوں کا رب، جو اپنی تعظیم کتاب قرآن مجید میں انسان کے بہترین ہونے کا دعوی کر رہا ہے اس دعوے کو ہم انسان کیسے جھٹلا سکتے ہیں؟ جب رب کائنات نے انسان کو بنایا ہی بہترین ہے اور اسے تمام مخلوقات پر برتری بھی عطا کر رکھی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بنی آدم کے لیے رکاوٹوں سے راستے نہ نکالے؟ اسے مایوس چھوڑ دے؟ ہم انسان اپنی تمام تر سستیوں کا ذمہ دار مقدر کو ٹھہراتے ہوئے اک لمحے کے لیے بھی یہ سوچنے کا تردد نہیں کرتے کہ اصل قصوروار تو ہم خود ہیں اور پھر ساری زندگی ناکامیوں کے رونے روتے گزار دیتے ہیں۔ انسان کو اللہ نے سوچ دی، عقل و شعور دیا، اس کے لیے زمین میں اپنی نعمتوں کو پھیلا دیا اور پھر بتا دیا کہ اس کے لیے دنیا و آخرت میں وہ سب کچھ ہے جس کے لیے وہ کوشش کرے۔ ہم

دیکھتے ہیں کہ وہ افراد جو کامیاب زندگی گزار رہے ہوتے ہیں وہ انہیں یونہی نہیں ملی ہوتی، انہوں نے سخت محنت اور تگ و دو کے بعد اپنے خوابوں کو پایا ہوتا ہے۔ کامیاب لوگ اپنے اندر کامیاب ہونے کی تڑپ کو کبھی مرنے نہیں دیتے، حالات سے سمجھوتہ نہیں کر لیتے، خود کو مقدر کا لکھا سکھا پڑھا کر مطمئن نہیں کر لیتے، ان کی زندگی مسلسل محنت کا پیکر ہوتی ہے۔

خواب دیکھنے اور کامیاب ہونے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ آپ کے حالات بہت اچھے ہوں اور آپ کے پاس بہترین مالی وسائل ہوں یا یہ کہ آپ بہت ذہین ہوں، بلکہ کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ آپ حقیقی معنوں میں کامیاب ہونا چاہتے ہوں، آپ کے پاس کامیابی کے سوا کوئی دوسرا راستہ موجود نہ ہو، آپ اس سے کم پہ کبھی سوچ نہ سکیں۔ جب تک ہمارے پاس آپشنز موجود ہوں ہم حیلے بہانے کرتے رہتے ہیں۔ اگر آپ کی زندگی میں کامیاب ہونے اور بننے کے سوا کوئی آپشن نہ ہو تو آپ دیکھیں گے کہ سخت سے سخت مشکل بھی آپ کو روک نہیں سکتی۔

میں نے اپنی زندگی کے گزشتہ دس سالوں سے سیکھا ہے کہ آپ چاہے کوئی بھی ہوں، آپ کو زندگی میں کبھی اپنی مرضی کے حالات اور ماحول نہیں مل سکتا۔ آپ کو ہر حال میں محنت کرنی پڑتی ہے، خود کو تھکانا پڑتا ہے، ہر مشکل پر مضبوط بننا پڑتا ہے۔ اگر آپ جھک گئے، رک گئے اور خود کو حالات کے حوالے کر دیا تو یاد رکھیے آپ کبھی آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ آپ دنیا بھر کی Success Stories اٹھا کر دیکھ لیں کبھی کسی کو کامیاب بننے کے لیے آئیڈیل حالات نہیں ملے، کامیابی کبھی کسی کو تھال میں سجا کر نہیں پیش کی گئی۔ سب کو حالات سے لڑنا پڑا، اور پھر ایسے لوگوں کو ان کی لگن اور مستقل مزاجی نے دنیا کے لیے مثال بنا دیا۔ آپ کسی بھی دوسرے تیسرے شخص سے پوچھنے کی بجائے خود سے سوال کریں کہ کیا آپ مشکلات کے سامنے یوں ہتھیار ڈال کر خوش ہیں؟ آپ کو اپنے خوابوں کو پا لینے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ آخر ناکامی پر سمجھوتہ

کیوں کیا جائے؟ یقین کریں اگر آپ خود میں خوابوں کو پالینے کی تڑپ جگانے میں کامیاب ہو گئے تو آپ کو اپنا مقصد حیات پالینے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ کامیابی آپ سے چند قدم دور آپ کی ہمت محنت، تڑپ اور لگن آزمانے کے لیے کھڑی ہے۔ اپنے مقصد کی طرف مستقل مزاجی کامیابی کو آپ کے سر کا تاج بنا دیتی ہے۔

میں نے زندگی سے بہت اہم سبق سیکھا ہے کہ انسان جب کوئی فیصلہ کر کے اپنی تمام تر توجہ اور توانائی اپنے اس مقصد کو پالینے کے لیے صرف کرتا ہے تو اس کی کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ ہم میں سے اکثر و بیشتر لوگ کامیاب تو ہونا چاہتے ہیں، پختہ ارادہ بھی کرتے ہیں لیکن اپنی تمام تر توانائی اور توجہ جس طرح مقصد کے حصول کے لیے صرف کرنی چاہیے وہ نہیں کر پاتے۔ میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ ان کی خود پر عدم اعتمادی ہے۔ ناکامی کا خوف انہیں آگے نہیں بڑھنے دیتا۔ چھوٹی سی رکاوٹ ان کی سوچ اور توجہ کو بکھیر کر رکھ دیتی ہے اور پھر ناکامی ان کا مقدر کہلاتی ہے۔

کامیابی کیا ہے؟ ہر انسان اس لفظ ''کامیابی'' کو اپنی نظر اور زاویے سے دیکھتا ہے۔ کسی کے لیے کامیابی سے مراد خوشحال زندگی بسر کرنا ہے تو کسی کے لیے اپنے اہل خانہ کے لیے تمام آسائشوں کا انتظام کرتا ہے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک کامیابی شہرت پالینے کا نام ہے، اور کچھ کے لیے اپنے کاروبار کو بڑھتے ہوئے، پھلتے پھولتے دیکھنا کامیابی ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگوں کے لیے کامیابی آزادی کا دوسرا نام ہے، پریشان کن زندگی سے آزادی، خوف سے آزادی، ناکامیوں سے آزادی۔

میرے نزدیک کامیابی وہ اطمینان اور خوشی ہے جو آپ اپنی زندگی کے مقصد کو پالینے پر محسوس کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی میں مطمئن ہونا ہی اصل کامیابی ہے۔

(سنو تم ستارے ہو ص/ ۱۶۔۱۹)

کل سے نہیں، آج سے اِن شاء اللہ!

سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”پانچ چیزوں کو پانچ سے قبل غنیمت سمجھو، زندگی کو موت سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور مالداری کو فقر سے پہلے“

(مستدرک حاکم 4/306)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے جس میں سرفہرست وقت اور صحت ہے۔ وقت انسانی زندگی کا وہ قیمتی اثاثہ ہے جو ازل سے ابد تک ہر انسان کو یکسانیت کے ساتھ بلا تفریق عطا کیا گیا ہے۔ یہ وقت کا ہی استعمال ہوتا ہے جو کسی بھی انسان کی زندگی بنانے یا بگاڑنے کا سبب بنتا ہے۔ آج ہم اپنے معاشرے میں نظر دوڑائیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ ہم میں سے اکثر لوگ اپنا وقت ضائع کرنے میں مشغول ہیں۔ ہمیں احساس ہی نہیں کہ ہر گزرتا دن ہمیں نہ صرف ہماری موت کے قریب کر رہا ہے بلکہ ہم ناکامی کی سیڑھیاں اترتے جا رہے ہیں۔ اگر کبھی غلطی سے یا معجزاتی طور پر ہمیں یہ احساس ہو جائے کہ ہم زندگی میں کہاں کھڑے ہیں، ہم نے کیا کھویا کیا پایا، اور ہم آگے کس طرف بڑھ رہے ہیں، تو ہمیں اپنی اصلاح کی ایک امید نظر آتی ہے، ہم میں خود کو بدلنے کا اک جذبہ پیدا ہوتا ہے، ہم بہتر مستقبل کے لیے خواب سجاتے ہیں، محنت کرنے کا عزم کرتے ہیں اور پھر اپنی تمام تر مثبت سوچوں پر عمل کا ارادہ کرتے ہوئے خود سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کل سے ان شاء اللہ۔ کامیاب زندگی کے سفر کی اہم ترین زینہ تو یہ ہے کہ آپ خود کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیں کہ:

کل سے نہیں، آج سے بھی نہیں، ابھی سے ان شاء اللہ۔

میں آئے روز اس چیز کا تجربہ کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں لوگ خواب دیکھتے ہیں محنت کا ارادہ کرتے ہیں اور عزم کرتے ہیں کہ کل سے فلاں کام کریں گے، کل سے محنت کریں گے کل سے جدو جہد کریں گے مگر وہ کل، وہ کل کبھی نہیں آتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ لوگ موت سے بھی اس لیے خوفزدہ ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے اکثر کام کل پر چھوڑ رکھے ہوتے ہیں۔ آپ نے اکثر سنا ہوگا ایسے کسی شخص کو جب کہا جاتا ہے کہ نماز کی پابندی کرو، توبہ استغفار کیا کرو، بچوں کے ساتھ وقت گزارا کرو، ماں باپ کو وقت دو، اپنی صحت پر توجہ دو، ورزش کیا کرو حتی کہ یہ کہہ دیا جائے کہ روز اپنا محاسبہ کیا کرو تو جواب موصول ہوتا ہے ان شاء اللہ کل سے کروں گا۔

آج ہمارے معاشرے میں اگر کوئی چیز سب سے زیادہ بے قدری کا شکار ہے تو وہ وقت ہے۔ یہ ناقدری اور ناشکری اس قدر عام ہو چکی ہے کہ اب اسے برا سمجھنے کا بھی تردد نہیں کیا جاتا۔ ہم لوگ گھنٹوں گھنٹوں فون پر گپیں مارتے، دوستوں کے ہمراہ ہوٹلوں پر بے مقصد بیٹھے نکتہ چینی کرنے، تنقید اور غیبتیں کرنے، سوشل میڈیا پر بلاضرورت سکرولنگ کرنے میں وقت ضائع کر دیتے ہیں مگر افسوس کہ جب کوئی مفید کام کرنے کی باری آئے تو ہم کل سے ان شاء اللہ کا ورد کرنے لگتے ہیں۔ نوجوان قوم کا مستقبل ہوا کرتے ہیں اور ہمارے نوجوان جنہیں آج صحت سے نوازا گیا ہے کل کو خدا جانے کیسا بڑھاپا پائیں گے، کن امراض کا شکار ہوں گے، آج صاحب مال ہیں پر کل نجانے کن حالات میں ہوں گے۔ اس لیے جو کرنا ہے ابھی کرلیں، جو کام کرنے ہیں، جو کمانا ہے، جو لگانا ہے، جو جو بھی فوائد اکٹھے کرنے ہیں ابھی کرلیں یہی کامیابی کا راز ہے وگرنہ کل بیٹھ کر سوائے پچھتانے کے ہمارے پاس کوئی چارہ نہ ہوگا۔

میرے نزدیک حقیقی کامیابی تو یہ ہے کہ موت آپ کے سر پر کھڑی ہو اور آپ کو کوئی خوف

کوئی پچھتاوانہ ہو۔ آپ ہنس کر موت کو گلے لگا سکیں آپ زندگی کو اس طرح جئیں کے مرتے دم آپ کو خود پر اور اپنی زندگی پر اطمینان ہو اور آپ اللہ کو منہ دکھانے کے قابل ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

یقین کیجیے، اس میں کچھ ناممکن نہیں۔ ہ حقیقی کامیابی ممکن ہے بس ہمیں اپنے وقت کو کارآمد بنانے کی ضرورت ہے۔ زندگی میں کل سے ان شاء اللہ کہنے کی بجائے آج اور ابھی سے ان شاء اللہ کہہ کر اپنے مقاصد حیات کے لیے محنت کا آغاز کرنے کی ضرورت ہے۔ یقین جانیے پھر وہ آپ ہی ہوں گے جو پچھتاوے کے بغیر اطمینان وسکون کی زندگی گزار سکیں گے اور ہنس کر موت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہوں گے۔

میں نے دیکھا ہے کہ زندگی میں ہارے ہوئے، ناکام لوگ اپنے ارادوں میں بہت کمزور ہوتے ہیں۔ وہ اپنی عادات، اپنے عزائم اور فیصلوں میں مستقل مزاج نہیں ہوتے۔ آپ کو ان سب میں آج کا کام کل پر ڈالنے کی عادت مشترک ملے گی۔ کل بھی ایسا کل جو کہ کبھی آنے کا نام نہیں لیتا۔ آپ ان لوگوں میں خود اعتمادی کی کمی دیکھیں گے۔ کل پر ان کا بھروسہ بہت پختہ مگر تاخیر کا شکار ہوگا۔ کیونکہ وہ یہ تو سوچتے ہیں وہ کل کچھ کریں گے، مگر کیا کریں گے اس سوچنے کے عمل کو بھی وہ کل پر ملتوی کر دیتے ہیں۔ یقین جانیے کل کبھی نہیں آتی۔ یہ جو کل کرنے والی سوچ ہے نا، یہ کامیابی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ کل کا مطلب سستی ہے اور سست روی ہماری کامیابی اور ہمارے کامیاب مستقبل کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اگر آپ آج اپنے عزم میں مضبوط ہوتے ہوئے کچھ نہیں کر پا رہے تو کل جب کہ آپ کے حوصلے میں وہ طاقت نہیں رہے گی، تب کیسے کچھ کر پائیں گے؟ یہ کل کا لفظ ایک فریب ہے اور ہم سب جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس فریب کا شکار ہیں۔ آپ بھی قبرستان جائیں اور جا کر دیکھیں، وہاں کتنے ہی ایسی جوان اور

بوڑھے دفن ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے تمام اہم کاموں کا آغاز کل سے کرنا تھا، وہ تمام کے تمام اپنے آنے والے کل کی بھینٹ چڑھے مٹی ہو گئے ہیں وہ سب آج اپنے ہی ہاتھوں سے برباد کر دینے والی زندگی کے لیے خدا کے ہاں بھی جواب دہ ہیں اور دنیا میں بھی لوگ انہیں یاد کرنے کے روادار نہیں۔

کیا آپ نے کبھی سوچا کہ دنیا میں کتنے لوگ روزانہ مرتے ہیں؟ اور ان میں سے کتنے ایسے ہوتے ہیں جنہیں یاد رکھا جاتا ہے، جن کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں؟ اور کتنے ایسے ہیں جن کے مر جانے پر لوگ انہیں یوں بھول جاتے ہیں کہ گویا وہ بھی دنیا میں آئے ہی نہ تھے؟ یہ اعداد و شمار یقیناً آپ کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہوگا۔ ایچ جیکسن براؤن جونیئر نے اس فلسفے کو انتہائی خوبصورتی سے یوں بیان کیا ہے کہ:

''آنے والے وقت کے لیے بہترین تیاری یہ ہے کہ آپ آج اپنی طرف سے کوئی کمی نہ چھوڑیں''۔

یقین جانیے آنے والا زمانہ انہی کا ہے جو ماضی میں کی گئی غلطیوں سے سیکھ کر حال میں محنت کو اپناتے ہیں اور اپنے خوابوں پر یقین رکھتے ہیں وگرنہ وقت کا کیا ہے وہ تو گزر ہی جائے گا اور ہم بس بیٹھے دنیا اور آخرت کے خسارے گنتے رہ جائیں گے۔

(سنو تم ستارے ہو ص/ ۵۱۔ ۵۴)

کامیاب زندگی کے لیے مطالعہ کریں

والٹیئر کہتا ہے کہ:

''آپ کو اس حقیقت کا شعور ہونا چاہیے کہ جب سے دنیا بنی ہے، وحشی نسلوں کو چھوڑ کر دنیا پر کتابوں نے حکمرانی کی ہے''۔

مطالعہ کی عادت انسان کے لیے کامیابی کے سفر میں ایندھن کا کام کرتی ہے۔اچھی کتاب کا مطالعہ انسان میں نئی روح پھونک دیتا ہے۔ انسان کی سوچ اور زندگی گزارنے کے انداز اس مطالعے سے یکسر بدل جاتے ہیں۔ بہترین اور معیاری کتاب میں انسان کی تعمیر وتشکیل اور تربیت میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔انسان اپنے آپ کو اور اپنی صلاحیتوں کو جانے بغیر کامیابی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔مطالعے کی عادت انسان کو اس کی صلاحیتوں سے روشناس کرواتی ہے اور اسے زندگی میں مقصد فراہم کرتی ہے۔کتابوں میں دلچسپی اور مطالعہ کی یہ عادت اپنے آپ میں کسی بھی انسان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔انسان کی شخصیت میں نکھار اور کشش اس مطالعے کی ہی مرہون منت ہوتی ہے۔آپ دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، آپ کو کامیاب افراد کی ایک لمبی فہرست ملے گی اور اس فہرست میں ان تمام کامیاب افراد کی مشترکہ خوبی مطالعہ سے لگاؤ واضح طور پر نظر آئے گی۔دنیا کا ہر کامیاب، بااثر، اور امیر انسان ہمیشہ سے کتابیں پڑھنے کا شوقین رہا ہے۔بل گیٹس، وارن بفے، مارک زکر برگ، ایلن مسک اور اسٹیفن ہاکنگ سمیت تمام افراد نے کتابوں کے مطالعے کو اپنے روزمرہ معمول میں خاص مقام دے رکھا ہے۔بل گیٹس جو کہ سالوں سے دنیا کے امرا کی فہرست میں اولین نمبر پر ہے، اس کا کہنا ہے کہ:

''زندگی میں کامیابی کی ایک بڑی وجہ مطالعہ کی عادت ہے''۔

اسکے علاوہ بل گیٹس کہتا ہے کہ وہ سال میں باآسانی 50 بہترین کتابوں کا مطالعہ کرنے کا عادی ہے۔ ہر ہفتے میں ایک کتاب کو پوری توجہ سے پڑھنا اس کی عادت ہے۔ کتابوں کے مطالعے کے لیے اس کی لائبریری، اس کی پسندیدہ کتابوں سے بھری ہوئی ہے اور وہ مطالعہ کا شوقین ہے۔

سیداظفر رضوی کہتے ہیں کہ:

''زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھنے سے ہی انسان عالم کہلاتا ہے''۔

آج کے اس افراتفری کے دور میں کتابیں پڑھنے کا رواج ختم ہوتا جارہا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے ہاں کامیابی پر بات کرنے والے تو ہزاروں افراد موجود ہیں مگر حقیقت کامیابی چندافراد کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ آپ شاید یہ سن کر حیران ہوں گے کہ مطالعہ کی عادت انسان کو جسمانی اور ذہنی طور پر بھی تندرست رکھنے میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ طبی ماہرین اس عادت کو طویل عمری کا راز مانتے ہیں۔

وارن بفٹ دنیا کی سب سے بڑی ملٹی نیشنل کمپنی تشکیل دینے والے، بیسویں صدی کے کامیاب ترین سرمایہ کار، انسان دوست شخصیت کے حامل، با اثر ترین فرد اور دنیا کے امیر ترین اشخاص میں سے ایک ہیں لیکن آپ جناب ہمیشہ سے ایسے نہیں تھے، ایک چھوٹے سے گاؤں میں آنکھ کھولنے والا، اسکول بریک میں بچوں میں ٹافیاں اور بسکٹ فروخت کرنے والا بچہ بڑا ہو کر دنیا کا کامیاب سرمایہ کار اور امیر ترین آدمی بن گیا۔

وارن بفٹ اپنی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے دو اہم باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ بتاتے ہیں کہ یہ بھی نہ سوچیں کہ لوگ آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے کیونکہ اگر آپ یہ سوچنے لگیں گے کہ لوگ کیا سوچتے ہیں اور کیا کہتے ہیں تو آپ کامیابی کے کئی اصول نظر انداز کر دیں

گے۔ میں نے اپنے کاروبار میں ہمیشہ سرمایہ کاری کے اصولوں پر توجہ مرکوز رکھی ۔ انسان اگر دوسروں کی سوچ اور فکر میں گھلتا رہے گا تو آزادی سے اپنے اصولوں پر عمل نہیں کر سکے گا اور سوچ کی یہ قید ہمیشہ اس پر حاوی رہتی ہے۔ دوسری چیز جو کہ وارن بفٹ کی اکثر باتوں سے نمایاں ہوتی ہے وہ ان کا مطالعہ کے لیے شوق ہے۔ وہ اپنے دن کے 5 سے 6 گھنٹے مطالعہ میں صرف کرتے ہیں۔ اس دوران وہ 5 اخبار اور کارپوریٹ رپورٹس کے 500 صفحات پڑھتے ہیں۔ بفٹ کی پسندیدہ کتاب بنجامن گراہم کی the Intelligent Investor ہے، ان کا کہنا ہے کہ وہ کسی بھی جگہ سرمایہ کاری سے قبل مطالعہ کرتے ہیں۔ مطالعہ تحقیق کے دامن کو وسیع کرتا ہے اور یہ کہ دنیا کا ہر کامیاب انسان مطالعہ کا شوقین ہوتا ہے اگر آپ بھی کامیابی حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں تو آپ کو بھی مطالعہ کی عادت اپنانی ہوگی۔ وارن بفٹ کا کہنا ہے کہ دریا کو دریا جانیں۔ اس کی گہرائی ناپنے کے لیے دریا میں چھلانگ لگانے کے بجائے باہر لگا بورڈ پڑھ لیں۔ زندگی میں اپنی غلطیوں سے نہیں بلکہ دوسرے کی غلطیوں سے سیکھنے کی کوشش کریں اور ایسا مطالعے کی مدد سے ہی ممکن ہے۔ ہر کام سے قبل ریسرچ کامیابی کی ضامن ہے۔

(سنو تم ستارے ہو ص/ ۹۹۔۱۰۱)

کامیابی سے متعلق غلط فہمیاں

غلط فہمی 1:

ایڈ ون سی بلس کہتا ہے کہ:

''کامیابی کا مطلب ناکامیوں کی عدم موجودگی ہرگز نہیں ہے، اس کا مطلب حتمی مقاصد کا حصول ہے، اس سے مراد جنگ میں غازی ہونا ہے، فتح حاصل کرنا ہے، مگر یاد رہے فاتح ہر جنگ میں نہیں ہوا جاتا''۔

اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ کامیابی شاید کوئی مقام ہے، کوئی ایک خاص پوزیشن ہے۔ ہمارے ہاں شہرت اور معاشی ترقی کو کامیابی تصور کیا جاتا ہے جو کہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ درحقیقت کامیابی ایک سفر ہے جس میں مسلسل محنت درکار ہوتی ہے۔ کامیابی ایک پراسس ہے۔ اگر آپ کسی منزل پر پہنچ کر اسے ہی سب مان لیں اور اپنا سفر ترک کر دیں تو آپ کامیاب نہیں ہیں۔ پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بل گیٹس 1955ء میں امریکہ کے شہر واشنگٹن کے ایک عام گھرانے میں پیدا ہوا۔ بچپن سے ہی کمپیوٹر نے اس کی توجہ حاصل کر لی۔ بل گیٹس کی زندگی میں ٹرننگ پوائنٹ اس وقت آیا جب وہ پڑھائی میں کمزور ہونے کی وجہ سے ہارورڈ یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ بل گیٹس نے اپنی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اپنے ایک پراجیکٹ پر کام شروع کیا اور کمپیوٹر کی ایک زبان متعارف کروائی۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی مگر بل گیٹس نے اس پر اکتفا نہیں کر لیا بلکہ اس نے اپنے مقاصد کو مزید فروغ دیتے ہوئے میکسیکو میں ایک اور پراجیکٹ پر کام شروع کر دیا۔ اس پراجیکٹ کو دنیا میں مائیکروسافٹ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مائیکروسافٹ کی اس کامیابی نے بل گیٹس کو دنیا کا امیر ترین انسان بنا دیا مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی

بل گیٹس کا سفر تھما نہیں ہے۔ وہ آج بھی مسلسل محنت کرتے ہوئے مائیکروسافٹ کے نئے ورژن ایجاد کر کے دنیا کو بہتر سے بہترین ٹیکنالوجی فراہم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اگر بل گیٹس صرف کمپیوٹر لنگویج ایجاد کر لینے کو کافی سمجھ لیتا تو یقیناً وہ آج اس مقام پر نہیں ہوتا۔ ایک کے بعد ایک مقصد کو حاصل کرنے کی تڑپ ہی اصل کامیابی ہے۔

غلط فہمی 2:

آپ اگر غور کریں تو آپ کو ہمارے ہاں ایسے بہت سے لوگ ملیں جو زندگی میں وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو جاتے ہیں مگر اس کامیابی کو برقرار رکھنا ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ میں نے بذات خود ایسے کئی لوگوں کو دیکھا ہے جنہیں جس تیزی سے ترقی ملی وہ اسی تیزی سے اس مقام کو نہ سنبھال پانے کی بدولت گر گئے۔ میں نے کچھ عرصہ قبل انگلینڈ کے افراد پر کی جانے والی ایک ریسرچ کو پڑھا۔ یہ ریسرچ انگلینڈ کے ایسے لوگوں پر کی گئی تھی جن کی اچانک سے کوئی بڑی لاٹری نکلی تھی اور راتوں رات امراء میں شمار ہونے لگے تھے۔ اس واقعے کے دو سال بعد دوبارہ ان تمام لوگوں سے رابطہ کیا گیا تاکہ ان کا موجودہ حال جانا جا سکے۔ حیرت انگیز طور پر ان میں سے نوے فیصد افراد لاٹری نکلنے کے دو سال بعد دوبارہ اپنی پرانی خستہ حالت میں آ چکے تھے جبکہ باقی دس فیصد افراد کی حالت بھی کچھ زیادہ بہتر نہیں تھی۔ ان تمام افراد کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ اچانک سے بنا پراسس سے گزرے انہیں جو دولت مل گئی یہ اسے سنبھال نہیں پائے۔ حالات کو پرکھتے ہوئے ان بلین ڈالرز کو انویسٹ کرنے یا اس سے کوئی کارآمد کام کرنے کی بجائے وہ اس رقم کو محض ضائع کرتے ہوئے دو سال کے کم عرصے میں ہی اپنی حالتوں میں لوٹ آئے۔ کامیابی حاصل کرنا ایک آرٹ ہے مگر کامیابی کو سنبھال کر رکھنا، یہ آرٹسٹ کا کام ہے۔

ہمارے ہاں اکثر لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں کہ بس ایک بار ہمیں کامیابی مل جائے اسکے بعد ہم دنیا فتح کرلیں گے۔ آپ خود سوچیں کہ اگر آپ کامیابی کے لیے ہی محنت نہیں کر رہے تو کامیابی مل جانے پر اسے سنبھالنے کے لیے کیا خاک محنت کریں گے۔ یاد رکھیے ہماری زندگی میں کسی چیز کے لیے جتنی زیادہ محنت درکار ہو اس چیز کی اہمیت بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ ہمیں ایک بار کوئی مقام، کوئی پوزیشن یا کامیابی مل کر ہماری غفلت اور سستی کی وجہ سے چھن جائے تو ہم اسے جادو ٹونے کا نام دے دیتے ہیں۔ ہماری لا پرواہی کی انتہا ہے کہ ہم غلطی پر ہوتے ہوئے بھی خود کو غلط مان کر محنت سے ان کار کر دیتے ہیں۔

غلط فہمی 3:

دنیا میں بیشتر ایسے لوگ موجود ہیں جو پیسے کی ریل پیل کو کامیابی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک جس انسان کے پاس جتنا زیادہ پیسہ ہوگا وہ اتنا ہی کامیاب تصور کیا جائے گا۔ پیسے کو کامیابی کا پیمانہ بنالینا سراسر غلط ہے۔ آپ خود سوچیے کہ انسان پیسہ کیوں کماتا ہے؟

آسائشات کس لیے پیدا کرتا ہے؟ سکون کے لیے ہی نا؟ آپ کے پاس گھر، گاڑی، پیسہ، بزنس غرض یہ کہ ہر آسائش موجود ہو مگر آپ کو سکون نصیب نہ ہو تو آپ کامیاب نہیں ہیں۔ میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں، بہت سوں سے مل چکا ہوں اور بہت سوں کو پڑھ چکا ہوں جن کی زندگی میں بے شمار آسائشات موجود ہیں، جن کے پاس پیسے کی فراوانی ہے مگر وہ رات کو نیند کی گولی کھاتے ہیں، آئے دن ماہر نفسیات کے پاس جاتے ہیں، ان کی جیب میں ہر وقت اینٹی ڈپریشن گولی موجود ہوتی ہے جس کی وجہ سکون و اطمینان کی کمی ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ صرف پیسہ ہونا کامیابی نہیں ہے۔ جیسے اور آسائشات کامیابی کا ایک رکن تو ضرور ہو سکتی ہیں لیکن

مکمل کامیابی کو آپ سکون، اطمینان اور خوشی کے بغیر نہیں ماپ سکتے۔

میرے نزدیک ذہنی اور قلبی سکون پالینا حقیقی کامیابی ہے۔کسی کی دعاؤں کے حصار میں رہنا، کسی کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جانا کامیابی ہے۔آپ کتنے ہی دولت مند کیوں نہ ہو جائیں لیکن اگر آپ کے گھر کے ملازمین آپ سے خوش نہیں ہیں یا آپ کے آفس کا کلرک اور باقی کا عملہ جھولی اٹھائے آپ کو دل سے دعا نہیں دے پاتا تو آپ ناکام ہیں۔میں نے ہزاروں لوگ دیکھیں ہیں، روز ایسے کئی افراد سے ملتا ہوں جو ہر دوسرے انسان سے دعا کی درخواست کرتے رہتے ہیں۔دعائیں کرواتے ہوئے تو آپ سب نے بے شمار لوگ دیکھے ہوں گے پر کیا آپ نے کبھی دعائیں لیتے ہوئے کسی کو دیکھا ہے؟ کامیابی لوگوں سے دعائیں لینے کا نام ہے اور ہر کامیاب انسان اس گر کا ماہر ہوتا ہے، اسے لوگوں سے دعائیں لینا آتی ہیں۔کامیاب لوگوں کو کسی سے دعا کے لیے کہنا نہیں پڑتا، لوگ خوشی سے جھولی اٹھائے ان کے لیے سچے دل سے دعا کرتے ہیں۔

ہمیں اس رویے، اس attitude کو بدلنے کی ضرورت ہے جو ہمیں کامیابی کے نام پر پیسے کا غلام بنائے رکھتا ہے اور ہم اپنی خوشیوں کو بھی پیسے پر قربان کر دیتے ہیں۔اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو انجوائے کرنا بہت اہمیت کا حامل ہے۔یاد رکھیں خوشیوں پر کمپرومائز کرنا آپ کو نا کام تو بنا سکتا ہے پر کامیاب نہیں بنا سکتا لہذا کامیابی کو خوشیوں میں تلاش کریں دولت میں نہیں موجودہ دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو یہ بتائیں، انہیں سکھائیں کہ خوشی کیا ہے اور خوش کیسے رہا جاتا ہے۔دولت کمانا تو خوب سکھا لیا آئے اب اپنی نئی نسل کو خوش رہنا بھی سکھاتے ہیں۔

غلط فہمی 4:

قاسم علی شاہ کہتے ہیں کہ:

''بڑی کامیابیاں بڑی دیر بعد آتی ہیں۔ کامیابی کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں اور مسائل آتے ہیں''۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسائل ہی انسان کی کامیابی کی اصل نوید ہیں۔ اگر انسان ان مشکلات سے نہ لڑے تو وہ اپنے آپ کو اور اپنی صلاحیتوں کو جان ہی نہیں پائے گا اور خود سے لاعلمی اسے کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گی۔ یہ مشکلات تو ہمیں مضبوط بنانے کے لیے آتی ہیں اور جوان مشکلات کا ہمت سے سامنا کرتا ہے کامیابی کے راستے اس پر کھل جاتے ہیں۔ بابا جی سے چند ایک ملاقاتوں کے بعد ایک روز وہ کہنے لگے کہ:

''پتر! زندگی میں مسائل آئیں تو کمر باندھ کر میدان میں اتر جا۔''

میں نے کہا کہ بابا جی میں آپ کی بات نہیں سمجھ پایا۔ کہنے لگے:

''پتر جو لوگ مسائل اور رکاوٹوں سے بھاگتے ہیں نا وہ راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ رکاوٹوں سے بھاگ کر کامیابی تک نہیں پہنچا جا سکتا کیونکہ یہ رکاوٹیں اور مسائل ہی تو ہمیں کامیابی تک لے کر جاتے ہیں۔ مسائل سے گھبرانے کے بجائے کمر باندھ اور میدان میں اتر، مقابلہ کر ان مشکلات اور مسائل کا۔ ان پر قابو پا لینے سے تمہاری ہمت اور حوصلہ بڑھ جائے گا اور دیکھنا آج ان کا سامنا کر لیا تو آئندہ زیادہ ہمت اور بہادری کے ساتھ میدان میں اترنے کے قابل ہو جاؤ گے''۔

بابا جی کی ان باتوں کے جواب میں، میں نے مسکراتے ہوئے شرارتاً سوال کیا کہ کیا ضروری ہے کمر باندھ کر میدان میں اترا جائے؟ بابا جی بھی مسکرا دیے اور سمجھاتے ہوئے بولے:

''یہ مسائل اور وقتی ناکامیاں انسان کو کامیاب بنانے کے لیے آتی ہیں ان سے بھاگ کر انسان کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اپنی تمام تر لگن اور جستجو کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرنے والے کامیابی حاصل کر لیتے ہیں''۔

اکثر اوقات لوگ کسی سے عداوت یا ناراضگی میں کہہ جاتے ہیں کہ میرا وقت آنے دو پھر میں تم سے نمٹوں گا۔ ایسے لوگ سالہا سال دلوں میں رنجشیں پالے زندگی کی گاڑی چلاتے رہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ نفرتوں اور عداوتوں میں کچھ نہیں رکھا۔ اگر آپ کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے دل کو بھی بڑا کریں۔ درگزر کرنے والے بنیں۔ کامیاب لوگوں پر تنقید کرنے والے ہزاروں لوگ موجود ہوتے ہیں مگر دنیا کے کسی بھی کامیاب انسان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ دل میں نفرت یا رنجشیں پال کر بیٹھا رہے۔ بڑے لوگوں کے دل بھی بڑے ہوتے ہیں۔ یہ بڑے لوگ، کامیاب لوگ، اپنے آفس کے دروازے پر کھڑے گارڈ سے لے کر سڑک پر بیٹھے کسی نشہ کرنے والے کی تنقید کو بھی توجہ سے سنتے ہیں۔ اس سننے کا مقصد اپنی اصلاح یا کچھ سیکھنے کی کوشش ہوتا ہے۔ آپ کبھی کسی کامیاب انسان کو لوگوں سے بحث کرتے اور دل میں بغض پالتے نہیں دیکھیں گے۔ یہ لوگ کڑوی سے کڑوی بات بھی سیکھنے کی نیت سے سنتے ہیں اور پھر کہنے والے کے ہی شکر گزار بن جاتے ہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ مستقبل میں کسی عہدے پر پہنچ کر آپ اپنی عداوتوں کا بدلہ لے سکیں گے تو یاد رکھیں آپ کامیابی کے صحیح مفہوم سے ناآشنا ہیں۔

غلط فہمی 5:

ایک بزرگ کا قول ہے:

''انسان نے ہمیشہ جلد بازی کا پھل ندامت ہی پایا ہے''۔

کسی بھی کام کو بنا تاخیر کے کر لینا یا کام کا ہو جانا جلدی کہلاتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں لوگ بھی اپنے معاملات میں، فیصلوں میں اور کامیابی حاصل کرنے میں جلد بازی کی کوششیں کرتے ہیں۔زندگی میں جو لوگ ناکام ہوتے ہیں ان کی ناکامی کی ایک بہت بڑی وجہ بھی یہی جلد بازی ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان جلد بازی کر کے پیسے تو کما سکتا ہے، دولت مند بھی ہو سکتا ہے مگر کامیاب ہونا ممکن نہیں۔ کامیابی حادثہ نہیں ہے کہ بس اچانک کچھ ہوا اور انسان کامیابی کی بلندیوں پر جا پہنچا۔ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص راتوں رات کسی لاٹری کی بنا پر، یا وراثت کا حصہ مل جانے یا کسی پراپرٹی کی بنا پر دولت مند ہو جائے مگر کوئی شخص بنا محنت اور بنا پراسیس سے گزرے کامیابی حاصل کر لے، یہ ناممکن ہے۔

یہ بات لکھ لیجیے کہ کامیابی کا کوئی شارٹ کٹ (shortcut) نہیں ہے۔ ہر اہم چیز کی طرح کامیابی کے بھی اپنے قاعدے اور قوانین ہیں۔ کامیابی ایک مسلسل سفر ہے جس پر چلتے چلتے انسان بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔ راستہ ترک کر دیا جائے تو منزلیں کیسے نصیب بن سکتی ہیں۔

انسان اگر یہ سمجھے کہ وہ تن تنہائی کامیابی حاصل کر سکتا ہے تو ایسا ممکن نہیں ہے۔ کامیابی کے اس سفر میں ہمیں راہ نمائی کی ضرورت رہتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کامیاب لوگوں سے انسان بہت کچھ سیکھتا ہے، ان کا اٹھنا بیٹھنا، ان کا لائف سٹائل، ان کی عادات اور اقدار عام انسان کی کامیابی کے لیے مسلسل موٹیویشن کا باعث بنتے ہیں۔ کامیابی حاصل کرنے کے لیے انسان کی زندگی میں کسی رول ماڈل کا ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ رول ماڈل ہمارے استاد، راہنما، من نور، موٹیویشنل سپیکر یا ہمارا کوئی خاص دوست اور عزیز رشتہ دار بھی ہو سکتا ہے۔ پر ایک بات یاد رکھیں، کامیابی کے لیے رول ماڈل کا انتخاب بھی کامیاب انسان ہی ہونا چاہیے جو علم اور عمل میں

یکساں ہو۔عقل اس بات کوتسلیم ہی نہیں کرسکتی کہ کامیاب انسان کا راہ نما کوئی کم عقل اور ناکام انسان بنے جسے نا توعلم پر دسترس حاصل ہو اور نا عملی طور پر وہ کسی قابل ہو۔آپ کا رول ماڈل زندگی کے تجربات سے بہت کچھ سیکھ چکا ہوتا ہے اور وہ ان تمام تجربات کو آپ تک احسن طریقے سے پہنچاتا ہے جس سے نہ صرف آپ کا وقت بچتا ہے بلکہ آپ زندگی میں بہت سے غلط فیصلے کرنے سے بھی بچ جاتے ہیں۔ یادرکھیے! کامیابی صبر اور ہمت کرنے سے ملتی ہے۔جلد بازی کرنے والے کامیابی تک نہیں پہنچ پاتے ۔اور یہ جلد بازی اکثر انسان کو راستے سے بھٹکا کر ناکامی کی راہوں میں بھٹکا دیتی ہے۔کامیابی کے لیے اپنے راہ نما کے انتخاب کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کومحنت کا پابند بنائیں تا کہ جب آپ کو کامیابی ملے تو آپ کا دل مطمئن ہو۔

غلط فہمی 6:

ہمارے ہاں ایک عام مزاج پایا جاتا ہے کہ ہم اپنی ذات، اپنے آپ اور اپنے مفاد کے بارے میں سوچنے کو ہی کامیابی مان لیتے ہیں۔ہم ہوں اور ہمارے پاس دنیا کی ہر آسائش موجود ہو تو ہم خود کو کامیاب سمجھنے لگتے ہیں۔ہم بھی اپنی ذات سے ماورا ہو کر دوسروں کے لیے بھلا سوچنے، ان کی فلاح کے لیے جدو جہد کرنے، ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنے اور انہیں بھی کامیاب ہوتا دیکھنے کے بارے میں کبھی نہیں سوچتے۔محض اپنی ذات اور ذاتی مفاد کو کامیابی سمجھ لینا کامیابی نہیں بلکہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ یادرکھیں! ہماری کامیابی کا راستہ ہمارے اپنوں سے ہوکر گزرتا ہے۔جو انسان اپنے ساتھ ساتھ اپنے معاشرے، اور اپنے لوگوں کی فلاح اور کامیابی کے بارے میں سوچتا ہے، ان کی فکر کرتا ہے درحقیقت وہی کامیاب ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار حکیم صاحب سے پوچھا گیا کہ:

''زندگی میں کامیابی کیسے حاصل ہوتی ہے؟''

حکیم صاحب نے جواب دینے کی بجائے سوال کرنے والے کو گھر دعوت پر بلا لیا اور کہا کہ جواب بھی رات کے کھانے پر دیں گے۔ رات کے کھانے میں کچھ لڑکے حکیم صاحب کے گھر میں اکٹھے ہو گئے۔ حکیم صاحب نے سب سے پہلے بڑے سے برتن میں لڑکوں کو سوپ پیش کیا اور سوپ پینے کے لیے ہر لڑکے کو 1 میٹر لمبا چمچ دے دیا۔ جب سب سے کہا گیا کہ وہ اپنے اپنے چمچ سے سوپ پئیں تو تمام کے تمام ایسا کرنے میں ناکام ہو گئے۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے ایک چمچ اٹھایا، سوپ سے بھر کر اسے اپنے سامنے والے شخص کے منہ سے لگا دیا۔ باقی سب نے بھی حکیم صاحب کی دیکھا دیکھی ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح نہ صرف سب نے سوپ پیا بلکہ سب کی بھوک بھی ختم ہو گئی۔ اس تجربے کے بعد حکیم صاحب کھڑے ہوتے ہوئے بولے کہ:

''جو شخص زندگی کے دسترخوان پر اپنا ہی پیٹ بھرنے کا فیصلہ کر لے، وہ ہمیشہ بھوکا ہی رہتا ہے اور جو شخص دوسروں کو کھانے کی فکر میں لگ جائے تو وہ کبھی خود بھی بھوکا نہیں رہتا۔ دینے والا لینے والے کی نسبت ہمیشہ فائدے میں رہتا ہے''۔

زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جو بھی شخص محض اپنے آپ پر توجہ دیتے ہوئے اپنے بارے میں سوچے تو اس کے لیے کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ کامیاب انسان اپنے ساتھ دوسروں کو بھی کامیاب کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔ کامیاب افراد اپنے دلوں کو بہت بڑا اور بہت صاف رکھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں لوگوں کے لیے بغض، حسد اور نفرتیں نہیں ہوتیں۔ وہ لوگوں میں آسانیاں بانٹتے ہیں اور آسانیاں پیدا کرنے کا سوچتے ہیں۔ کامیاب لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں کہ خدا کو اپنے بندے بہت عزیز ہیں اور اگر ہم اللہ کے بندوں کے لیے آسانی پیدا کرنے والے بن جائیں گے تو خدا ہمارے راستے اور ہماری منزل ہمارے لیے

آسان کر دے گا۔ آپ کو زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے سچے دل سے اپنے دوست اور احباب کی بھلائی کا سوچنا ہوگا کیونکہ ان کے بغیر آپ کی کامیابی بھی مشکل ہے۔ ایک بات ذہن نشین کر لیجیے کہ ہم سب انسانوں کی خوشیاں اور کامیابیاں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ ہماری خوشیوں اور کامیابیوں کا راستہ دوسروں کی کامیابی سے ہو کر گزرتا ہے۔

(ماخوذ: سنو تم ستارے ہو ص/ ۲۱۶۔ ۲۲۳)

سستی، کاہلی، ایک دشمن

یہ تساہل سست روی ٹال مٹول تاخیر اور پھر کبھی ہمارے دشمن اور ہمارے مستقبل کے لیے انتہائی تباہ کن ہیں۔ یہ نشہ آور چیزوں سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔ جو شخص نشہ کرتا ہے وہ معاشرے سے کافی حد تک کٹ جاتا ہے مگر تساہل اور سست روی کا شکار فرد معاشرے میں شامل رہ کر معاشرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ہمارے دفاتر ہوں، کاروبار ہوں یا گھریلو زندگی ہر جگہ اس تساہل والے مزاج نے مسائل پیدا کیے ہوئے ہیں۔

امام عبدالرحمن ابن جوزی (۵۱۱-۵۹۷ھ) نے اپنی کتاب منہاج القاصدین میں توبہ کے باب میں تسویف (آئندہ کرلوں گا) کے بارے میں لکھا ہے:

''آئندہ پر ٹالنے والے بالعموم ہلاک ہوتے ہیں کیوں کہ وہ ایک ہی جیسی دو چیزوں میں فرق کر جاتے ہیں۔ آئندہ پر ٹالنے والے کی مثال اس آدمی کی سی ہے جسے ایک درخت اکھاڑنا ہو۔ وہ دیکھے کہ درخت بہت مضبوط ہے، شدید مشقت سے اکھڑے گا، تو وہ کہے کہ میں اس کو اکھاڑنے کے لیے ایک سال کے بعد آؤں گا۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ درخت جتنی مدت باقی رہے گا، مضبوط ہوتا جائے گا اور خود اس کی جتنی عمر گزرتی جائے گی، وہ کمزور ہوتا جائے گا۔ جب وہ طاقتور ہونے کے باوجود درخت کو کمزوری کی حالت میں اسے نہیں اکھاڑ سکتا تو جب وہ کمزور ہوجائے گا وہ درخت زیادہ طاقتور، تو پھر اس پر کیسے غالب آسکے گا۔''

تساہل کیا ہے؟

مزاج اور رویے کے باعث اہم چیزوں کو غیر اہم امور کے مقابلے میں مؤخر کرنے کے عمل کو تساہل یا ٹال مٹول کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کے لیے پروکرسٹی نیشن

(Procrastination) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ہم بعض اہم کاموں کو اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ انہیں کرنے کا موڈ نہیں ہوتا، بعض اوقات اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ انہیں کرنے کے لیے مناسب وقت اور سکون میسر نہیں ہوتا اور بعض اوقات اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ کرنے کے لیے ابھی کافی وقت اور عمر باقی ہے۔ ہم اللہ کی نعمت ''وقت'' کو رائیگاں کرتے رہتے ہیں۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

جونہی آنے والے دن کی پو پھٹتی ہے تو وہ آواز لگاتا ہے: اے آدم کی اولاد! میں اللہ کی نئی تخلیق ہوں اور تمہارے اعمال کا گواہ، اس لیے مجھ سے آج نہیں تو کبھی نہیں جتنا زیادہ زادراہ لے سکتے ہو لے لو، میں پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔''

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو دو دھڑکے لگے رہتے ہیں، ایک اس کا ماضی جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے کیا نتائج ظاہر کرے گا اور دوسرا اس کا مستقبل جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق کیا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اس لیے آدمی کو اپنی جان کی خاطر اپنی جان کو، آخرت کی خاطر دنیا کو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے زندگی کو کام میں لانا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ٹال مٹول شیطان کا شعار ہے جس کو وہ مسلمانوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ عمر کے سانسوں میں سے ہر سانس ایک نفیس جوہر ہے جس کا معاوضہ کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

کل کا تصور:

ہماری زندگی میں کل (آئندہ آنے والا دن یا زمانہ) کا لفظ بھی ایک دھوکا ہے جو انسان کو وقت ضائع کرنے کی شرم اور افسوس سے بچاتا رہتا ہے۔ انسان کی زبان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو کل کے لفظ کی طرح اتنے گناہوں، اتنی حماقتوں، اتنی وعدہ خلافیوں، اتنی بے جا اُمیدوں،

اتنی غفلتوں، اتنی بے پرائیوں اور اتنی برباد ہونے والی زندگیوں کے لیے جواب دہ ہو، کیوں کہ اس کی آنے والی ''کل'' یعنی ''فردا'' کبھی نہیں آتی۔ وقت ایک دفعہ گزر گیا، مر گیا، تو اس کو پڑا رہنے دو۔ اب اس کے ساتھ اور کچھ نہیں کرنا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کی قبر پر آنسو بہاؤ۔ آج کی طرف لوٹ آؤ مگر لوگ اس کی طرف نہیں لوٹتے اور عملاً فرداً (آنے والا کل) کو کبھی امروز (آج کا دن) نہیں ہونے دیتے۔

داناؤں کے رجسٹروں میں "کل" کا لفظ کہیں نہیں ملتا، البتہ بے وقوفوں کی جنتریوں میں یہ تعارف، تجزیہ، عذرات اور وجوہات بکثرت مل سکتا ہے۔ یہ تو محض بچوں کا بہلاوا ہے کہ فلاں کھلونا تم کو کل دے دیا جائے گا۔ کل کا لفظ تو ایسے لوگوں کے لیے ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ کامیابی کی شاہراہ پر بے شمار اپاہج سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام عمر ''کل'' کا تعاقب کرتے ہوئے ضائع کر دی اور اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھود لی ہے۔ ہم اسی دھوکے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے کہ کل ہمارے لیے اچھی نعمتیں اور فائدہ مند اشیا لائے گا مگر وہ تو آتا ہی نہیں۔ اسی طرح ایک اور رویہ ''پھر کبھی'' کا ہے، جو کام مکمل ہوسکتا ہے وہ آج کیوں کریں اور آنے والا کل خود کام کے لیے سازگار حالات پیدا کرے گا۔ یہ رویہ یقیناً ہم لوگوں کے لیے بحیثیت فرد، بحیثیت قوم اور بحیثیت اُمت نقصان دہ ہے۔

اہم اور ضروری نوعیت کے کام جن کی تکمیل سے ہمارا ذاتی، معاشی، معاشرتی اور قومی مفاد وابستہ ہے، ہم خواہ مخواہ ملتوی کر لیتے ہیں اور ان کی بجائے ایسے کام کرنے لگتے ہیں جن کی بہت ضرورت نہیں ہوتی۔ بس ہم اس لیے دوسرے کام کرنے لگتے ہیں کہ اس میں لذت ملتی ہے، طبیعت کے تساہل کو عذر فراہم ہو جاتا ہے، اور اپنی ذات کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ

مل جاتا ہے۔ٹال مٹول کرنے والے لوگ کہتے ہیں کہ جب کام کا وقت آئے گا،اس وقت دیکھ لیں گے۔آج اس معاملے میں پریشان ہوکر اپنے دن کو کیوں خراب کریں۔جب دباؤ آئے گا توسب کام ہو جائیں گے۔بعض لوگوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ آخری لمحے میں کام کریں۔اس کا اپنا مزا ہوتا ہے۔جیسے عید کی رات کو خریداری،انکم ٹیکس کی ادائیگی کی آخری تاریخ کو گوشوارہ بنانا، بجلی،گیس، ٹیلی فون کا بل آخری تاریخ کو جمع کرنا وغیرہ۔شاید اس انداز سے وہ خود تکلیف اٹھا کر اور دوسروں کو تکلیف پہنچا کر مزا لینے کی کوشش کرتے ہیں؟

کچھ لوگوں کی زندگی کی ترجیحات ہی واضح نہیں ہوتیں۔جب منزل متعین نہ ہو تو سفر کیسے طے ہوگا۔امام ابن جوزی اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ اگر صفرا کی زیادتی کا مریض سکنجبین پینے کے بجائے سکنجبین بنانے کی ترکیب سیکھنے میں عمر برباد کر دے تو وہ یقیناً دھوکے میں مبتلا ہے۔ آگے فرمایا: خوش قسمت وہ ہے، جو اپنی اہم ضرورت کو حاصل کرے، دوسری کو چھوڑ دے، عمل کی طرف توجہ کرے اور اس کو مقصود اصل جانے۔" (یعنی آج کی زبان میں ترجیحات کا تعین کرے اور اس پر عمل آج نہیں تو کبھی نہیں پیرا ہو جائے)۔

ہماری مسلسل زندگی پر تساہل کے اثرات:

تساہل ایک غیر محسوس بیماری اور خود ملامتی سے بھرپور نشہ ہے۔اس سے انسان لذت لیتا ہے۔یہ انفرادی مرض بھی ہے، معاشرتی بھی اور قومی بھی۔اس کے اثرات بھی سخت ہیں۔ذیل میں اس موضوع کے دو ماہرین جین بی برکا اور لینورا ایم یوآن کی کتاب Procrastintion سے ان اثرات کی فہرست دی جا رہی ہے۔

ممکنہ خارجی اثرات:

اعتماد اور عزت میں کمی۔

دوستوں اور اہل خاندان کے ساتھ تنازعات،. ساتھیوں اور ہم عصر افراد سے اختلاف و ناراضی۔

افسر بالا سے اختلاف و ناراضی۔

ملازمت کا نقصان یا بے دخلی

سرکاری جرمانے۔

مالیاتی نقصان۔

حادثات یا جسمانی تکلیف۔

ممکنہ داخلی اثرات:

احساس کمتری۔

شرمندگی اور پشیمانی۔

یکسوئی کا نہ ہونا۔

سرگرمیوں میں شریک نہ ہونا۔

خود ملامتی۔

اضطراب۔

گھٹن۔

جسمانی تکلیف یا بیماری۔

تنہائی پسندی۔

(آج نہیں تو کبھی نہیں، ص/۱۱، ۱۴۔ از محمد بشیر جمعہ)

اچھی عادات

کامیاب ہونے کے لیے آپ کو ایک خاص قسم کا انسان بننا ہوگا۔ انسان دراصل عادات کا مجموعہ ہے، کامیابی کے لیے آپ کو کچھ عادتیں چھوڑنا ہوں گی اور کچھ اچھی عادات اپنانا ہوں گی۔ کامیابی دراصل اچھی عادات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جب کہ ناکامی غلط عادات کا نتیجہ ہے۔ عادت یا تو بہترین خدمت گار ہوتی ہے یا بدترین آقا۔

جدید نفسیات کی ریسرچ کی روشنی میں آپ زندگی میں جو کچھ بھی کرتے ہیں اس میں 95 فی صد کا انحصار آپ کی عادتوں پر ہے۔ ایک اور ریسرچ کے مطابق ہمارا 90 فی صد نارمل رویہ عادات پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ کامیاب لوگ اچھی عادات رکھتے ہیں جب کہ ناکام لوگ بری عادات کا شکار ہوتے ہیں۔ اچھی عادات اپنانا مشکل ہے مگر اچھی عادات کے ساتھ زندگی گزارنا بہت آسان ہے۔ اس کے برعکس بری عادات اپنانا آسان ہے مگر ان کے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔ اس وقت آپ جو بھی عادات رکھتے ہیں، آپ کی موجودہ زندگی آپ کی انہی عادات کا ثمر ہے۔ آپ کے مستقبل اور معیار زندگی کا انحصار آپ کی عادات پر ہوگا، یعنی آپ کی عادات آپ کے مستقبل کا فیصلہ کرتی ہیں۔

درحقیقت آپ جو کچھ بھی کرتے ہیں، وہ کسی عادت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بات کرنے، کام کرنے، گاڑی چلانے اور سوچنے وغیرہ کا طریقہ اکثر عادتا ہوتا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں اچھی عادات ہمارے کردار کی بنیاد ہمارے تمام تجربات ہیں جو بچپن سے شروع ہوتے ہیں۔ ہماری تقریباً 95 فی صد حرکات و کردار خود کار اور غیر شعوری ہوتے ہیں۔ آپ جیسا انسان بننا چاہتے ہیں اس میں سب سے بڑی رکاوٹ آپ کی عادات ہیں۔

اگر آپ بہت کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی بعض عادات ترک کرنا ہوں گی، مثلاً دیر سے اٹھنا، محنت سے جی چرانا، کام میں بہت لیت ولعل کرنا، جلد فیصلہ نہ کرنا، غیر مستقل مزاج ہونا اور زیادہ ٹی وی دیکھنا وغیرہ۔ کامیابی کے لیے آپ کو ان عادات کی بجائے اچھی عادات اپنانا ہوں گی۔ ہمارے خیال میں کامیاب لوگ مندرجہ ذیل اچھی عادات رکھتے ہیں۔ اگر آپ بھی کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو بھی یہ عادات اپنانا ہوں گی:

1۔ایمان داری:

مشہور ریسرچ سکالر ڈاکٹر تھامس سٹینلے نے کامیابی کی وجوہات میں ایمان داری کو سرفہرست قرار دیا ہے۔ یعنی کامیابی خصوصاً مالی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ ایمان داری ہے۔ ایک ریسرچ کے مطابق امریکہ میں 98 فی صد بزنس مین ایمان دار ہیں۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے اکثریت بددیانت ہے۔ جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

”سچے اور امانت دار تاجر کو (آخرت میں) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کی رفاقت نصیب ہوگی۔“

(ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

”چار خصلتیں جس شخص میں ہوں گی وہ پکا منافق ہوگا۔ (ان میں سے ایک یہ ہے) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے۔“

(بخاری، مسلم)

ایمان داری کا مطلب یہ ہے کہ آپ کبھی اپنے حصے سے زیادہ نہ لیں اور کسی طرح اس چیز کو قبول نہ کریں جس پر آپ نے محنت نہیں کی۔ بددیانتی کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً کم تولنا، کم

ماپنا، اچھی چیز کہہ کر خراب چیز دینا وغیرہ۔ بد دیانتی کبھی چھپی نہیں رہتی، آج نہیں تو کل پکڑی جائے گی۔ بد دیانتی کی بنیاد جھوٹ ہے۔ مومن کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا یہ نہ صرف گناہ کبیرہ ہے بلکہ اس کے اور بھی بہت سے نقصانات ہیں۔

اس سے فرد کی ساری ایمان داری مشکوک ہو جاتی ہے۔ اگر فرد کو زندگی کے ایک شعبہ میں جھوٹ بولنا پڑے تو دوسرے شعبوں میں بھی بولنا پڑے گا۔ جھوٹ کبھی چھپا نہیں رہتا، اور جب ایک بار پکڑا جائے تو پھر فرد کی ہر چیز مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے دوسرے بہت سے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت۔'' (سورۃ آل عمران۔61)

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے:

''جھوٹ برائیوں کی طرف لے جاتا ہے اور برائیاں جہنم تک پہنچا دیتی ہیں اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''

(بخاری، مسلم)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

''منافق کی ایک خصلت یہ ہے کہ جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔ (بخاری)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے" جو شخص کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا ان کو دھوکا دے وہ ملعون ہے۔" (ترندی)

جب ہم لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں تو اپنے آپ کو سمارٹ اور ہوشیار محسوس کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ طاقت اور کنٹرول کا احساس بھی محسوس کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ احساسات بالکل

عارضی ہوتے ہیں اور جب جھوٹ پکڑا جاتا ہے تو پھر ہماری ہر چیز تباہ ہوجاتی ہے۔

ہم جھوٹ کیوں بولتے ہیں:

اکثر اوقات ہم اپنے فخر اور توقیر ذات (Self esteem) کو محفوظ کرنے یا بڑھانے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ جھوٹ کھل جانے کے بعد لوگ ہمارے بارے میں کمزور رائے رکھیں گے۔ اکثر اوقات ہم جھوٹ نہیں بولتے بلکہ مبالغہ کرتے ہیں۔ تاہم مبالغہ بھی جھوٹ ہے۔

جب ہم کسی چیز کی ذمہ داری قبول کرنا نہیں چاہتے تو جھوٹ بولتے ہیں۔

کسی پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے کے لیے بھی ہم جھوٹ بول دیتے ہیں۔ اکثر اوقات گھٹیا مالی مفادات کے حصول کے لیے جھوٹ بولا جاتا ہے۔

بعض اوقات ہم کسی دوسرے کو بچانے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں یہ بدترین جھوٹ ہے۔

اگر آپ دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ایماندار بنیں۔ یہ زیادہ اعلیٰ بات ہے۔ یہ آپ کے لیے کامیابی کے بہت سے دروازے کھول دے گی۔

2- عاجزی یا منکسر المزاجی:

زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے ایک بنیادی خوبی منکسر المزاجی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو علم ہو کہ آپ کیا کچھ نہیں کر سکتے مگر اس کا اظہار کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر آپ کو علم ہو کہ آپ کیا کچھ کر سکتے ہیں تو آپ مغرور ہو جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں۔ مغرور فرد اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ ویسے بھی اس سے بہت سے

مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب ہم اپنی حدود اور خامیوں سے آگاہ نہ ہوں تو ان کے بُرے نتائج کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔ ہم بے صبرے بن جاتے ہیں۔ ہماری ترقی رک جاتی ہے۔ اگر ہم غرور کا شکار ہو جائیں تو پھر ہم اپنے آپ کو حقیقت سے زیادہ قابل سمجھنے لگتے ہیں۔ پھر ہم ترقی اور شخصی بہتری یعنی اپنے آپ کو بہتر بنانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

انکساری، غرور، فخر اور تکبر کا الٹ ہے۔ عاجزی فرد کے لیے ترقی اور کامیابی کے دروازے کھولتی ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ عاجز اور منکسر المزاج جاپانی قوم ہے۔ اس کی ترقی کے کیا کہنے۔

اس کا حل یہ ہے کہ جب کوئی ہماری تعریف کرے تو اس کا کریڈٹ ہم دوسروں کو دیں۔ اس کا کریڈٹ ہم اپنے والدین، اساتذہ، کوچ، گرو، ساتھیوں اور رب کریم کو دے سکتے ہیں۔ تاہم اس میں آپ مخلص ہوں نہ کہ صرف اس لیے کہ یہ ایک شائستہ چیز ہے۔ اپنے باس کے سامنے کبھی بھی کریڈٹ نہیں لینا چاہیے بلکہ اسے مشترکہ کوشش اور اپنے ماتحت عملے کی بھرپور کوشش اور تعاون کا نتیجہ قرار دیں۔ اس طرح آپ کے ماتحت آپ کی عزت کریں گے اور آئندہ زیادہ کام اور تعاون کریں گے۔

اگر ہم صرف انکساری اور عاجزی ظاہر کریں تو اس کے مثبت اثرات عارضی ہوں گے۔ لوگوں کو علم ہو جائے گا کہ آپ صرف ظاہری طور پر ایسا کر رہے ہیں پھر وہ آپ پر اعتماد نہیں کریں گے۔ اس طرح ان کا ردعمل منفی ہوگا۔ یعنی پُرخلوص ہوں۔ اگر بغور دیکھا جائے تو اکثر کامیابی مشترکہ کوشش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مگر ایسا بھی نہ کریں کہ اپنی کامیابیاں دوسروں پر تھوپ دیں۔ اپنی کامیابیوں سے دوسروں کو حقیر نہ بنائیں یعنی ان سے دوسرے تحقیر محسوس نہ کریں۔ عاجزی کرتے کرتے اپنے آپ کو بالکل حقیر نہ بنا دیں۔

3-صبر:

صبر کرنا بھی کامیاب لوگوں کی ایک اہم خوبی ہے۔ جب ہم صبر کرتے ہیں تو چیزیں تیزی سے ہماری طرف آتی ہیں۔ بہت سے بزنس مین اس چیز کی تصدیق کرتے ہیں کہ بعض اوقات بہترین چیز صرف انتظار کرنا ہوتا ہے۔ایسے موقع پر کچھ نہ کرنا اہم ترین کرنا ہوتا ہے۔ جو لوگ اس چیز کو نہیں سمجھتے وہ کوشش کرتے رہیں گے اور حالات کو خراب کرلیں گے۔اہم بات یہ ہے کہ صبر کریں اور اس دوران حالات کے مطابق مزید معلومات اکٹھی کرتے رہیں۔

صبر کرنے سے مراد یہ نہیں کہ آپ آنکھیں بند کرکے، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پُر امید ہو کر انتظار کرتے رہیں۔انتظار با مقصد ہو، یہ معلومات اکٹھی کرنے اور مناسب منصوبہ بندی پر مشتمل ہو۔ اگر آپ صبر نہیں کریں گے اور بے صبری کا مظاہرہ کریں گے تو آپ کو ناکامی کا سامنا ہوگا۔ایک صاحب نے ایک بہت خوبصورت ریسٹورنٹ کھولا۔اس کی خوب تشہیر کی وہ اسے جلد شروع کرنا چاہتے تھے۔ان کے عملے کا خیال تھا کہ کچھ دیر لگ جائے گی مگر مالک کا خیال تھا کہ مقررہ تاریخ تک سارے کام مکمل ہو جائیں گے۔ افتتاح کے دن بہت سے لوگ ذوق شوق سے نئے ریسٹورنٹ میں شان دار کھانا کھانے آئے۔جلد ہی ریسٹورنٹ بھر گیا۔لوگ بہت شوق سے آرڈر دینے لگے۔ریسٹورنٹ میں اکثر چیزیں تیار نہ تھیں جس کی وجہ سے اکثر گاہکوں کی فرمائشیں پوری نہ ہو سکیں، نتیجاً اس بے صبری کی وجہ سے ایک شان دار ریسٹورنٹ فیل ہو گیا۔غرور، حرص اور لالچ بے صبری کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ ہر فرد جلد کامیاب ہونا چاہتا ہے جب کہ کامیابی صبر مانگتی ہے۔بے صبری کی وجہ سے اکثر بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔صابر کسی طرح نہیں؟

1۔ پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھیں کہ چیزیں وقت لیتی ہیں۔ہم کام کی تکمیل کے سلسلے میں

توقع سے کچھ زیادہ وقت دیں مثلاً دس دن کی بجائے 12 دن کی مدت مقرر کریں۔ کام کی تعمیل کی مدت اندازے سے کچھ زیادہ رکھیں تاکہ اگر کسی وجہ سے دیر ہو جائے، کوئی رکاوٹ آ جائے تو آپ مایوس، مضطرب اور شرمندہ نہ ہوں۔

2۔ انتظار کے وقت کو اچھے انداز سے استعمال کریں۔ کوئی ہنر سیکھیں، مزید معلومات حاصل کریں۔ کسی کم اہم مسئلے کو حل کریں۔ مگر کسی بڑے اور اہم پراجیکٹ پر کام نہ کریں۔ اس سے پہلے پراجیکٹ پر توجہ کم ہو جائے گی۔

آرام سے بیٹھ کر اپنے گول کے حوالے سے ایک تفصیلی پلان بنائیں۔ اس سے آپ کا صبر زیادہ مفید اور با مقصد ہو جائے گا۔

یہ بات یاد رکھیں کوئی بھی مقصد جلد حاصل نہیں ہوتا۔ کسی اہم منزل کی طرف کوئی شارٹ کٹ نہیں ہوتا۔ ملازمت میں عموماً پہلی ترقی میں 3 سال لگ جاتے ہیں۔ کسی بزنس کو کامیاب ہونے میں 3 تا 5 سال لگ جاتے ہیں۔ عموماً پہلی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔ اگر آپ اچھی پلاننگ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ نے کب کام کرنا ہے اور کب انتظار۔ صبر کریں انشاء اللہ آپ کو منزل جلد مل جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا اس کے ساتھ ہے جس نے صبر کیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے، من صبر ظفر، جس نے صبر کیا وہ کامیاب ہوا۔

4۔ شکر گزاری:

افلاطون نے ایک بار کہا تھا کہ "جب آپ شکر گزاری محسوس کرتے ہیں تو آپ بڑے بن جاتے ہیں اور آخر کار بڑی چیزیں حاصل کرتے ہیں۔" ایک اور مفکر نے کہا کہ شکر گزاری اچھائیوں کی ماں ہے۔ شکر گزاری نہ صرف اچھائیوں بلکہ تمام فوائد کی ماں ہے۔ کامیاب اور

خوشحال لوگ اس حقیقت سے خوب واقف ہیں۔اس لیے تقریباً تمام کامیاب لوگ نہ صرف عام لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نعمتیں دی ہوتی ہیں ان کے لئے وہ بہت زیادہ شکر گزار ہوتے ہیں۔ کائنات کا ایک اہم اصول قانون کشش ہے۔اس قانون کے تحت جن چیزوں کے لیے آپ اپنے رب کے شکر گزار ہوتے ہیں وہ چیزیں آپ کو مزید ملتی ہیں دوسرے الفاظ میں جب آپ اچھی چیزوں کے لیے شکر گزار ہوتے ہیں تو آپ کو مزید اچھی چیزیں ملتی ہیں۔ یہ ایک آفاقی قانون ہے جو کبھی غلط ثابت نہیں ہوتا۔اگر آپ اللہ تعالی کی نعمتوں کا شکرادا نہیں کرتے تو آپ مزید اچھی چیزیں کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔آپ جتنے زیادہ شکر گزار ہوں گے اتنی ہی زیادہ چیزیں حاصل کریں گے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''اگر تم شکر کرو گے تو یقینا میں تمھیں (اور) زیادہ دوں گا۔''(ابراہیم۔7)

آپ شکر گزار ہو سکتے ہیں اور ناشکرے بھی۔ ناشکرے بنیں گے تو قانون فطرت کے تحت کچھ حاصل نہ کریں گے۔شکر گزار بنیں گے تو اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے مستفید ہوں گے۔تو پھر کیوں نہ شکر گزار بنیں۔ لہذا آپ جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں اسے حاصل کرنے اور مزید حاصل کرنے کے لیے اپنے رب کا شکر ادا کریں۔ نہ صرف شکر ادا کریں بلکہ شکریے کے بھر پور احساسات بھی محسوس کریں۔بغیر احساسات کے شکر گزاری زیادہ موثر نہ ہوگی۔ اصول یہ ہے کہ جو چیز آپ کے پاس ہے اور آپ اسے زیادہ مقدار میں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو جو موجود ہے اس کے لیے اپنے رب کا بے حد شکر ادا کریں اور جو چیز آپ کے پاس نہیں مگر آپ اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے پیشگی شکر ادا کریں جیسے کہ وہ آپ کو پہلے ہی حاصل ہو چکی ہے۔ آپ اسے حاصل کر لیں گے۔جس چیز کے لیے ہم شکر ادا کرتے ہیں وہ حاصل ہو جاتی ہے یا ہو

جاتی ہے۔شکر ادا کرتے رہیں حتی کہ وہ چیز آپ کو مل جائے یا ہو جائے۔

اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے ان نعمتوں کی فہرست بنائیں جن کے لیے آپ اپنے رب کریم کے شکر گزار ہیں۔مثلاً بینائی، سماعت، چلنا پھرنا، دوڑنا عمومی اچھی صحت ،گھر،سواری، بیوی، خاوند، بچے تعلیم، چھوٹی یا بڑی کامیابی اور معمولی یا غیر معمولی خوشحالی وغیرہ۔ اس فہرست میں ہر وہ چیز شامل کریں جس کے لیے آپ شکر گزار ہیں۔خصوصاً وہ چیزیں جو آپ حاصل کرنا یا مزید حاصل کرنا چاہتے ہیں۔رات سوتے وقت ان نعمتوں کے لیے شکر ادا کریں اور صبح اٹھتے ہی آنے والے دن میں متوقع اچھی چیزوں کے لیے پیشگی شکر ادا کریں، ویسے جب بھی موقع ملے اللہ کی نعمتوں کے لیے اپنے رب کے لیے بے حد شکر گزار ہوں ساتھ ہی شکر گزاری کے بھرپور احساسات بھی محسوس کریں۔انشاءاللہ بے شمار نعمتیں حاصل کریں گے۔اس طرح کے فقرے کو بار بار دہرایا جا سکتا ہے۔

''میں خوش اور شکر گزار ہوں کہ میں۔۔۔۔۔۔''

5۔دینے والے بنیں:

قرآن مجید کا مطالعہ کرتے وقت دو چیزیں بہت واضح ہو کر انسان کے سامنے آتی ہیں:

1۔خدا کو شرک بے حد نا پسند ہے۔

2 اللہ تعالیٰ کو اپنی راہ میں دینا بہت پسند ہے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یہودیوں سے کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔اور اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں مزید اضافہ کیا۔دینے والے کو آخر کار زیادہ ملتا ہے۔

آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ دوسروں کو بھی دیں۔لوگوں کو اس میں شریک کریں۔یہ صرف

مادی چیزیں ہی نہیں ہوتیں، اپنا وقت دیں، اپنی مہارت دیں، محنت دیں، مسکراہٹ دیں، کسی کی بات کو غور سے سن لیں۔ اپنے آئیڈیے میں کسی کو شریک کریں تاکہ وہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو نعمتیں دی ہیں اردگرد کے لوگوں کو اس میں شریک کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہم جو کچھ دیتے ہیں اس سے 10 گنا یا کم از کم اس سے کئی گنا ہمیں اس دنیا میں مل جاتا ہے۔ لیکن دیا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جائے نہ کہ بدلے کے لیے یا نمود و نمائش اور واہ واہ کے لیے، دیتے وقت ہمارا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دوسروں کی مدد کرنی ہے۔ اس کے بدلے میں کسی چیز کی توقع نہیں کرنی۔ اس کو اس طرح دیکھیں کہ اگر آپ کو کوئی فرد کوئی چیز اس نیت سے دے کہ اس کے بدلے میں آپ بھی اسے کچھ دیں تو ظاہر ہے آپ کو ناگوار گزرے گا، اچھا محسوس نہ ہوگا۔

لہٰذا جب بھی ہم کسی کو کچھ دیں صرف اپنے رب کی خوشنودی کے لیے دیں اور دیتے وقت خود بھی خوشی محسوس کریں۔ اس لیے دیں کہ آپ کسی کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں کسی کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ جب ہم صرف اپنے رب کی رضا کے لیے دیں اور خوشی محسوس کریں تو اس کے بدلے میں لازماً ہمیں زیادہ ملے گا۔ بار بار کی ریسرچ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب بھی آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کئی گنا زیادہ لوٹاتا ہے۔ لیکن اگر ہم بدلے کی توقع میں دیں گے تو اس سے ہمیں نہ تو خوشی ملے گی اور نہ بدلے میں ہی کچھ ملے گا۔ جو کچھ ہم کماتے ہیں اس سے صرف زندگی چلتی ہے مگر جو کچھ ہم دیتے ہیں اس سے ہماری زندگی بنتی ہے۔ ہم جو کچھ کائنات میں ڈالتے ہیں وہ ہماری زندگی میں واپس آ جاتا ہے۔ زیادہ ڈالیں گے تو زیادہ واپس ملے گا۔ تھوڑا ڈالیں گے تو تھوڑا۔

ہم دوسروں کو آگے بڑھنے اور ترقی کرنے میں مدد دے کر آگے بڑھتے اور ترقی کرتے ہیں۔ کسی کو ترقی کی سیڑھیاں چڑھانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ بھی اس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے ہیں۔ لہذا جب بھی آپ دوسروں کی مدد کرتے ہیں تو آپ کو خود بھی فائدہ ہوتا ہے۔ اگر آپ کسی کے لیے کچھ کرتے ہیں تو دوسرا بھی آپ کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ بھی اس دنیا میں 10 گنا تک اور آخرت میں 700 گنا تک دینے کا وعدہ فرماتا ہے۔

کراچی میں میرے ایک کزن لیفٹیننٹ کرنل محمد اختر رہتے ہیں۔ ان کو بھی ترقی کرنے اور ترقی کے اصولوں کو جاننے کا شوق ہے۔ کراچی میں ایک فاسق اور فاجر فرد کو خدا نے خوب دیا تھا۔ کرنل صاحب کو تجسس تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے سیاہ کار کو کیوں نوازا۔ تحقیق کرنے کے بعد کرنل صاحب کو یہ جان کر خوشگوار حیرت ہوئی یہ صاحب ہر روز بہت سے بھوکے لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور دوسرے غربا کی مالی امداد کرتے ہیں۔

پاکستان میں اکثر امیر لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زکوۃ کے علاوہ بھی بہت کچھ خرچ کرتے ہیں، صرف لاہور میں بہت سے مخیر حضرات نے رفاہی ادارے قائم کیے ہیں، مثلاً ثریا عظیم ہسپتال، حجاز ہسپتال، ممتاز بختاور ہسپتال مغل آئی ہسپتال، میاں منشی ہسپتال، الاحسان ہسپتال اور شالامار ہسپتال وغیرہ۔ اس طرح لاہور میں بہت سے تعلیمی ادارے بچوں کو مفت یا برائے نام فیس لے کر معیاری تعلیم فراہم کر رہے ہیں مثلاً منصورہ ہائی سکول، دی ٹرسٹ سکول و کالج اور کشمیر میں ریڈ فاؤنڈیشن کے 300 سے زائد سکولز۔

اس کی ایک بہت اچھی مثال گورمے بیکرز لاہور کی ہے۔ اس کے مالک ہر روز اپنے مال کا ایک معقول حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ غریب مریضوں کی مدد کے لیے انمول کینسر ہسپتال لاہور میں ان کا ایک نمائندہ ہر وقت موجود ہوتا ہے۔ اگر کوئی غریب مریض اپنا

علاج نہیں کرا سکتا تو گورمے کی طرف سے اس کے علاج کے پورے اخراجات برداشت کیے جاتے ہیں۔اسی طرح پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی لاہور میں غریب مریضوں کے بائی پاس آپریشن تک کے اخراجات یہ ادارہ برداشت کرتا ہے۔اس کے لیے بھی ان کا نمائندہ ہر وقت وہاں موجود ہوتا ہے تا کہ لوگوں کی بروقت مدد کی جا سکے۔عمران خان کا کینسر کا ہسپتال پوری دنیا میں منفرد ہے۔ وہاں پاکستان کے ہر خطے سے لوگ علاج کے لیے آتے ہیں۔ یہاں مریضوں کے لواحقین کو رہائش کا مسئلہ تھا چنانچہ اب ان لواحقین کو رہائش اور خوراک گورمے کی طرف سے مہیا کی جاتی ہے۔اس کے علاوہ چلڈرن ہسپتال لاہور میں ہر روز تقریباً 800 مریضوں کو معیاری کھانا گورمے کی طرف سے فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے۔ پاکستان میں ہر جگہ بے شمار خوشحال لوگ لاکھوں غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کر کے اپنے رب کو راضی کر رہے ہیں۔

مغرب میں تقریباً ہر امیر آدمی اپنی آمدن کا کم از کم 10 فی صد رفاہی کاموں پر صرف کرتا ہے بل گیٹس ہر سال کروڑوں ڈالر رفاہی کاموں میں خرچ کرتا ہے۔ان سب کو یقین ہے کہ وہ جتنا خیراتی کاموں پر خرچ کریں گے ان کو اس سے زیادہ ملے گا،اور واقعی ملتا ہے۔لہٰذا اصول یہ ہوا کہ آپ جو کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں پہلے وہ چیز لوگوں کو دیں۔ کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو لوگوں کو کامیاب ہونے میں مدد دیں۔خوشحالی چاہتے ہیں تو دوسروں کو خوشحال ہونے میں مدد دیں۔

6۔بھروسہ کرنے والا بنیں:

کسی پر بھروسہ کرنا دراصل اس پر اعتماد کرنا ہے کہ وہ ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔تاہم

اکثر کہا جاتا ہے کہ کسی پر اعتماد نہ کریں۔ حالانکہ عام زندگی میں دوسروں پر اعتماد اور بھروسہ کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کامیابی کا سفر طے نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا اس سلسلے میں پہلا اصول یہ ہے کہ اگر آپ کو دھوکا دے بھی دیا جائے تو عموماً اس میں ہمارا نقصان کم ہوتا ہے مگر دھوکا دینے والی پارٹی کا نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا ہمیں اپنے ہونے والے نقصان کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔

بھروسہ کرنے والا بن کر آپ خود قابل بھروسہ اور عزت والے بن جاتے ہیں۔ بھروسہ نہ کرنے والا بن کر آپ خود بھی نا قابل بھروسہ اور رسوا کن کردار والے بن جائیں گے۔ جب آپ کسی پر بھروسہ کرنے والے ہوں گے تو لوگ بھی آپ پر بھروسہ کریں گے اور اگر آپ لوگوں پر بھروسہ نہیں کریں گے تو لوگ بھی آپ پر بھروسہ نہیں کریں گے۔

نا قابل بھروسہ لوگوں کو پہچاننے سے پہلے ہمیں کئی بار دھوکا کھانا ہوگا۔ قبل اس کے کہ آپ نا قابل بھروسہ افراد کو پہچان لیں آپ کئی بار دھوکا کھائیں گے۔ اسے چیلنج سمجھیں۔ اگر آپ لیڈر بننا چاہتے ہیں تو چند بیر ضائع کر کے نا قابل بھروسہ افراد کو پہچاننا سیکھیں۔ پھر ایسے لوگوں سے بچیں یا بہت معمولی تعلق رکھیں۔ بھروسہ کرنے والا بنیں کیونکہ اس کے بغیر کاروبار زندگی چلانا مشکل ہے۔ لیکن ضرورت سے زیادہ بھروسہ کرنا بھی آپ کو تباہ کر سکتا ہے۔

7۔ بہادر بنیں:

کامیابی اور خطرہ مول لینا لازم و ملزوم ہیں۔ کوئی اہم اور بڑی کامیابی رسک لیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر آپ عظیم کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو بہادر بننا ہوگا۔ خوف کے بغیر کوئی فرد بہادر نہیں ہوتا۔ بہادری اس وقت ہوگی جب آپ کو خوف ہو مگر اس کے باوجود آپ عملی

اقدام کریں۔

بہادر بنیں مگر بے وقوف نہ بنیں۔ بے وقوفی اور بہادری میں یہ فرق ہے کہ بہادری میں ہم حالات کا اچھی طرح جائزہ لیتے ہیں۔ تمام معلومات اکٹھی کرتے ہیں اور پھر خوف کے باوجود عملی قدم اٹھاتے ہیں۔ حماقت میں ہم حالات کا جائزہ نہیں لیتے، تیاری نہیں کرتے بلکہ عملی اقدام اٹھا لیتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ بے وقوف کو خطرے کا علم نہیں ہوتا جب کہ بہادر فرد کو خطرے کا پورا علم ہوتا ہے پھر بھی وہ کچھ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

عموماً لوگ بہادر نہیں ہوتے بلکہ خوف زدہ ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات خوف نامعلوم ہوتا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ شاید حالات اور چیزیں خراب ہو جائیں۔ اس کے علاوہ بے عزتی اور توہین کا خوف ہوتا ہے۔ ناکامی کی صورت میں شرمندگی کا خوف ہوتا ہے۔ اگر آپ نے کامیاب ہونا ہے تو ناکامی کا سامنا کریں۔ اس سے سبق سیکھیں اس طرح کے سبق انسان کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا۔ جو کچھ سیکھیں پھر ان کی بنیاد پر نئے سرے سے کام شروع کر دیں۔

ناکامی دراصل ٹریننگ ہوتی ہے۔ ایک اچھے ملازم کی وجہ سے ایک کمپنی کو 10 لاکھ ڈالر کا نقصان ہو گیا۔ ملازم کو بھی دکھ ہوا، اس نے استعفیٰ دے دیا مگر کمپنی نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ہم نے آپ کی تربیت پر 10 لاکھ ڈالر خرچ کیے ہیں۔ ہم اسے ضائع نہیں کر سکتے۔ جو کمپنی اپنے ملازموں کو کسی ایک آدھ ناکامی پر فارغ کر دیتی ہے تو یہ ملازم ان کی مخالف کمپنی میں چلے جاتے ہیں پہلی کمپنی نے ان کی تربیت پر خرچ کیا مگر نکال کر حماقت کی۔ اب وہ سارا تجربہ نئی کمپنی کے کام آتا ہے کمزور دل کبھی نہیں جیتے جب کہ کامیابی کے لیے بنیادی خاصیت بہادری ہے۔ لہذا اگر آپ نے کامیاب ہونا ہے تو بہادر بنیں اور ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جنھوں نے خطرات مول لیے اور کامیابیاں حاصل کیں۔

8۔ثابت قدمی:

زندگی میں کوئی بھی اہم کامیابی راتوں رات حاصل نہیں ہوتی۔کسی بھی قابل ذکر منزل کے لیے کوئی شارٹ کٹ نہیں ہوتا۔کامیابی ایک سفر ہے اور عموماً ایک لمبا سفر ہوتا ہے۔مزید معلومات کے لیے ہماری کتاب'' کامیابی اور خوشحالی....آپ کا مقدر ہے'' کا''ثابت قدمی'' والا باب دیکھ لیجیے۔

9۔ذمہ داربنیں:

کامیاب لوگ اپنے ہر عمل اور اپنے حالات کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔جب کہ ناکام لوگ اپنے تمام مسائل اور ناکامیوں کے لیے حالات، والدین اور حکومت وغیرہ کو موردالزام ٹھہراتے ہیں۔مثلاً حالات اچھے نہیں، والدین نے اچھی تربیت نہیں کی، حکومت کی پالیسیاں اچھی نہیں۔یعنی یہ لوگ اپنے خراب حالات کے لیے دوسروں کو ذمے دار ٹھہراتے ہیں اور الزام دیتے ہیں۔یہ لوگ ذمے داری قبول کرنے سے خوف زدہ ہوتے ہیں اس لیے ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔جب ہم دوسرے لوگوں کو ذمے دار ٹھہراتے ہیں تو دراصل ہم یہ کہتے کہ دوسرے لوگ ہماری تقدیر کے مالک ہیں۔ہم بے جان کھلونے ہیں جو دوسروں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ذمے داری کس طرح قبول کی جائے۔اس کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات اٹھائیں:

پہلا قدم یہ ہے کہ ہم دوسروں کو الزام دینا بند کردیں۔

پھر ذمے داری قبول کریں اور تلاش کریں کہ غلطی کیا ہوئی اور اسے درست کریں۔

اگر آپ باس ہیں تو ہمیشہ خرابی کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالنے کی بجائے خود قبول کریں۔ ذمے داری قبول کرنا لیڈر کی نشانی ہے۔

10۔قدر شناس بنیں:

بڑی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے اندر قائدانہ صلاحیتیں ہوں۔ایک کامیاب لیڈر دل کھول کر دوسروں کی تعریف کرتا ہے۔تعریف پسند کرنا انسانی فطرت ہے۔ہم میں سے اکثر دوسروں کی تعریف کرنے میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ہم عموماً دوسروں کی تعریف اس لیے نہیں کرتے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ شاید دوسرا یہ سمجھے کہ ہمیں اس سے کوئی مطلب ہے۔ان سے کوئی چیز لینی ہے یا پھر اس لیے تعریف نہیں کرتے کہ ہمیں علم ہی نہیں ہوتا کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی تعریف کس طرح کی جاتی ہے۔اس کے علاوہ ہماری عمومی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ ہم دوسروں کی خوبیوں کی بجائے ان کی خامیوں پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

ہم اس لیے بھی تعریف نہیں کرتے کیونکہ ہم خوف زدہ ہوتے ہیں کہ نہ جانے لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ایک ریسرچ میں لوگوں سے پوچھا گیا کہ وہ اپنے ملازمین کی تعریف کیوں نہیں کرتے ۔ انھوں نے بتایا کہ وہ تعریف کرتے ہوئے بے آرامی اور بے چینی (Uncomfortable) محسوس کرتے ہیں۔دوسری طرف جب بھی کوئی ہماری تعریف کرتا ہے تو ہم فطری طور پر اس کے لیے کچھ مزید کرنا چاہتے ہیں۔لہذا قدردان بنیں۔لوگوں کی خوبیاں تلاش کریں۔پھر ان کی خوب تعریف کریں۔لوگوں کے اچھے کپڑوں، اچھی عادات وغیرہ کی خوب تعریف کریں۔لوگ آپ کو پسند کریں گے، آپ کے ساتھ زیادہ تعاون کریں گے۔

معروف امریکی مصنف سٹیفن ۔آر۔کوے نے اپنی بیسٹ سیلر کتاب ''پر اثر لوگوں کی سات عادات'' میں سات موثر عادات کا ذکر کیا ہے۔

1-Proactive بنیے:

یعنی زندگی میں چیزیں شروع کرنے والے بنیں نہ کہ صرف چیزوں پر ردعمل کرنے والے بنیں۔ اس سے مراد صرف پہل کرنا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ فرد اپنی زندگی کا ذمے دار خود ہے۔ ہمارا کردار ہمارے فیصلوں کا نتیجہ ہے نہ کہ حالات کا پیدا کردہ۔ ہر چیز کو معرض وجود میں لانا یعنی حالات کو بدلنا ہماری ذمہ داری ہے۔ کامیاب افراد ذمے داری قبول کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کردار (Behaviour) یا حالات کے لیے دوسرے افراد کو الزام نہیں دیتے۔ اپنے طرز عمل کا ذمے دار خود اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ کوئی فرد آپ کی مرضی کے بغیر آپ کو دکھ نہیں دے سکتا۔ ہمیں حالات پریشان نہیں کرتے بلکہ ان حالات میں ہمارا ردعمل کیا ہوتا ہے، یہ دکھ دیتا ہے۔

دنیا میں دو طرح کے انسان بستے ہیں، ذمہ دار اور غیر ذمے دار۔ ذمے دار وہ ہیں جو اپنی زندگی کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں جب کہ غیر ذمے دار اپنے قصور ماننے کی بجائے ہمیشہ دوسروں پر الزام دھرتے ہیں۔ ہمیں ہر روز کم و بیش 100 ایسے مواقع ملتے ہیں جس میں ہم ذمہ داری یا غیر ذمے داری میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکیں، مثلاً نوکری نہیں ملتی یا ٹیسٹ میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ البتہ کچھ چیزوں پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ کا رنگ، موسم، سابقہ غلطیاں، قد اور والدین کا انتخاب وغیرہ۔ ایسی چیزوں پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

زندگی میں کامیابی کے لیے آپ کو پہل کرنا ہوگی: اچھی نوکری کا انتظار نہ کریں بلکہ باہر نکلیں اور اسے تلاش کریں۔ مشہور برطانوی ادیب اور دانشور برنارڈ شا نے ایک بار کہا تھا کہ لوگ ہمیشہ اپنی حالت کا ذمے دار حالات کو قرار دیتے ہیں۔ میں حالات پر یقین نہیں رکھتا۔ اس دنیا میں کامیاب لوگ وہ ہیں جنھوں نے اپنی مرضی کے حالات تلاش کیے اور اگر ایسے حالات میسر نہ آئے تو انھوں نے حالات کو اپنی مرضی کے تابع کر لیا۔"

2۔آخر کو ذہن میں رکھ کر کام شروع کریں:

یعنی انجام کو سامنے رکھ کر کام شروع کرنا۔ دوسرے الفاظ میں منزل کو سامنے رکھ کر سفر شروع کریں۔ مراد یہ ہے کہ آپ کو علم ہو کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ یہ بھی علم ہو کہ آپ اس وقت کہاں کھڑے ہیں۔ اس صورت میں آپ کا رخ درست ہوگا۔ جب آپ انجام کو ذہن میں رکھ کر شروع کریں گے تو پھر آپ کا ہر قدم منزل کی طرف جائے گا۔ دنیا میں ہر چیز دو بار تخلیق ہوتی ہے۔ ایک بار تصور یا ذہن میں دوسری بار حقیقت میں۔ مکان بنانے سے پہلے نقشہ بنایا جاتا ہے۔ مکان بنانے سے پہلے ساری تفصیلات ذہن میں ہوتی ہیں۔ سفر پر جانے سے پہلے طے کیا جاتا ہے کہ رات کو قیام کہاں کرنا ہے۔ دنیا کے عظیم کھلاڑی کامیابی سے پہلے کامیابی کا تصور کرتے ہیں، یعنی انجام کو ذہن میں رکھ کر کھیل شروع کرتے ہیں۔ کچھ حاصل کرنے سے پہلے طے کریں کہ آپ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کا مقصد یا گول کیا ہے۔ یعنی ہر کام شروع کرنے سے پہلے انجام کا تصور کریں۔ بار بار کریں۔ پھر کام شروع کریں، اس سے منزل تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔

3۔پہلی چیز پہلے:

البرٹ گرے نے کامیاب لوگوں کی کامیابی کا راز جاننے کے لیے کئی برس ریسرچ کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ تمام کامیاب لوگوں میں یہ عادت پائی جاتی ہے کہ وہ اس انداز سے کام کرنا پسند نہیں کرتے جیسا کہ ناکام لوگ کرتے ہیں۔ کامیاب لوگ اپنے کام کو دلچسپ سمجھ کر نہیں کرتے بلکہ وہ اس کام کو ہر صورت میں کرتے ہیں جو کامیابی کے لیے ضروری ہو چاہے وہ انھیں پسند ہو یا ناپسند۔ یعنی کامیاب لوگ ہمیشہ اہم کام کو سب سے پہلے کرتے ہیں۔ اگر آپ بھی

کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو آپ بھی اہم کام کو پہلے کرنے کی عادت اپنائیں، خصوصاً ایسے کام جن کے کرنے سے آپ کی زندگی پر بہت مثبت فرق پڑ سکتا ہے۔ یا جس کے کرنے سے آپ کے پیشے یا بزنس میں اہم تبدیلی آسکتی ہے۔ کامیاب شخص کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ایسی چیزیں کرتا ہے جو ناکام لوگ کرنا پسند نہیں کرتے۔ اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور نوٹ کریں کہ وہ کون سے کام ہیں جو غیر اہم ہیں مگر آپ اپنی زندگی کا قیمتی وقت ان پر صرف کرتے ہیں مثلاً ٹی وی دیکھنا، نیٹ پر بیٹھنا وغیرہ۔ ایسی چیزوں پر وقت ضائع کرنا بند کریں۔ آئندہ آپ صرف اہم کام کریں گے اور غیر اہم سرگرمیوں کو No کہیں گے۔ کامیاب لوگ کام کو دلچسپ سمجھ کر نہیں بلکہ اہم سمجھ کر کرتے ہیں اور اہم ترین کام کو سب سے پہلے کرتے ہیں۔

4۔ سب کی جیت:

اللہ تعالی کے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ آپ اپنے لیے جو چیز پسند کرتے ہیں وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کریں۔ دنیا میں کوئی فرد اس وقت تک بڑی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ دوسروں کے لیے وہی چیز نہ سوچے جو وہ اپنے لیے سوچتا ہے۔ وہ فرد جو ہمیشہ صرف اپنے فائدے کا سوچتا ہے بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے فائدے کے علاوہ دوسروں کے فائدے کا بھی سوچیں۔ بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ دوسروں کے فائدے کا پہلے سوچیں اور اپنے فائدے کو بعد میں رکھیں۔ یقین کریں جب دوسروں کو فائدہ ہوگا آپ کو بھی لازما فائدہ ہوگا۔ اگر آپ دوسروں کے فائدے کو ترجیح دیں گے تو آپ تنظیم کامیابیاں حاصل کریں گے۔ اگر آپ صرف اپنا فائدہ سوچیں گے تو جلد نا کام ہو جائیں گے۔ اگر آپ کسی فرد سے کوئی بزنس کرتے ہیں مگر اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا تو وہ آیندہ کبھی

آپ سے بزنس نہ کرے گا۔

5۔ پہلے دوسرے کو سمجھیں، پھر انھیں سمجھائیں:

کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ پہلے آپ دوسرے فرد کو اچھی طرح سمجھیں۔ یعنی توجہ سے ان کے نقطہ نظر کو نہیں اور سمجھیں۔ دوسرے فرد کو احساس ہو کہ اس کے نقطہ نظر کو سمجھ لیا گیا ہے۔ اس کی ضرورت کا احساس پیدا کر لیا گیا ہے تو پھر وہ شخص آپ کی بات بھی احساس اور ذمے داری سے سنے گا، ورنہ اسے یہی احساس رہے گا کہ آپ محض اپنی بات سمجھانے اور منوانے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور آپ کو دوسرے کے نقطہ نظر سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ انسانی معاملات میں یہ ایک انتہائی اہم بات ہے۔ اس کے بغیر تعلقات میں گہرائی اور پائیداری نہیں آسکتی۔ آپ ان لوگوں پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں جو آپ کا مسئلہ سنے بغیر اس کا حل بتانا شروع کر دیں۔ پہلے بات سمجھنے کی کوشش کریں پھر اپنی بات منوائیں۔ انسانی دل کی اہم ترین ضرورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی اس کی بات کو توجہ سے نہیں جب کہ ہم عموماً دوسروں کی بات کو توجہ کی بجائے بے دھیانی سے سنتے ہیں یا صرف سننے کی اداکاری کرتے ہیں یا پھر مخصوص بات سنتے ہیں۔

اکثر اوقات ہم صرف الفاظ سنتے ہیں، روح تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے یا پھر ذاتی نقطہ نظر سے سنتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے کی بات نہ صرف توجہ سے سنی جائے بلکہ ان کے نقطہ نظر سے سنی جائے۔ ہم میں سے اکثر دوسروں کی بات سننے کی بجائے یا تو بول رہے ہوتے ہیں یا پھر بولنے کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں۔ اپنی سنانے کی بجائے دوسروں کی نہیں۔ اگرچہ یہ ایک مشکل کام ہے مگر بہت مفید ہے۔

6۔ تعاون:

ہمارے ہاں ایک کہاوت ہے کہ ایک اکیلا اور دو گیارہ" کسی فرد کے لیے اکیلے بڑی کامیابی حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اکیلے رہ کر ہم بہت کم اور اکٹھے ہونے کی صورت میں بہت زیادہ نمایاں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ جب اکیلے کی بجائے دو یا زیادہ افراد باہم مل کر کوئی کام کرتے ہیں تو کسی معاملے کا زیادہ بہتر حل نکال سکتے ہیں۔ اسے تعاون کہا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے اگر دو ارکان صحیح جذبے کے تحت جمع ہوں تو حاصل جمع ان کے مجموعے سے بڑا ہو سکتا ہے۔ دو ذہن ایک اور چار ہاتھ دو ہاتھوں سے زیادہ مضبوط اور موثر ہوتے ہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ آپ دوسروں کے ساتھ تعاون کریں تو وہ آپ کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اس طرح دونوں ترقی کریں گے۔

آری کو تیز کریں:

ایک صاحب جنگل میں ایک درخت کاٹ رہے تھے۔ 4 گھنٹوں میں ابھی آدھا درخت کٹا تھا۔ وہاں سے کوئی اور صاحب گزرے۔ انھوں نے پہلے صاحب کا حال چال پوچھا، تو وہ پسینہ پونچھتے ہوئے فرمانے لگے کہ 4 گھنٹوں سے درخت کاٹ رہا ہوں۔ حالانکہ یہ ایک گھنٹے کا کام تھا۔ دوسرے فرد نے کہا کہ تم اپنی آری تیز کیوں نہیں کر لیتے ؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ آری تیز کروں اور پھر کام میں جت گیا۔ حالانکہ آری تیز کرنے میں صرف 15 منٹ صرف ہونے تھے اور تیز آری سے بقیہ درخت 4 گھنٹوں کی بجائے صرف آدھ گھنٹے میں کٹ سکتا تھا۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں اکثر لوگوں کے پاس اہم کاموں کے لیے وقت نہیں۔ لوگوں کے پاس ورزش اور مطالعے کے لیے وقت نہیں۔ اگر آپ آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو اچھی صحت کے

لیے ورزش کریں اور اچھی ذہنی صحت کے لیے اچھی کتب خصوصا سیلف ہیلپ اور تحریک پیدا کرنے والی کتب کے مطالعے کی عادت ڈالیں۔ اپنی بہتری کے لیے کم از کم ایک گھنٹہ مطالعہ کے لیے ضرور مختص کریں۔ اپنے علم اور ہنر میں مسلسل اضافہ کریں ورنہ آپ زوال پذیر ہو جائیں گے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل عادات بھی ترقی اور کامیابی کے لیے بے حد معاون ہیں:

1۔صبح جلد اٹھنا۔

2۔وعدہ پورا کرنا۔

3معاف کر کے بھول جانا۔

4۔صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے لوگوں کی بھرپور مدد کرنا۔

5۔اپنی آمدن میں سے کم از کم 10 فی صد بچانا، یہ عادت بہت ضروری ہے۔

6۔وقت کی پابندی کرنا۔

No7" کہنے اور سننے کی عادت۔

8۔کام جلد شروع کرنے کی عادت۔

9۔شکریہ کہنے کی عادت۔

10۔سوال کرنے کی عادت۔

11۔دفتر میں پہلے جانے اور سب سے آخر میں آنے کی عادت۔

12۔رات سوتے وقت اگلے دن کے کاموں کی تحریری پلاننگ اور اہمیت کے لحاظ سے ان کی درجہ بندی کرنا۔

13۔کام کو ملتوی نہ کرنا۔

14۔سستی اور کاہلی کا خاتمہ۔

15۔سخت محنت کی عادت کوئی بھی فرد سخت محنت کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔

16۔روزانہ سوچ و بچار کرنا۔

عادتوں کا بنانا اور ترک کرنا:

ہمارے حالات زندگی ، ہماری کامیابی اور ناکامی ہماری عادات کا نتیجہ ہوتے ہیں ۔ یہ ہماری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ عادتوں کو بنانا یا ختم کرنا ہمارے اختیار میں ہے۔تمام عادات میں سے سب سے اہم عادت سوچنے کی عادت ہے۔جب انسان سوچنے کی عادت پر قابو پا لیتا ہے تو گو یا تربیت نفس میں بہت سی منزلیں طے کر لیتا ہے۔جب کوئی شخص کسی چیز کو بار بار سوچتا ہے یا کسی کام کو بار بار کرتا ہے تو اس میں وہ عادت پیدا ہو جاتی ہے۔کچھ عرصہ تک اس طرح کام کرتے رہنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے سوچنے اور کسی چیز کو کرنے کی عادت اس کے لاشعور میں چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ کام خودکار (Automatical) ہو جاتا ہے۔

کوئی فرد جو بزنس میں عروج پر جانا چاہتا ہے، اسے عادات کی طاقت کا اندازہ ہونا چاہیے۔ اسے ان عادتوں کو توڑنا ہوگا جو اسے توڑتی ہیں۔ان عادتوں کو ختم کرنا ہوگا جو اسے ختم کر سکتی ہیں اور ایسی عادات کو اپنانا ہوگا جو اس کی ترقی اور کامیابی میں معاون ثابت ہوں ۔ عادت کی وجہ سے کوئی کام خودکار اور آسان ہو جاتا ہے۔اچھی بات یہ ہے کہ تمام عادات سیکھی جاتی ہیں۔لہذا ان کو ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔اس قانون کے مطابق جب ایک سوچ یا عمل کو کافی بار دہرایا جائے تو وہ عادت بن جاتی ہے۔ چنانچہ آپ کوئی بھی عادت سیکھ سکتے ہیں۔عموماً ایک نئی عادت کو اپنانے میں 21 تا 40 دن لگتے ہیں۔

انسان بنیادی طور پر عادات کا مجموعہ ہے ۔اچھی یا بری ۔اچھی عادات کامیابی کی ضمانت ہیں جب کہ بری عادات ناکامی کا سبب بنتی ہیں ۔کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ آپ خراب اور ناکامی کا سبب بنے والی عادات کو ترک کریں اور کامیابی کی اچھی عادات اپنائیں ۔اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے آپ بری اور خراب عادات کی شناخت کریں جو آپ کی 130 کامیابی کن لوگوں کو ملتی ہے ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہیں اور جن کو آپ ختم کرنا چاہتے ہیں ۔ پھر ان مثبت اور اچھی عادات کی لسٹ بنائیں جو آپ کی کامیابی میں معاون ہوں گی ۔ویسے بھی کسی پرانی عادت کو چھوڑنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی نئی عادت ڈالی جائے ۔مثلاً صبح جلد اٹھنے کی عادت ڈالنے کے لیے رات کو جلد سونے کی عادت ڈالنا ہوگی ۔

اگر آپ اچھی عادات اپنانے کا ایک پروگرام بنائیں تو آپ ایک سال میں کم از کم چار عادتیں آسانی سے تبدیل کر سکتے ہیں ۔اگر آپ ہر سال چار عادتیں تبدیل کر لیں تو 5 سال میں 20 مثبت ،اچھی اور موثر عادات ڈال سکیں گے جو آپ کی زندگی کو بدل دیں گی ۔

ترک عادت:

آج کے دور میں کسی عادت کو ترک کرنا زیادہ مشکل نہیں رہا۔ تاہم پرانی عادت کو بدلنا قدرے مشکل ہوگا۔ عادت جتنی پرانی ہوگی اس کی جڑیں اتنی گہری ہوں گی اور ان کو توڑنا بھی نسبتاً مشکل ہوگا۔ سب سے پہلے ان بری عادات کی فہرست بنائیں جو آپ چھوڑنا چاہتے ہیں ۔مثلاً سگریٹ نوشی اور ورزش نہ کرنا وغیرہ ۔ پھر ایک ایک عادت کو ترک کرنے کا پروگرام بنائیں اس کے لیے مندرجہ ذیل طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں:

وہ کون سی عادت ہے جو آپ کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے ۔ پھر اس عادت کو بدلنے کا

عہد کریں۔ عہد تحریری ہو۔ اس عہد کو روزانہ پڑھیں اور عادت کو بدلنے کی شعوری کوشش کریں۔ عادت کی تبدیلی تک مشق جاری رکھیں۔

بری عادت کے تمام نقصانات کو تفصیل کے ساتھ ایک کاغذ پر لکھیں۔ اسی طرح اس کے چھوڑنے کے فوائد بھی لکھیں۔ مثلاً سگریٹ نوشی، گلے، زبان اور پھیپھڑوں کے کینسر کا سبب بنتی ہے۔ اس کاغذ کو صبح اٹھتے ہی اور رات سوتے وقت پڑھیں۔

کسی پُرسکون جگہ بیٹھ جائیں، جسم کو ریلیکس کریں۔ 10 لمبے سانس لیں۔ اس فقرے کو کم از کم 50 بار دل میں یا بلند آواز سے دہرائیں۔ ''میں نان سموکر ہوں''۔ یہ مشق صبح اٹھتے ہی اور رات سوتے وقت کریں۔

مذکورہ بالا سکون کی کیفیت میں صبح اور رات سوتے وقت سگریٹ نوشی کے تمام نقصانات کا مبالغہ کی صورت میں تصور کریں۔ یہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ آنکھیں بند کر کے تصور کریں کہ آپ سگریٹ پی رہے ہیں اور پیسے جا رہے ہیں جس سے آپ کی صحت متاثر ہو رہی ہے۔ کھانسی آ رہی ہے۔ کمزور ہو چکے ہیں۔ مگر سگریٹ نوشی جاری ہے۔ بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ کھانسی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں۔ شیو بڑھی ہوئی ہے۔ ہڈیاں نکلی ہوئی ہیں۔ سگریٹ پیتے جا رہے ہیں حتیٰ کہ آپ فوت ہو چکے ہیں اور آپ کے قریب سگریٹ کے ٹکڑوں کا ڈھیر پڑا ہے۔ اس کے چھوڑنے کے فوائد بھی تصور کریں۔

ہر وقت سگریٹ نوشی چھوڑنے کے بارے میں سوچیں۔ اس کے نقصانات کو ہر وقت ذہن میں رکھیں۔

کسی پرسکون جگہ بیٹھ جائیں، جسم کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیں۔ آنکھیں بند کر کے سگریٹ نوشی کے بارے میں سوچیں، تو آپ کے ذہن میں اس کی تصویر بنے گی۔ آپ کو سگریٹ پینا اچھا لگے

گا۔ اکثر اوقات یہ تصویر، رنگین، صاف اور روشن، چمک دار، بڑی قریب اور سامنے بنتی ہے۔ اب آپ تصویر کو بدل دیں۔ اسے بلیک اینڈ وائٹ کر دیں۔ غیر واضح، مدھم (Dim) کریں۔ اگر سامنے بن رہی ہے تو اسے دائیں، بائیں، اوپر یا نیچے کر کے دیکھیں حتی کہ اس کی کشش کم ہو جائے۔ اس کے علاوہ تصویر کو چھوٹا کر کے دور لے جائیں۔ تصویر کے گرد تصور ہی میں لکڑی کا بھدا سا فریم لگایا جا سکتا ہے۔ تصویر کو اس طرح بدلیں کہ کشش ختم ہو جائے۔ اب آنکھیں کھول دیں، دائیں بائیں دیکھیں۔ دوبارہ آنکھیں بند کر کے سگریٹ نوشی کے بارے میں سوچیں تو پھر تصویر بنے گی۔ نوٹ کریں کہ کون سی تصویر بن رہی ہے۔ پہلے والی پر کشش یا بعد والی بے کشش۔ اگر پہلے والی تصویر بن رہی ہے تو اسے پھر پہلے کی طرح بدل دیں۔ ہر مشق کے بعد آنکھیں کھول دیں۔ یہ مشق اس وقت تک جاری رکھیں جب تک پہلے والی پر کشش تصویر بننا بند نہیں ہو جاتی۔ یہ مشق 5 سے 10 بار صبح، دوپہر اور رات سوتے وقت کی جا سکتی ہے۔ جب تصور میں اس کی کشش ختم ہو جائے گی تو آپ کا سگریٹ پینے کو دل بھی نہ کرے گا۔

یہ مشق بھی ترک عادت کے لیے بہت موثر ہے۔ پہلے کی طرح آرام سے کسی جگہ بیٹھ جائیں۔ جسم ڈھیلا چھوڑ دیں۔ آنکھیں بند کر کے سگریٹ نوشی کے بارے میں سوچیں تو اس کی تصویر بن جائے گی۔ سگریٹ پینا آپ کو اچھا لگے گا۔ تصویر کو وہیں رہنے دیں اور تصور میں اپنے آپ کو بہت لمبا کریں۔ جوں جوں آپ لمبے ہوتے جائیں گے وہ تصویر غیر واضح اور چھوٹی ہوتی جائے گی۔ اب رک کر نیچے دیکھیں وہ تصویر واضح نہ ہو گی اور پُرکشش بھی نہ ہو گی۔ ایک بار پھر اپنے آپ کو مزید لمبا کریں، بہت لمبا۔ اب اس بلندی سے دوبارہ سگریٹ نوشی کی تصویر کو دیکھیں۔ اب وہ بالکل غیر واضح ہو گی اور نقطہ سا نظر آئے گا اور اس میں آپ کو کوئی کشش محسوس نہ ہو گی۔ تھوڑی دیر اسے دیکھتے رہیں، پھر آنکھیں کھول دیں۔ دائیں بائیں دیکھیں۔ اب آنکھیں بند کر

کے پھر سگریٹ نوشی کے بارے میں سوچیں اب پھر تصویر بنے گی مگر آپ کو اس میں کشش محسوس نہ ہوگی۔ ضرورت پڑے تو اسے مزید دہرا لیں حتیٰ کہ کشش ختم ہو جائے۔ اس مشق کے بعد آپ کو سگریٹ نوشی میں کوئی دلچسپی اور کشش نہ ہوگی۔

اس مشق کو اس طرح سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ جسم کو ریلیکس کریں، چند لمبے سانس لیں۔ آنکھیں بند کر کے سگریٹ نوشی کے بارے میں سوچیں تو آپ کے دماغ میں اس کی تصویر بن جائے گی اور آپ کو سگریٹ اچھا محسوس ہوگا۔ اب تصور میں آپ زمین سے اٹھیں اور خلا میں چلے جائیں۔ خلا سے آپ کو زمین گول نظر آئے گی اور سگریٹ نوشی کی تصویر نقطہ سا نظر آئے گا اور سگریٹ کے بارے میں آپ کے کوئی احساسات نہ ہوں گے۔ تھوڑی دیر اس تصویر کو دیکھتے رہیں پھر آنکھیں کھول دیں۔ اب دوبارہ سگریٹ نوشی کے بارے میں سوچیں اب جو بھی تصویر بنے گی وہ پُرکشش نہ ہوگی۔ تاہم اگر وہ اب بھی پُرکشش ہے تو اس مشق کو مزید چند بار دہرا لیں حتیٰ کہ اس کی کشش ختم ہو جائے۔ ہر مشق کے بعد آنکھیں کھول کر دائیں بائیں دیکھیں۔

عادت کو چھوڑنے کی بھرپور شعوری کوشش بھی کریں۔ کامیابی پر اپنے آپ کو انعام دیں اور ناکامی پر سزا دیں۔

''روحانیت، دانش اور حقیقتیں'' کے مصنف قمر اقبال صوفی نے کسی بری عادت کو ترک کرنے کا ایک دلچسپ طریقہ بیان کیا ہے۔ یہ طریقہ سادہ اور آسان ہے۔ آپ بھی اسے استعمال کریں۔

ہر روز ایک مخصوص وقت پر پندرہ بیس منٹ کے لیے یہ مشق کریں: آنکھیں بند کر کے جسم کو ریلیکس کریں۔ تصور میں اپنے آپ کو وہ کام کرتے ہوئے دیکھیں جسے آپ چھوڑنا چاہتے ہیں۔ ایسے دیکھیں جیسے T.V پر فلم دیکھ رہے ہیں۔ دو تین ہفتوں میں عادت ختم ہو جائے گی۔ ان شاء

اللہ

(ماخوذ: کامیاب شخصیت ص/ ۱۱۰۔ ۱۳۳ / از پروفیسر ارشد جاوید، ایم۔اے نفسیات امریکہ)

ذہنی دباؤ سے نمٹنے کی صلاحیت

کامیابی اور خوشحالی کا سفر کبھی آسان نہیں ہوتا۔ یہ عروج اور بلندی کا سفر ہے اور چڑھائی کبھی آسان نہیں ہوتی۔ اگر یہ سفر آسان ہوتا تو ہر تن آسان فرد بھی کامیاب ہوتا۔ کامیابی کا راستہ مسائل اور مشکلات سے پٹا پڑا ہے۔ اس سفر میں انسان کو جگہ جگہ گڑھوں اور کھائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہر کامیاب فرد پریشانیوں اور ناکامیوں کا شکار ہوتا ہے۔ اس کے بہت سے اندازے غلط ثابت ہوجاتے ہیں۔ اس کے سارے فیصلے درست نہیں ہوتے جس کی وجہ سے کامیاب لوگوں کو اکثر ذہنی دباؤ کا سامنا رہتا ہے۔ کامیابی اور ذہنی دباؤ (Stress) لازم وملزوم ہیں۔ کامیاب لوگ ذہنی دباؤ کا بہتر طور پر مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر وہ اس ذہنی دباؤ کا مقابلہ نہ کرسکیں تو وہ نہ صرف ناکام ہوجائیں بلکہ اپنی صحت سے بھی ہاتھ دھوبیٹھیں۔

شدید اور مسلسل ذہنی دباؤ انسان کی ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے تباہ کن ہے۔ 50 تا80 فی صد جسمانی بیماریوں کی وجہ یہی دباؤ ہوتا ہے۔ ذہنی دباؤ کی وجہ سے فرد کی قوت مدافعت کم ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے فرد اکثر مختلف بیماریوں کا شکار رہتا ہے۔ نفسیاتی بیماریوں کی سب سے بڑی وجہ ذہنی دباؤ ہوتا ہے۔ مسلسل اور شدید ذہنی دباؤ مختلف بیماریوں کا سبب بنتا ہے، جن میں اہم درج ذیل ہیں:

دل کے امراض، کینسر، جوڑوں کے درد، دمہ، معدے کی مختلف بیماریاں خصوصاً السر، خون کا بلند دباؤ، شوگر، کمر درد، سر درد، گیس، وزن میں کمی۔ بعض جلدی بیماریاں، کولیسٹرول میں اضافہ، الرجی، نزلہ، پٹھوں میں تناؤ، تشویش واضطراب، ڈیپریشن، لکنت اور بولنے کے دوسرے مسائل وغیرہ۔

حل:

ذہنی دباؤ کا مقابلہ، ذہنی صحت کا ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔مختلف لوگ مختلف طریقوں سے ذہنی دباؤ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ شراب میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ کچھ دوسرے کسی نہ کسی نشہ آور چیز کا سہارا لیتے ہیں ۔ ایک بڑی تعداد سکون آور ادویات استعمال کرتی ہے ۔ مغربی مما لک میں 40 فی صد لوگ سکون آور ادویات کا استعمال کرتے ہیں۔مگر یہ طریقے ذہنی دباؤ کا مقابلہ کرنے کے منفی اور مہلک طریقے ہیں۔ ہم آپ کو مثبت،صحت مند اور بہت موثر طریقے بتائیں گے جن کی مدد سے ذہنی دباؤ کا مقابلہ زیادہ بہتر طور پر کیا جا سکتا ہے۔ذہنی دباؤ پر کنٹرول حاصل کرنا دراصل کامیابی حاصل کرنا ہے۔

روزمرہ ذہنی دباؤ کا مقابلہ کرنے کا بہترین ذریعہ ورزش ہے خصوصاً اچھل کود والی ورزش، اتھلیٹکس، جاگنگ حتیٰ کہ پیدل چلنا بھی مفید ہے۔ اگر پسندیدہ کھیل کھیلا جائے تو سب سے بہتر ۔ بہتر ہے کہ ورزش روزانہ ایک گھنٹے کے لیے کی جائے، یا کم از کم ہفتے میں تین بار ضرور کی جائے۔

ہر روز اپنی کسی ہابی سے لطف اندوز ہونا ذہنی دباؤ سے نمٹنے کا ایک بے حد موثر طریقہ ہے جو کہ جسم اور ذہن دونوں کو فریش کرتا ہے۔

کامیابی کے لیے جتنا کام ضروری ہے اتنا ہی آرام بھی ضروری ہے۔ روزمرہ ذہنی دباؤ کو دور کرنے کے لیے ہر روز مکمل آرام کرنا چاہیے۔عموماً مکمل آرام کے ساتھ سات، آٹھ گھنٹے کی نیند ضروری ہے۔لہذا ہر روز اپنی نیند کو پورا کریں۔بعض لوگ چھ سات گھنٹے سو کر بھی مکمل طور پر تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ اولمپک کھلاڑی، اولمپکس شروع ہونے سے قبل مکمل آرام کرتے ہیں۔ ہر ہفتہ

میں ایک دن آرام اور تفریح کے لیے رکھیں۔ تفریح سے مراد یہ نہیں کہ سارا دن وی سی آر دیکھتے رہیں۔ اس قسم کی زیادہ تفریح جسم اور ذہن کو تھکا دینے والی ہوتی ہے۔ اس کی بجائے چند گھنٹوں کے لیے شور شرابے سے محفوظ کسی پر سکون اندھیرے کمرے میں لیٹ جائیں۔ ذہن کو خالی کر لیں۔ اس کے علاوہ اپنی پسند کا کوئی کام کریں۔ کوئی کتاب میگزین پڑھیں، کسی پارک میں چلے جائیں۔ دوست احباب سے ملیں، کسی خوبصورت ریسٹورنٹ میں کھانے سے لطف اندوز ہوں۔ زیادہ جسمانی اور ذہنی محنت کرنے والوں کو سال میں لازماً ایک ہفتے کے لیے مکمل آرام کرنا چاہیے۔ کسی پہاڑی علاقے میں چلے جائیں مگر سارا دن سیاحت میں مصروف نہ رہیں بلکہ دن کا زیادہ حصہ آرام کرنے میں گزاریں۔ اس کے علاوہ روزانہ کام کے دوران ہر دو گھنٹے کے بعد کام چھوڑ کر انگڑائی لیں۔ آنکھیں بند کر کے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔ آہستہ آہستہ لمبے اور گہرے سانس لیں۔ تصور میں کسی خوبصورت جگہ جائیں۔ اس سب کے لیے پانچ منٹ کافی ہیں۔

ہنسی علاج غم ہے۔ ذہنی دباؤ کو کم کرنے کے لیے ماضی کے پُر مذاق واقعات کو یاد کریں۔ یہ کوئی لطیفہ ہوسکتا ہے، کوئی مزاحیہ ڈرامہ یا فلم۔ اس کے بارے میں سوچیں، اور پھر خوب دل کھول کر ہنسیں۔ معمولی مزاحیہ بات پر قہقہہ لگا کر ہنسیں۔ قہقہ لگانا جسم کے اندر کی جاگنگ ہے۔ یعنی اس سے جسم کے اندر اعضاء کی ورزش ہوتی ہے۔ اس سے بلڈ پریشر کم ہوتا ہے، نبض کی رفتار ست ہوجاتی ہے۔ دماغ کی طرف خون کی گردش میں اضافہ ہوتا ہے تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ انرجی میں اضافہ ہوتا ہے۔ توجہ میں اضافہ ہوتا ہے، فرد کو طاقت کا احساس ہوتا ہے اور ذہنی دباؤ میں کمی ہوتی ہے۔ اس کے لیے مزاحیہ کتب مثلاً بجنگ آمد اور لطیفے پڑھیں یا سنیں۔ مزاحیہ فلمیں، ڈرامے اور ٹی وی پروگرام دیکھیں۔

(کامیاب شخصیت ص/ ۲۹۳۔۲۹۵)

اصحاب کہف کا غار آج بھی موجود ہے (سائنسی تحقیق)

اصحاب کہف کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے۔

اَم حَسبتَ اَنَّ اَصحابَ الکَھفِ وَالرَّقیمِ کَانُوا مِن آیاتِنَا عَجبا إِذْاَوَی الْفِتْیَۃُ إِلَی الْکَھْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَھَیِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَداً (سورۃ الکھف ۱۸، آیت ۱۰)

ترجمہ: کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ غار اور رقیم والے لوگ ہماری نشانیوں میں سے کچھ زیادہ عجیب تھے؟ یہ اس وقت کا ذکر ہے جن ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تھی، اور اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہا کرتے تھے، اے ہمارے پروردگار ہم پر خاص اپنے پاس سے رحمت نازل فرمائیے اور ہماری اس صورت حال میں ہمارے لئے بھلائی کا راستہ مہیا فرما دیجئے۔

دوسری آیت میں ہے۔

و لبثوا في کھفھم ثلث مائة سنین و از داد و اتسعا ۔ (سورت کھف۱۸، آیت (۲۵)

ترجمہ: اور وہ اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال اور مزید نو سال سوتے رہے۔

اصحاب کہف، کب تھے اور کہاں تھے:

اصحاب کہف 251ء میں تھے، یہ حضرات سات جوان تھے اور ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا یہ لوگ حضرت عیسی علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے، اس شہر کا پرانا نام، افسوس، تھا، اور جس بادشاہ نے قید کرنے کا سوچا تھا ان کا نام، دقیوس، تھا، ابھی ۲۰۱۹ء میں انکو انتقال کئے ہوئے، 1768 سال ہوئے یہ لوگ رات میں گھر سے بھاگ گئے تھے، اور ایک غار میں سو گئے، اور

اللہ کے حکم سے 309 سال تک اسی غار میں بغیر کھائے پیئے سوتے رہے، یہ غار اردن کے شہر عمان سے شمال کی جانب 7 کیلو میٹر کے فاصلے پر ایک ویران جگہ پر ہے، اس گاؤں کا نام الرقیب، یاالرزاق ہے، اس کو انگلش میں، seven sleepers کہتے ہیں۔

۸ مئی ۱۹۹۶ء کو دو پہر کے وقت میں (مؤلف مولانا ثمیر الدین قاسمی۔حنفی) خود اس غار پر گیا ہوں، قرآن کے بیان کردہ یہ 6 قرائن اس غار میں پائے جاتے ہیں مثلاً:

1۔۔غار کا منہ جنوب کی جانب ہے کوئی آدمی غار میں داخل ہونے کے لئے کھڑا ہو تو اعلان قرآن کے مطابق سورج غار کی دائیں جانب سے نکلتا ہے اور اس کی بائیں جانب غروب ہوتا ہے

2۔سورج کی کرنیں غار کے دروازے تک آتی ہیں غار کے اندر داخل نہیں ہو پاتیں۔البتہ روشنی کا عکس غار کے اندر خوب جاتا ہے۔

3۔غار کا منہ اتنا کشادہ نہیں ہے لیکن غار اندر سے کافی کشادہ ہے جس میں تقریباً پندرہ آدمی بآسانی سو سکتے ہوں جو:

''وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْه''۔ (آیت ۱۷، سورت الکھف ۱۸)

ترجمہ: اور اس غار کے ایک کشادہ حصے میں سوئے ہوئے تھے۔

کا منظر پیش کرتا ہے۔

4۔غار کے اوپر پرانے ساخت کی مسجد بنی ہوئی ہے جو ابھی اوپر سے ٹوٹ چکی ہے صرف بنیاد باقی ہے۔

5۔ میں نے خود دیکھا کہ غار کے اندر آٹھ قبریں پتھر کی بنی ہوئی ہیں ان تمام قبروں کی ہڈیاں جمع کر کے ایک قبر میں رکھ دی گئی ہیں اور زائرین کے دیکھنے کے لئے اس قبر میں چھوٹا سا

سوراخ کر دیا گیا ہے اور اندر ایک بلب ڈال دیا گیا ہے جس سے اصحاب کہف کی بکھری ہوئی ہڈیاں نظر آتی ہیں، اس قبر میں سات آدمیوں کی کھوپڑیاں ہیں، ان کے ہاتھ، پاؤں، پہلی وغیرہ کی ہڈیاں موجود ہیں، ایک الگ شیشے کی الماری میں ایک کتے کے سر کی ہڈی موجود ہے، اس الماری میں ایک چھوٹی سی موٹی روٹی بھی ہے موجود ہے کہتے ہیں یہ وہی روٹی ہے جس کو اصحاب کہف شہر سے خرید کر لائے تھے، الماری میں پرانے ساخت کی مٹی کا لوٹا، چراغ اور تسبیح بھی موجود ہے، واللہ اعلم

6۔ یہ غار اردن میں ہے، حضرت عیسیٰؑ کی بعثت یروشلم میں ہوئی تھی، وہ وہیں پیدا ہوئے، اور وہیں سے اٹھائے گئے، یہ غار یروشلم سے صرف ۴۵ میل کی دوری پر واقع ہے، چونکہ یہ سات نوجوان حضرت عیسیٰ کے ماننے والے تھے، اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے شہر سے قریب ہونے کی وجہ سے انہوں نے ایمان لایا ہوگا، اس لئے قرینہ یہ ہے کہ اصحاب کہف کا غار یہی الرقیب میں ہے۔ باقی اللہ جانے، کوئی حتمی بات کہنا مشکل ہے۔

نوٹ: میں دوبارہ مئی ۲۰۱۳ء میں غار پر گیا تو اس میں ہڈیاں نہیں تھیں کسی نے انکو چرالیا تھا۔

سائنسی تحقیق:

ایک زمانے تک لوگ یہ اعتراض کرتے رہے کہ ایک آدمی تین سو سال تک بغیر کھائے پیئے کیسے زندہ رہ سکتا ہے، اس لئے وہ قرآن کی اس حقیقت پر شک کرتے تھے ابھی سال پہلے میرے پڑوس میں ایک نوجوان کا ایکسیڈنٹ ہوا، جس کی وجہ سے وہ ڈیڑھ سال تک بیہوش رہا، ڈاکٹر مشین کے ذریعہ جسم میں کھانا پینا پہنچاتے تھے، ڈاکٹروں نے مایوس ہوکر مشین نکال لینے کا

فیصلہ کیا، لیکن ایک رشتہ دار کے منع کرنے سے تھوڑی تاخیر کی، پھر وہ اچھا ہونا شروع ہوا، اور آج ایک صحت مند زندگی گزار رہا ہے اگر ڈاکٹر مشین کے ذریعہ ڈیڑھ سال تک بیہوش آدمی کو زندہ رکھ سکتا ہے تو اللہ پاک اپنی قدرت سے تین سو سال تک کیوں زندہ نہیں رکھ سکتے؟

۱۹۶۳ میں جب اس غار کا انکشاف ہوا تو پوری دنیا قرآن کی اس حقیقت کو دیکھ کر حیران ہو گئے اصحاب کہف کے اس غار میں دیکھیں، کہ غار کے اوپر مسجد بنائی ہوئی ہے۔

(سائنس اور قرآن ص/ ۲۷، ۳۰۔ از مولانا ثمیر الدین قاسمی)

جنابت کے بعد پورے جسم کو رگڑ کر دھونے کی حکمت (سائنسی تحقیق)

جنابت کے بعد یہ حکم ہے کہ پورے جسم کو خوب رگڑ رگڑ کر دھوئے ، اس کی حکمت کیا ہے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے، جنابت کے غسل کرنے کے بارے میں ارشاد ربانی یہ ہے:

یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوۃ و انتم سکرای حتی تعلموا ما تقولون و لا جنبا الا عابری سبیل حتی تغتسلوا ۔ (سورت النساء ۴ ، آیت ۴۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تک نشے کی حالت میں ہوتو اس وقت تک نماز کے قریب بھی نہ جانا جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہوا سے سمجھنے نہ لگو، اور جنابت کی حالت میں جب تک غسل نہ کر لو۔ (نماز جائز نہیں ہے)

دوسری آیت میں ہے

و ان کنتم جنبا فاطھروا ۔ (سورت المائدۃ ۵، آیت ۶)

ترجمہ: اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہوتو سارے جسم کو غسل کے ذریعہ خوب اچھی طرح پاک کرو۔

ان آیتوں میں ہے کہ جنابت کے بعد پورے جسم کو خوب دھوئے۔

سائنسی تحقیق:

جب تک ایڈز کے جراثیم کی تحقیق نہیں ہوئی تھی تو ہم یہی سمجھتے تھے کہ جماع کے بعد جسم پر

گندگی آجاتی ہے اس لئے پورے جسم کو دھونے کے لئے کہا گیا ہے، یا جسم ناپاک ہوجاتا ہے، اس لئے پورے جسم کو دھونے کے لئے کہا گیا ہے

لیکن اب ڈاکٹر یہ کہتے ہیں کہ ہم بستری کے دوران میاں بیوی دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے شرم گاہ پر جاتے ہیں، اور یہ ممکن ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کے شرم گاہ پر ایڈز کی بیماری کے جراثیم ہو، یا کسی اور بیماری کے جراثیم ہو، اور جراثیم ہاتھ میں لگ گیا ہو، اور یہ طے ہے کہ ہم بستری کے دوران دونوں کے ہاتھ کبھی سر پر کبھی جسم کے مختلف حصے پر لگتے ہیں، اس لئے بیماری کے یہ جراثیم جسم کے مختلف حصے پر چپک چکے ہوں گے، اور مرد یا عورت میں سے کسی کو یہ پتہ بھی نہیں ہے کہ بیماری کا کون سا جراثیم کہاں چپکا ہے، اور یہ پھیل بھی رہا ہے، اس لئے ہم بستری کے بعد پورے جسم کو رگڑ رگڑ کر دھو لینا چاہئے تا کہ ایڈز یا بیماری کے جراثیم دھل جائے اور آگے پھیلنے کا موقع نہ ملے۔ اسی طرح ہم بستری کے وقت میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کا بوسہ لیتے ہیں، بلکہ خوب لیتے ہیں، اس لئے یہ ممکن ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کے منہ میں، یا ہونٹوں پر بیماری کے جراثیم ہو، اور وہ جراثیم منہ میں جا چکا ہو، اور ان دونوں کو اس کی خبر بھی نہ ہو، اس لئے قرآن کریم نے حکم دیا کہ اس غسل میں منہ میں بھی پانی ڈالو، اور اس کو اچھی طرح دھو تا کہ منہ میں انجانے میں جراثیم چلا گیا ہو تو وہ بھی اس سے دھل جائے گا، اور جراثیم مزید نہیں پھیلے گا۔

ڈاکٹر کی اس تحقیق کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت بہت مفید ہوجاتی ہے جس نے بہت پہلے حکم دیا کہ ہم بستری کے بعد غسل کر لینا چاہئے اور پورے جسم کو رگڑ رگڑ کر دھو لینا چاہئے تا کہ ایڈز یا دوسری بیماریوں کے جراثیم نہ پھیلے۔

دوسری بات یہ ہے کہ، ہم بستری کے بعد جسم کی ساری رگیں ست پڑ جاتی ہیں، اور ایک قسم

کی کمی آجاتی ہے، دیکھا یہ گیا ہے غسل کے پانی سے یہ سستی ختم ہو جاتی ہے، اور جسم میں بڑی تازگی آجاتی ہے، قرآن کریم نے اس لئے بھی حکم دیا کہ جنابت کے بعد غسل کرلیا کریں تا کہ پاک صاف بھی ہو جائے؟، اور رگوں کی سستی بھی ختم ہو جائے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ دونوں کے جسم سے گندگی نکلی ہے، اور معلوم نہیں کہاں کہاں پھیل گئی ہے، اور لگ گئی ہے، اس لئے قرآن نے حکم دیا کہ ان گندگیوں کو اچھی طرح دھولو اور صاف کرلو تا کہ پاک صاف ہو کر زندگی گزار سکو گے اسی لئے جنابت کے بعد میاں بیوی دونوں کو رگڑ رگڑ کر دھو کر غسل کرنے کا حکم ہے۔

(سائنس اور قرآن ص/ ۸۶،۸۸ ۔از مولانا ثمیر الدین قاسمی)

شراب پینے سے 23 قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں (سائنسی تحقیق)

شراب کئی بیماریوں اور کتنی ہی بداخلاقیوں کو جنم دیتی ہے، اس لئے اس کے بارے میں قرآن کریم نے یوں ارشاد فرمایا:

یاایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ و البغضاء في الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ و عن الصلوۃ فھل انتم منتھون (سورت المائدۃ ۵، آیت ۹۰۹۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان، اور جوے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، اس لئے ان سے بچو، تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، اب بتاؤ کہ کیا تم ان چیزوں سے باز آجاؤ گے؟

اب تک کچھ حضرات یہی فرماتے تھے کہ شراب پینے سے نشہ پیدا ہوتا ہے اور دماغ خراب ہوتا ہے، اور لوگوں کو گالیاں دیتا ہے لیکن آج سائنس دانوں نے تحقیق کی کہ اس سے آدمی کو نشہ تو ہوتا ہی ہے، اور دماغ میں کمزوری تو انا ہی ہے، لیکن اس سے اس کے مسلسل پینے سے 23 قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اور قرآن کریم نے جو بات کہی ہے وہ بالکل سچ ہے، اور صحیح ہے۔

سائنسی تحقیق:

سائنسی تحقیق یہ ہے کہ ایک دومرتبہ اگر شراب پی لی جائے تو رگ اور دماغ اس کا عادی ہو جاتے ہیں، اس لئے پھر بار بار شراب پینے کا دل کرتا ہے، اور شراب پئے بغیر چین نہیں آتا، پھر وہ ایک مقام پر نہیں ٹھہرتا بلکہ اس سے بھی زیادہ پینے کی خواہش ہوتی، وہ تو بیماری کے ڈر سے زیادہ نہیں پیتے ہیں، ورنہ تو اس سے بھی زیادہ پینے کی دلی تمنا ہوتی ہے۔

پھر ایک خاص مقدار پینے کے بعد آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے، اور دماغ کھو بیٹھتا ہے، اور وہ کسی کام کا نہیں رہتا، اسی لئے شریعت نے شراب سے سختی سے منع فرمایا ہے، بلکہ دوسری نشہ آور چیزوں سے بھی منع فرمایا ہے، کیونکہ دوسری نشہ آور چیزوں کا اثر بھی یہی ہوتا ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شراب دوا بھی ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ دوائی کی ایک مقدار ہوتی ہے، اور وہ کبھی کبھار پینے سے فائدہ ہوتا ہے لیکن شراب کا عالم یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ پینے سے ہمیشہ پینا پڑتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ دوائی کی طرح چھوٹی سی گولی کی طرح نہیں کھا سکتے، بلکہ عادت لگنے کے بعد کئی گلاس پینا پڑ جاتا ہے، اس لئے وہ دوائی نہیں رہ جاتی، بلکہ بڑی بیماری بن جاتی ہے۔

چونکہ یہ بڑی بیماری ہے، اس لئے انگریز جیسے لوگ بھی اپنے بچوں کو اس سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کیا کرے وہ اس کے عادی ہو چکے ہیں اس لئے نہ رک سکتے ہیں، اور نہ اپنی فیملی کو روک سکتے ہیں

شراب پینے سے یہ 23 بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں

1.shrinking brain / دماغ چھوٹا ہو جاتا ہے۔

2.blackouts / آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔

behavior changes.3 / بولنے کا انداز بدل جاتا ہے۔

hallucinations.4 / دماغ سلامت نہیں رہتا ہے۔

dependence.5 / چلنے میں ڈگمگاتا ہے۔

slurred speech.6 / باتیں مبہم کرنے لگتا ہے، جو سمجھ میں نہیں آتی۔

cancer.7 / گلے کا کینسر دل ڈیمز ہوتا ہے۔

heart damage.8 / دل ڈیمز ہوتا ہے۔

lung infections.9 / پھیپڑا زخمی ہوجاتا ہے۔

liver damage.10 / جگر زخمی ہوجاتا ہے۔

pancreatitis.11 / گردہ خراب ہوجاتا ہے۔

frequent diarrhea.12 / باربار بدہضمی ہوتی ہے۔

infertility.13 / بانجھ پن ہوجاتا ہے۔

sexual dysfunction.14 / صحیح طور پر ہم بستری نہیں کر پاتا ہے۔

malnutrition.15 / بھوک کم لگنے لگتی ہے۔

dibetes.16 / شوگر کا مریض ہوجاتا ہے۔

thiinning bones.17 / ہڈیاں کمزور ہونے لگتی ہیں۔

changes in coordination.18 / جوڑوں میں درد ہونے لگتا ہے۔

fatigue.19 / تھکاوٹ ہونے لگتی ہے۔

stomach distress.20 / پیٹ میں تکلیف ہونے لگتی ہے۔

birth defects.21 / بچہ پیدا ہونے میں خرابی ہوجاتی ہے۔

muscle cramps.22 / پٹھوں میں درد ہونے لگتا ہے۔

numbness.23 /غصہ بہت آنے لگتا ہے۔

یہ 23 بیماریاں ہیں جو شراب پینے سے ہوتی ہیں، اور انٹرنیٹ پر تو اس سے بھی زیادہ لکھی ہوئی ہیں اس لئے سائنس اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ قرآن کریم نے جو بات کہی وہ بالکل سچ اور صحیح ہے۔

(سائنس اور قرآن ص/ ۱۲۰، ۱۲۳۔از مولانا ثمیر الدین قاسمی)

چاند میں دو ٹکڑے ہیں (سائنسی تحقیق)

قرآن نے چودہ سو سال پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ چاند کا دو ٹکڑا ہو گیا لیکن زمانہ قدیم میں اس کی تحقیق نہیں تھی کسی نے اس کو دیکھا نہیں تھا، اس لئے کچھ لوگ اس پر یقین نہیں کرتے تھے لیکن ابھی ''ناسا'' نے چاند کی تصویر لی جس سے واضح ہو گیا کہ واقعی چاند کے دو ٹکڑے ہیں، اور ابھی دونوں ساتھ ساتھ گردش میں ہیں۔

آیت یہ ہے:

اقتربت الساعة و انشق القمر ۔ (سورت القمر ۵۴، آیت ۱)

ترجمہ: قیامت قریب آ لگی ہے اور چاند پھٹ گیا ہے۔

حدیث میں ہے:

عن عبد الله قال انشق القمر و نحن مع النبي علة بمنى فقال اشهدوا، و ذهبت فرقة نحو الجبل (بخاری شریف، کتاب مناقب الانصار، باب انشقاق القمر، ص ۶۴۹)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں، کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منی میں تھے کہ چاند کا دو ٹکڑا ہوا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ چاند کا دو ٹکڑا ہوا ہے، چاند کا ایک ٹکڑا منی پہاڑ کی طرف چلا گیا۔

اس آیت اور حدیث میں ہے کہ حضور کے زمانے میں چاند کا دو ٹکڑا ہوا۔

سائنسی تحقیق:

دنیا میں ناسا[nasa]ایک مشہور ادارہ ہے جو چاند،سورج،اور دوسرے ستاروں کا فوٹو لیتا ہے اور تحقیق کرتا ہے۔اس نے چاند کا فوٹو لیا،اس فوٹو کو غور سے دیکھنے کے بعد یہ لگتا ہے کہ چاند کا مالی قطب کا حصہ ٹوٹا ہوا ہے،یعنی کسی زمانے میں ٹوٹا ہے،لیکن پھر ساتھ مل گیا ہے،اور ابھی چاند کے ساتھ ساتھ ہی گردش کر رہا ہے۔

(سائنس اور قرآن ص/ ۲۳۲،۲۳۳۔از مولانا ثمیر الدین قاسمی)

حبیب جالب کی شاعری سے انتخاب

غزل

کبھی تو مہرباں ہو کر بلا لیں
یہ مہوش ہم فقیروں کی دعا لیں

نہ جانے پھر یہ رت آئے نہ آئے
جواں پھولوں کی کچھ خوشبو چرا لیں

بہت روئے زمانے کے لئے ہم
ذرا اپنے لئے آنسو بہا لیں

ہم ان کو بھولنے والے نہیں ہیں
سمجھتے ہیں غمِ دوراں کی چالیں

ہماری بھی سنبھل جائے گی حالت
وہ پہلے اپنی زلفیں تو سنبھالیں

نکلنے کو ہے وہ مہتاب گھر سے
ستاروں سے کہو نظریں جھکا لیں

ہم اپنے رستے پہ چل رہے ہیں
جنابِ شیخ اپنا راستہ لیں
زمانہ تو یونہی روٹھا رہے گا
چلو جالبؔ انہیں چل کر منا لیں

غزل

پھر دل سے آ رہی ہے صدا، اس گلی میں چل
شاید ملے غزل کا پتا، اس گلی میں چل

کب سے نہیں ہوا کوئی شعر کام کا
یہ شعر کی نہیں ہے فضا، اس گلی میں چل

وہ بام و در، وہ لوگ، وہ رُسوائیوں کے زخم
ہیں سب کے سب عزیز جدا، اُس گلی میں چل

اُس پھول کے بغیر بہت جی اُداس ہے
مجھ کو بھی ساتھ لے کے صبا اس گلی میں چل

دنیا تو چاہتی ہے یُونہی فاصلے رہیں
دنیا کے مشوروں پہ نہ جا، اُس گلی میں چل

بے نور و بے اثر ہے یہاں کی صدائے ساز
تھا اُس سکوت میں بھی مزا، اس گلی میں چل

جالبؔ پکارتی ہیں وہ شعلہ نوائیاں
یہ سرد رُت، یہ سرد ہوا اس گلی میں چل

غزل

ہوتا ہے سرِ شام سلاخوں کا جو در بند

کر لیتے ہیں ہم بھی کئی مہتاب نظر بند

ترسیں گی اُجالوں کو شبِ غم کی نگاہیں
ہو جائے گا جس روز مرا دیدۂ تر بند

رستہ کہاں سورج کا کوئی روک سکا ہے
ہوتی ہے کہاں رات کے زنداں میں سحر بند

جینا ہمیں آتا ہے بہر طور مری جاں
کرتے رہیں وہ زیست کی ہر راہ گزر بند

ہے فرض تجھی پر کہ ہر اک عہد میں جالبؔ
آلام اُٹھائے جا زباں اپنی نہ کر بند

غزل

آج اس شہر میں، کل نئے شہر میں، میں اسی لہر میں
اُڑتے پتوں کے پیچھے اُڑاتا رہا شوقِ آوارگی
اس گلی کے بہت کم نظر لوگ تھے، فتنہ گر لوگ تھے
زخم کھاتا رہا مسکراتا رہا، شوقِ آوارگی

کوئی پیغام گل تک نہ پہنچا، مگر پھر بھی شام و سحر
ناز بادِ چمن کے اٹھاتا رہا شوقِ آوارگی

کوئی ہنس کے ملے، غنچۂ جاں کھلے، چاک دل کا سلے

ہر قدم پر نگاہیں بچھاتا رہا شوقِ آوارگی

دُشمن جاں فلک، غیر ہے یہ زمیں کوئی اپنا نہیں
خاک سارے جہاں کی اُڑاتا رہا شوق آوارگی

غزل

دشمنوں نے جو دُشمنی کی ہے
دوستوں نے بھی کیا کمی کی ہے

خامشی پر ہیں لوگ زیرِ عتاب
اور ہم نے تو بات بھی کی ہے

مطمئن ہے ضمیر تو اپنا
بات ساری ضمیر ہی کی ہے

اپنی تو داستاں ہے بس اتنی
غم اُٹھائے ہیں، شاعری کی ہے
اب نظر میں بہتر ہے ایک ہی پھول
فکر ہم کو کلی کلی کی ہے

پا سکیں گے نہ عمر بھر جس کو
جستجو آج بھی اُسی کی ہے

جب مہ و مہر بجھ گئے جالبؔ

ہم نے اشکوں سے روشنی کی ہے

غزل

شعر سے شاعری سے ڈرتے ہیں
کم نظر روشنی سے ڈرتے ہیں

لوگ ڈرتے ہیں دُشمنی سے تری
ہم تری دوستی سے ڈرتے ہیں

دہر میں آہِ بیکساں کے سوا
اور ہم کب کسی سے ڈرتے ہیں

ہم کو غیروں سے ڈر نہیں لگتا
اپنے احباب ہی سے ڈرتے ہیں

داورِ حشر بخش دے شاید
ہاں مگر مولوی سے ڈرتے ہیں

روٹھتا ہے تو رُوٹھ جائے جہاں
اُن کی ہم بے رُخی سے ڈرتے ہیں

ہر قدم پر ہے محتسب جالبؔ
اب تو ہم چاندنی سے ڈرتے ہیں

اربابِ ذوق

گھر سے نکلے کار میں بیٹھے، کار سے نکلے دفتر پہنچے
دن بھر دفتر کوٹر خایا
شام کو جب اندھیارا چھایا
محفل میں ساغر چھلکایا

پھول پھول بھونرا لہرایا، رات کے ایک بجے گھر پہنچے
گھر سے نکلے کار میں بیٹھے کار سے نکلے دفتر پہنچے

غالبؔ سے ہے ان کو رغبت
میرؔ سے بھی کرتے ہیں اُلفت
اور تخلص بھی ہے عظمت
گھر اقبالؔ کے کھانے دعوت چھوٹی عمر میں پہنچے اکثر
گھر سے نکلے کار میں بیٹھے کار سے نکلے دفتر پہنچے

حلقے میں اتوار منانا
ان کا ہے انداز پرانا
نئی ادائیں نیا زمانا
منٹو کا سننے افسانہ اکثر پہنے نیکر پہنچے
گھر سے نکلے کار میں بیٹھے کار سے نکلے دفتر پہنچے

ناک پہ چشمہ سا اٹکائے
گردن میں ٹائی لٹکائے
انگلش لٹریچر کو کھائے
اُردو لٹریچر پڑھائے، کالج دینے لیکچر پہنچے
گھر سے نکلے کار میں بیٹھے، کار سے نکلے دفتر پہنچے

روئے بھگت کبیر

پوچھو نہ کیا لاہور میں دیکھا، ہم نے میاں نظیر
پہنیں سوٹ، انگریزی بولیں اور کہلائیں میر
چودھریوں کی مٹھی میں ہے شاعر کی تقدیر

روئے بھگت کبیر

اک دُوجے کو جاہل سمجھیں نٹ کھٹ بُڈّھی وان
میٹرو میں جو چائے پلائے بس وہی وہ باپ سمان
سب سے اچھا شاعر وہ ہے جس کا یار مدیر

روئے بھگت کبیر

سڑکوں پر بھوکے پھرتے ہیں شاعر، موسیقار
ایکٹرسوں کے باپ لیے پھرتے ہیں موٹر کار
فلم نگر تک آپہنچے ہیں سیّد، پیر، فقیر

روئے بھگت کبیر

لال دین کی کوٹھی دیکھی رنگ بھی جس کا لال
شہر میں رہ کر خوب اُڑائے دہقانوں کا مال
اور ہے اجداد نے بخشی مجھ کو یہ جاگیر

روئے بھگت کبیر

جس کو دیکھو لیڈر ہے اور جس سے ملو وکیل

کسی طرح بھرتا ہی نہیں ہے، پیٹ ہے ان کا جھیل
مجبوراً سننا پڑتی ہے ان سب کی تقریر
روئے بھگت کبیر

محفل سے جو اُٹھ کر جائے کہلائے وہ بور
اپنی مسجد کی تعریفیں، باقی جوتے چور
اپنا جھنگ بھلا ہے پیارے جہاں ہماری ہیر
روئے بھگت کبیر

☆☆☆

بھئے کبیر اُداس
اک پٹڑی پر سردی میں اپنی تقدیر کو روئے
دوجا زلفوں کی چھاؤں میں سکھ کی سیج پہ سوئے
راج سنگھاسن پر اک بیٹھا اور اک اس کا داس
بھئے کبیر اُداس

اونچے اونچے ایوانوں میں مورکھ حکم چلائیں
قدم قدم پر اس نگری میں پنڈت دھکّے کھائیں
دھرتی پر بھگوان بنے ہیں دھن ہے جن کے پاس
بھئے کبیر اُداس

گیت لکھائیں پیسے نا دیں فلم نگر کے لوگ
اُن کے گھر باجے شہنائی لیکھک کے گھر سوگ
گائک سُر میں کیوں کر گائے کیوں نہ کاٹے گھاس

بھئے کبیر اُداس

کل تک تھا جو حال ہمارا، حال وہی ہے آج
جالبؔ اپنے دیس میں سکھ کا کال وہی ہے آج
پھر بھی موچی گیٹ پر لیڈر روز کریں بکواس
بھئے کبیر اُداس

دستور

دیپ جس کا محلّات ہی میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کی پلے
ایسے دستور کو، صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا

میں بھی خائف نہیں تختۂ دار سے
میں بھی منصور ہوں کہہ دو اغیار سے
کیوں ڈراتے ہو زنداں کی دیوار سے
ظلم کی بات کو، جہل کی رات کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا

پھول شاخوں پہ کھلنے لگے، تم کہو
جام رندوں کو ملنے لگے، تم کہو
چاک سینوں کے سلنے لگے، تم کہو
اس کھلے جھوٹ کو، ذہن کی لُوٹ کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا

تم نے لُوٹا ہے صدیوں ہمارا سکوں
اب نہ ہم پر چلے گا تمہارا فسوں
چارہ گر میں تمہیں کس طرح سے کہوں
تم نہیں چارہ گر، کوئی مانے، مگر
میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا

☆☆☆

جمہوریت

دس کروڑ انسانو!
زندگی سے بیگانو!
صرف چند لوگوں نے حق تمہارا چھینا ہے
خاک ایسے جینے پر یہ بھی کوئی جینا ہے
بے شعور بھی تم کو بے شعور کہتے ہیں
سوچتا ہوں ہر ناداں کس ہوا میں رہتے ہیں
اور یہ قصیدہ گو فکر ہے یہی جن کو
ہاتھ میں علم لے کر تم نہ اُٹھ سکو لوگو
کب تک یہ خاموشی چلتے پھرتے زندانو
دس کروڑ انسانو!

یہ ملّیں یہ جاگیریں کس کا خون پیتی ہیں
بیرکوں میں یہ فوجیں کس کے بل پہ جیتی ہیں
کس کی محنتوں کا پھل داشتائیں کھاتی ہیں
جھونپڑوں سے رونے کی کیوں صدائیں آتی ہیں
جب شباب پر آ کر کھیت لہلہاتا ہے

کس کے نین روتے ہیں کون مسکراتا ہے
کاش تم کبھی سمجھو کاش تم کبھی جانو
دس کروڑ انسانو!

علم وفن کے رستے میں لاٹھیوں کی یہ باڑیں
کالجوں کے لڑکوں پر گولیوں کی بوچھاڑیں
یہ کرائے کے غنڈے یادگارِ شب دیکھو
کس قدر بھیانک ہے ظلم کا یہ ڈھب دیکھو
رقصِ آتش و آہن دیکھتے ہی جاؤ گے
دیکھتے ہی جاؤ گے ہوش میں نہ آؤ گے
اے خموش طوفانو!
دس کروڑ انسانو!

سینکڑوں حسن ناصر ہیں شکار نفرت کے
صبح و شام لُٹتے ہیں قافلے محبت کے
جب سے کالے باغوں نے آدمی کو گھیرا ہے
مشعلیں کرو روشن دور تک اندھیرا ہے
میرے دیس کی دھرتی پیار کو ترستی ہے
پتھروں کی بارش ہی اس پہ کیوں برستی ہے
ملک کو بچاؤ بھی ملک کے نگہبانو
دس کروڑ انسانو!

بولنے پہ پابندی سوچنے پہ تعزیریں
پاؤں میں غلامی کی آج بھی ہیں زنجیریں
آج حرفِ آخر ہے بات چند لوگوں کی

دن ہے چند لوگوں کا رات چند لوگوں کی
اُٹھ کے درد مندوں کے صبح و شام بدلو بھی
جس میں تم نہیں شامل وہ نظام بدلو بھی

دوستوں کو پہچانو
دُشمنوں کو پہچانو
دس کروڑ انسانو!

نذرِ مارکس

یہ جو شب کے ایوانوں میں اک ہلچل اک حشر بپا ہے
یہ جو اندھیرا سمٹ رہا ہے، یہ جو اُجالا پھیل رہا ہے
یہ جو ہر دُکھ سہنے والا دُکھ کا مداوا جان گئی ہے
مظلوموں مجبوروں کا غم یہ جو مرے شعروں میں ڈھلا ہے
یہ جو مہک گلن گلش ہے، یہ جو چمک عالم عالم ہ
مارکسزم ہے، مارکسزم ہے، مارکسزم ہے، مارکسزم ہے

یوم مئی

صدا آ رہی ہے مرے دل سے پیہم
کہ ہو گا ہر اک دُشمنِ جاں کا سر خم
نہیں ہے نظام ہلاک میں کچھ دم
ضرورت ہے انساں کی امن عالم
فضاؤں میں لہرائے گا سُرخ پرچم
صدا آرہی ہے مرے دل سے پیہم

نہ ذلّت کے سائے میں بچے پلیں گے
نہ ہاتھ اپنے قسمت کے ہاتھوں مَلیں گے
مساوات کے دیپ گھر گھر جلیں گے
سب اہل وطن سر اُٹھا کر چلیں گے
نہ ہو گی کبھی زندگی وقفِ ماتم
فضاؤں میں لہرائے گا سُرخ پرچم

☆☆☆☆☆☆

ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا
پتھر کو گہر، دیوار کو در، کر گس کو ہُما کیا لکھنا
اک حشر بپا ہے گھر گھر میں دم گھُٹتا ہے گنبدِ بے در میں
اک شخص کے ہاتھوں مدت سے رُسوا ہے وطن دنیا بھر میں
اے دیدہ ورو! اس ذلت کو قسمت کا لکھا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

یہ اہل حشم، یہ دار و جم، سب نقش برآب ہیں اے ہم دم
مٹ جائیں گے سب پروردۂ شب، اے اہل وفا رہ جائیں گے ہم
ہو جاں کا زیاں، پر قاتل کو معصوم ادا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

لوگوں پہ ہی ہم نے جاں واری، کی ہم نے اپنی ہی غم خواری

ہوتے ہیں تو ہوں یہ ہاتھ قلم، شاعر نہ بنیں گے درباری
ابلیس نما انسانوں کی اے دوست ثنا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صر صر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

حق بات پہ کوڑے اور زنداں، باطل کے شکنجے میں ہے یہ جاں
انساں ہیں کہ سہمے بیٹھے ہیں، خونخوار درندے ہیں رقصاں
اس ظلم وستم کو لطف وکرم، اس دُکھ کو دوا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

ہر شام یہاں شامِ ویراں، آسیب زدہ رستے گلیاں
جس شہر کی دھن میں نکلے تھے وہ شہرِ دل برباد کہاں
صحرا کو چمن، بن کو گلشن، بادل کو ردا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

اے میرے وطن کے فنکار! وظلمت پہ نہ اپنا فن وارو
یہ محل سراؤں کے باسی، قاتل ہیں سبھی اپنے یارو
ورثے میں ہمیں یہ غم ہے ملا، اس غم کو نیا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صر صر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

☆☆☆

میری بچّی

میری بچی میں آؤں نہ آؤں
آنے والا زمانہ ہے تیرا
تیرے ننھے سے دل کو دُکھوں نے

میں نے مانا کہ ہے آج گھیرا
آنے والا زمانہ ہے تیرا

تیری آشا کی بگیا کھلے گی
چاند کی تجھ کو گڑیا ملے گی
تیری آنکھوں میں آنسو نہ ہوں گے
ختم ہوگا ستم کا اندھیرا
آنے والا زمانہ ہے تیرا

درد کی رات ہے کوئی دم کی
ٹوٹ جائے گی زنجیر غم کی
مسکرائے گی ہر آس تیری
لے کے آئے گا خوشیاں سویرا
آنے والا زمانہ ہے تیرا

سچ کی راہوں میں جو مر گئے ہیں
فاصلے مختصر کر گئے ہیں
دُکھ نہ جھیلیں گے ہم منہ چھپا کے
سُکھ نہ لُوٹے گا کوئی لیٹرا
آنے والا زمانہ ہے تیرا

☆☆☆

ہتھکڑی

اُس کو شاید کھلونا لگی ہتھکڑی
میری بچی مجھے دیکھ کر ہنس پڑی

یہ ہنسی تھی سحر کی بشارت مجھے
یہ ہنسی دے گئی کتنی طاقت مجھے
کس قدر زندگی کو سہارا ملا
ایک تابندہ کل کا اشارہ ملا

☆☆☆

منتخب اشعار

یہ چند اشعار جو میں مختلف جگہوں سے لیا ہوں، یا سنا ہوں، یا دیکھا ہوں، یا یاد کیا ہوں، ان کو نوٹ کرنے کے بعد، نقل کرر ہا ہوں، جو مختلف شعراء کرام کے ہیں ،جن کا نام ذکر نہیں کیا ہوں ۔ان شاء اللہ جلد سوم یا کسی جلد میں شعراء کرام کا تعارف اور ان کے کلام سے منتخب اشعار پیش کیا جائے گا۔

محمد عدنان

توحید

توحید کا گلستان برباد ہوچکا ہے
پھر رشک باغ رضوان یارب اسے بنادے

☆☆☆

جہاں میں ہے توحید کے ہر سو نمونے
مگر اندھا کیا ہے تجھے رنگ و بونے

☆☆☆

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

☆☆☆

شب گردان ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

☆☆☆

جو ہوں فرعون میں ان کو خدا کہہ دوں یہ مشکل ہے
جو ہو دجال میں ان کو انبیاء کہہ دوں یہ مشکل ہے
مجھے زنجیر پہنا دو مجھے سولی پہ لٹکا دو
مگر میں رہزنوں کو رہنما کہہ دوں یہ مشکل ہے

☆☆☆

عظمت قرآن

نہ گھبراؤ مسلمانو خدا کی شان باقی ہے
ابھی اسلام زندہ ہے ابھی قرآن باقی ہے

☆☆☆

قرآن کی فریاد

یہ میری عقیدت کے دعوے قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں یوں بھی میں ستایا جاتا ہوں
کسی بزم میں میرا ذکر نہیں کسی عرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

☆☆☆

رنج قرآن

سوگ کرتا ہے مدینہ کہ حجازی نہ رہے
صدمہ سہتا ہے یہ اسلام کہ غازی نہ رہے
رنج قرآن یہ ہے کہ میرے قاری نہ رہے
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

☆☆☆

تمنا ہے کہ دنیا سے جہالت دور ہوجائے
کلام اللہ سے ہر مسلم کا دل پر نور ہوجائے

☆☆☆

کیوں نہ ہو ممتاز اسلام دنیا بھر کے دینوں میں
وہاں مذہب کتابوں میں یہاں قرآن سینوں میں

☆☆☆

یا الٰہی تو عامل قرآن کردے
پھر نئ سرے سے مسلمان کو مسلمان کردے
وہ پیغمبر جسے سرتاج رسل کہتے ہیں
اس کی امت کو ذرا تابع قرآن کردے

☆☆☆

ہر لحظہ ہے مؤمن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مؤمن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

☆☆☆

مسلمانو اٹھو قرآن کی دعوت کو پھیلاؤ
جہاں بے اماں کو عافیت کے راز سمجھاؤ
زمانہ آج بھی قرآن ہی سے فیض پائے گا
مٹے گی ظلمت شب اور سورج جگمگائے گا

☆☆☆

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد وہ محمد وہ محمد وہ محمد ہے
کہ جس کی اتباع سے آدمی انسان بنتا ہے
کہ جس کے نقش پا سے خلد کا امکان بنتا ہے
کہ جس کے وصف وحسن خلق سے قرآن بنتا ہے

☆☆☆

اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

انور برستے رہتے ہیں اس پاک نگر کی راہوں میں
اک کیف کا عالم ہوتا ہے طیبہ کے مست ہواؤں میں
اس نام محمد کے صدقے بگڑی ہوئی قسمت بنتی ہے
اس کو بھی پناہ مل جاتی ہے جو ڈوب گیا ہو گناہوں میں

☆☆☆

آمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مبعوث جہاں گر میرے سرکار نہ ہوتے
تو رب کی مشیت کا اظہار نہ ہوتے
گر عشق محبت میں ہم سرشار نہ ہوتے
دیدار خدا کے ہم کبھی حقدار نہ ہوتے

☆☆☆

حضور آئے تو چمکیں فکر انسانی کی تنویریں
حضور آئے تو ٹوٹیں جبر و محکومی کی زنجیریں

☆☆☆

کچھ کفر نے شعلے بھڑکائے کچھ ظلم نے فتنے پھیلائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی انسان سے انسان ٹھکرائے
پامال کیا برباد کیا کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم و ستم حد سے گزرے تشریف محمد لائے

☆☆☆

اے جنت تجھ میں حور و قصور رہتے ہیں
میں نے مانا ضرور رہتے ہیں
میرے دل کا طواف کر اے جنت
میرے دل میں حضور رہتے ہیں

☆☆☆

حقیقت میں وہ لطف زندگی پایا نہیں کرتے
جو یاد مصطفی سے دل کو گرمایا نہیں کرتے
زبان پر شکوۂ رنج و الم لایا نہیں کرتے
نبی کے نام ہوا غم سے گھبرایا نہیں کرتے

ارے او نا سمجھ قربان ہوجا ان کے روضہ پر
یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

☆☆☆

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

☆☆☆

ہر اک ذرہ چمک اٹھا ہے مہتاب ضیاء بن کر
فضا کو جگمگایا آپ نے شمس الضحیٰ بن کر
مرے سرکار آئے درد عصیاں کی دواء بن کر
سکون قلب مضطر غم زدوں کا آسرا بن کر
خلیل اللہ ہے کوئی کلیم اللہ ہے کوئی
مگر آقا میرے آئے ہیں محبوب خدا بن کر

☆☆☆

خیر البشر فخر رسل وہ مرکز دین ھدی
ہے مرکز مہر وفا نور محمد مصطفےٰ
گردن جھکی ہے عجز سے آنکھیں ہوئی ہیں فرش راہ
دل نے کہا بے ساختہ صلی علیٰ صلی علیٰ

☆☆☆

وہ ابر لطف جس کے سایہ کو گلشن ترستے تھے
یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے

☆☆☆

نور خدا ہے کفر کے حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

☆☆☆

ختم نبوت

تیرے ہی واسطے حق نے کیے ہیں بحر و بر پیدا
ستارے اور قمر پیدا گلستان اور شجر پیدا
فدا ہے جان میری عظمت ختم نبوت پر
کچل دوں گا خلاف اس کے کہیں ہو فتنہ گر پیدا

☆☆☆

یوں عشق کی تکمیل مسلمان کریں گے
اس جان دوعالم پہ فدا جان کریں گے
کافر ہے جسے ختم نبوت کا ہو انکار
روکے گا ہمیں کون یہ اعلان کریں گے

☆☆☆

دیکھو گے برا حال محمد کے عدو کا

منہ پر ہی گرا جس نے بھی مہتاب پہ تھوکا
مایوس نہ ہو ختم نبوت کے محافظ
نزدیک ہے انجام شہیدوں کے لہو کا

☆☆☆

عشق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جس دل میں عشق محبوب خدا حاصل نہیں
لاکھ مؤمن ہو مگر ایمان میں وہ کامل نہیں

خلفائے راشدین رض

اللہ نے زینت بخشی ہے افلاک کو روشن تاروں سے
اسلام نے عزت پائی ہے محبوب خدا کے یاروں سے
ابوبکر و عمر ہیں سمع و بصر عثمان و علی ہیں قلب و جگر
حضرت کے ہیں منظور نظر ہو کیوں نہ محبت چاروں سے
ہوتے ہیں خفا کیوں پوچھو تو ذرا اغیاروں سے
تعریف صحابہ ثابت ہے قرآن کے تیسوں پاروں سے

☆☆☆

احساس صداقت رکھتا ہوں آئین عدالت رکھتا ہوں
آنکھوں میں حیاء دل میں غیرت توفیق شجاعت رکھتا ہوں
اسلام سے مجھ کو الفت ہے ایمان کی حلاوت رکھتا ہوں

ابوبکر و عمر عثمان و علی چاروں سے محبت رکھتا ہوں

☆☆☆

زبان پر مؤمنوں کے جب بھی ذکر تاجدار آئے
اس کے بعد لازم ہے کہ ذکر چار یار آئے
ابوبکر و عمر عثمان و علی جب باغبان بن جائے
تو پھر کیونکر نہ باغ مصطفی میں بہار آئے

☆☆☆

حضرت ابوبکر صدیقؓ

بھلا کِس سے بیاں ہوگا کہ کَیا صِدّیقِ اکبر ہیں
ہر اک صادق کی دھڑکن کی صدا صِدّیقِ اکبر ہیں
جہاں میں کوئی ان کے جیسا ہو یہ غیر ممکن ہے
بشر میں اعلیٰ بعدِ انبیاء صِدّیقِ اکبر ہیں
ہے جس نے واصلِ دوزخ کیا کَذّابِ اعظم کو
وہ محبوبِ حبیبِ کبریا صِدّیقِ اکبر ہیں
زمانہ جان کا دشمن ہو پھر بھی جو نہ چھوڑے ساتھ
قسم اللہ کی وہ با وفا صِدّیقِ اکبر ہیں
ہمیں کچھ غم نہیں توصیفؔ دنیا کا یا عقبیٰ کا
ہیں خوش قسمت ہمارے رہنما صِدّیقِ اکبر ہیں

☆☆☆

منقبت

از: واصف رضا واصف

قربت شاہ زمن تجھ کو ہے حاصل صدیق
اور غم یار کا مسکن ہے ترا دل صدیق

صدق ، اخلاص ، وفا ، جود و سخا میں لاریب
دہر میں کوئی نہیں تیرا مماثل صدیق

حق توصیف و ثنا کیسے ادا ہو ، جب ہیں
متن قرآں سے عیاں تیرے فضائل صدیق

قریۂ فکر میں ہوتی ہے کرم کی بارش
آپ کے نام کی سجتی ہے جو محفل صدیق

صحن دل میں کبھی ہو جائے نزول اجلال
کب سے ہے طالب اکرام یہ سائل صدیق

ڈگمگایا نہ کسی موڑ پہ بھی پائے ثبات
دائمی اسوۂ سرور پہ تھے عامل صدیق

گلشن دہر کی پر کیف بہاروں میں ، ترے
صدق کے نغمے سناتے ہیں عنادل صدیق

عشق سرکار ہی تھا ان کا متاع ہستی

سوے رنگینئ عالم نہ تھے مائل صدیق
دیکھتے تک نہیں اغیار کی چوکھٹ واللہ
ایسے خوددار ہیں ہوتے ترے سائل صدیق
خالق کل نے انھیں ایسے مراتب بخشے
جز نبوت کے ہیں ہر فضل کے حامل صدیق
ہوگیا تیرے غلاموں کی صفوں میں آکر
واصف ہیچ مداں رشک کے قابل صدیق

☆☆☆

حضرت عمر فاروقؓ

خدا کے دین کی نصرت عمر کے ساتھ آئی
عمر جو آئے تو سطوت عمر کے ساتھ آئی
وہ تازہ خوں کی طرح آئے جسمِ ملّت میں
تنِ نحیف میں قوت عمر کے ساتھ آئی
جب اہلِ حق ہیں تو کیوں چھپ کے ہم نماز پڑھیں
فروغِ دیں میں سہولت عمر کے ساتھ آئی
سکینت آئی تو مسکینیت ہوئی رخصت
پسے ہوؤں میں جلالت عمر کے ساتھ آئی
تمہیں جو ناز ہے آزادِ سوال پہ آج

خبر بھی ہے یہ اجازت عمر کے ساتھ آئی!!
وہ جس کو دیکھ کے شیطان بھاگ جاتا ہے
نگاہ و دل میں وہ حرمت عمر کے ساتھ آئی
خدا نے یوں بھی دیا ان کے مشوروں کو مقام
کبھی تو یوں کہ شریعت عمر کے ساتھ آئی
وہ جس کا عدل عمر لاز بن کے جاری ہے
وہ با وقار عدالت عمر کے ساتھ آئی

☆☆☆

عدوئے دیں کو فقط تیغِ بے نیامِ عمر
ظہورِ شانِ جلالِ رسول امامِ عمر
وہ آرزوئے صحابہ ، وہ ہیں مرادِ نبی
وہ جن کو یاد کرے ہے جہاں ، بنامِ عمر
وہ ایک کُرتہ میں گزران کرنے والا شاہ
پھر اس پہ شاہی کا وہ حسنِ انتظامِ عمر
ملا خطابِ محدث ، حضورِ رحمت سے
یونہی نہیں ہے کلامِ خدا ، کلامِ عمر

☆☆☆

حضرت عثمان غنیؓ

(منقبت)

آب و دانہ سے رہے محروم عثمان غنی
بے گماں ہیں جنتی مظلوم عثمان غنی
آپ کے کردار پر دھبا نہ کوئی لاسکی
باغیوں کی کوشش مذموم , عثمان غنی!
حسب ارشاد نبی , جنت میں آقا کے رفیق
وہ ہیں لازم , آپ ہیں ملزوم عثمان غنی !
آپ ہیں قرآں کے جامع,کوششوں سے آپ کی
خطرہء تحریف ہے معدوم , عثمان غنی !
بیعت رضواں میں کس کا دست تھا ,دست رسول
کیوں نہ لیں اس ہاتھ کو ہم چوم ,عثمان غنی!
وقف مسلم کردیا تھا چاہ , رب کی چاہ میں
ہے سبھی کو بات یہ معلوم , عثمان غنی !
آپ کے جود و سخا کی مل نہیں سکتی مثال
نام حاتم بھی ہے یاں موہوم , عثمان غنی !
آپ تھے پیکر حیا کے , آپ داماد رسول
ہیچ ہے سلطان شام و روم , عثمان غنی !

گھیر رکھا باغیوں نے خانہء عثماں کو تھا
مومنوں کے آپ تھے مخدوم عثمان غنی!
حالت روزہ میں مصروف تلاوت آپ تھے
یوں شہادت پاگئے مظلوم عثمان غنی
قتل نا حق کے نتیجے میں پڑا وہ تفرقہ
ہوگئی ساری فضا مسموم , عثمان غنی!
صفحہء قرآں ہوا رنگیں لہو سے آپ کے
کیا تھا اس آیت کا بھی مفہوم ,عثمان غنی!
تھے ملائک آپ کی مظلومیت پر اشک بار
خلد میں سرکار تھے مغموم, عثمان غنی !
منقبت میں آپ کی ہیں مومنیں رطب اللساں
پیش ہے نذرانہء منظوم , عثمان غنی!
احمد و صدیق و عثمان و عمر , حیدر کانام
لوح دل پر ہے مرے مرقوم, عثمان غنی!
پھول ہیں باغ نبی کے ,آپ ذوالنورین ہیں
آپ کی ہر سو مچی ہے دھوم , عثمان غنی!

☆☆☆

حضرت علیؓ

گلشن نبوت کی عجب اک کلی ہے
وہ شجاعت کا پیکر داماد نبی ہے
ہیں حسن و حسین جس کی خوشبو و عنبر
وہ حیدر کرار وہ پیار اعلی ہے

☆☆☆

حضرت امیر معاویہؓ

(منقبت)

ہیں پیکر جود و سخا، حضرت امیر معاویہؓ
محبوب خاصانِ خدا، حضرت امیر معاویہؓ
سالے شہ لولاک کے،کاتب قرآن پاک کے
بے شبہ ہیں ذی مرتبا حضرت امیر معاویہؓ
ہم کون جوناراض ہوں، کینہ رکھیں،جب آپ سے
راضی نبی، راضی خدا، حضرت امیر معاویہؓ
اعلی تمہارا مرتبہ کیا حرف تم پر آئے گا
ناداں کہیں گر کچھ بُرا،حضرت امیر معاویہؓ
جس کو نبی ہادی کہیں، اس کو کہے گمراہ جو

کیا حشر ہوا اس کا بھلا، حضرت امیر معاویہؓ
عاقلؔ بہ افضالِ خدا، عاشق ہے اہل بیت کا
اور آپ کا مدح سرا، حضرت امیر معاویہؓ

☆☆☆

اے امیر شام تیری جاہ و منزلت کا کیا کہنا
تیرے نام کا ڈنکا بجا کے چھوڑوں گا
تیرے نام سے جو جلتے ہے ملحد و زندیق
میں ان کو خدا کے غضب سے ڈرا کے چھوڑوں گا

☆☆☆

حضرت امام حسینؓ

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپتی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ بتول
اسلام کے لہو سے تیری پیاس بجھ گئی
سیراب کر گیا تجھے خون رگ رسول

☆☆☆

واہ حسین اب تک درخشان ہے تیری ہمت کا باغ
آندھیوں میں جل رہا ہے اب تک تیرا چراغ

☆☆☆

نہ عشق حسین نہ ذوق شہادت
منکر سمجھ بیٹھا ہے ماتم کو عبادت

☆☆☆

کٹا کر گردنیں بتلا گئے یہ کربلا والے
کسی بندے کے آگے جھک نہیں سکتے خدا والے

☆☆☆

علی بابا نبی نانا شرافت ہو تو ایسی ہو
چلے خنجر کرے سجدہ عبادت ہو تو ایسی ہو

☆☆☆

نہ نازی کی ضرورت ہے نہ نیازی کی ضرورت ہے
زمانہ جنگ میں مردان غازی کی ضرورت ہے
ندا آتی ہے اب بھی کربلا کے ذرے ذرے سے
حسین ابن علی جیسے نمازی کی ضرورت ہے

☆☆☆

حضرت عائشہ صدیقہؓ

مرتبہ دیکھے بنت صدیقؓ کا
مؤمنوں کی ہے ماں سیدہ عائشہ
آپ نے حل کئے سینکڑوں مسئلے

ہیں بڑی نکتہ داں سیدہ عائشہ

☆☆☆

عظمت صحابہ

گر چاند محمد تو ستارے ہیں صحابہ
اسلام کی عظمت کے منارے ہیں صحابہ
ہم فخر سے کہتے ہیں ہمارے ہیں صحابہ
واللہ ہمیں جان سے پیارے ہیں صحابہ

☆☆☆

صحابہ کا جذبہ شہادت ان کی عظمت کی دلیل ہے
صحابہ کا جذبہ شہادت ان کی صداقت کی دلیل ہے

☆☆☆

عظمت مکہ

تیرے حرم سے اے کریم!کون سی شئ ملی نہیں
جھولی ہی میری تنگ ہے ، تیرے یہاں کمی نہیں

☆☆☆

بخشش کے خیرات عطا کر تیرے شہر میں آیا ہوں
صدقہ نبی کی ذات عطا کر تیرے شہر میں آیا ہوں

جو شایانِ شا ہو تیرے جو سب کام سنوارے میرے
ایسی کوئی بات عطا کر تیرے شہر میں آیا ہوں

☆☆☆

عظمت مدینہ

الٰہی جلد دکھلا دے مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولا تیری رحمت برستی ہے
وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاکِ در رسول ﷺ کا سرمہ لگائیں ہم

☆☆☆

بڑی امید ہے سرکار ﷺ قدموں میں بلائیں گے
کرم کی جب نظر ہوگی مدینے ہم بھی جائیں گے

☆☆☆

جذبہ مسلم

ازل سے رچ گئی ہے سر بلندی اپنی فطرت میں
ہمیں کٹنا تو آتا ہے مگر جھکنا نہیں آتا ہیں

☆☆☆

دشت تو دشت ہیں صحراء بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

☆☆☆

بیٹیاں برباد ہیں برما و کشمیر میں
کیوں جوش آتا نہیں مسلم تیرے شمشیر میں

☆☆☆

ہر سمت مچلتی کرنوں نے افسون شب غم توڑ دیا
اب جاگ اٹھے ہیں دیوانے دنیا کو جگا کر دم لیں گے

☆☆☆

ہم شمع یقین کے پروانے شعلوں سے محبت کرتے ہیں
اے زیست ہماری راہ سے ہٹ ہم موت کی عزت کرتے ہیں

☆☆☆

ہم ایک خدا کے قائل ہیں پندار کے ہر بت توڑیں گے
ہم حق کے نشان ہیں دنیا میں باطل کو مٹا کر دم لیں گے

☆☆☆

سوچا ہے کفیل اب کچھ بھی ہو ہر حال میں اپنا حق لیں گے
عزت سے جیئے تو جی لیں گے یا جام شہادت پی لیں گے

☆☆☆

اسلام کے شیروں کو مت چھیڑنا تم ورنہ

تکبیر کے نعروں سے دنیا کو ہلا دیں گے

☆☆☆

غیرت

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہے کہاں
حس عمل کے دل میں وہ ارمان ہے کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہے خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہے کہاں

☆☆☆

وقت کے ساتھ بدلنا تو بہت آساں تھا
مجھ سے ہر وقت مخاطب رہی غیرت میری

☆☆☆

شدت تشنگی میں بھی غیرت مے کشی رہی
اس نے جو پھیر لی نظریں نے بھی جام رکھ دیا

☆☆☆

ہم تو اپنوں سے بھی بیگانہ ہوئے الفت میں
تم جو غیروں سے ملے تم کو نہ غیرت آئی

☆☆☆

غیرت زدہ تو ڈوب گیا ایک بوند میں

بے غیرتوں کو کوئی سمندر نہیں ملا

☆☆☆

غیرت اہل چمن کو کیا ہوا
چھوڑ آئے آشیاں جلتا ہوا

☆☆☆

پہلے رخصت ہوئی چمن سے بہار
اور اب غیرت چمن بھی گئی

☆☆☆

حیاءِ عورت

آزادی یہ نہیں کہ عورت بے حیاء ہوجائے
فیشن یہ نہیں کہ عورت بے قبا ہوجائے
اسلام ہی ہے سب کے لئے بے مثل چراغ بھائیو
روشنی یہ نہیں کہ عورت بے ضیاء ہوجائے

☆☆☆

ذکر الٰہی

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ملتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

☆☆☆

دنیا سے دل لگا کر دنیا سے کیا ملے گا
یاد خدا کئے جا تجھ کو خدا ملے گا

☆☆☆

جب ترا ذکر ہونے لگتا ہے
دل مرا دل میں رونے لگتا ہے

توبہ

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است
وقت پیری گرگ زادہ میشود پرہیز گار

☆☆☆

یا رب تیری رحمت کا امید وار بن کہ آیا ہوں
منہ ڈھانپے کفن سے شرمسار بن کہ آیا ہوں
چلنے نہ دیا مجھ کو بار گناہ نے پیدل
اس لئے کندھوں پر سوار ہو کہ آیا ہوں

☆☆☆

نظم

کرے دشمنی کوئی تم سے اگر

جہاں تک بنے تم کرو در گزر
کروتم نہ حاسد کی باتوں پہ غور
جلے جو کوئی اس کو جلنے دواور
اگر تم سے ہوجائے سرزد قصور
تو اقرار و توبہ کرو بالضرور
بدی کی ہوجس نےتمہارےخلاف
جو چاہے معافی تو کردو معاف
نہیں، بلکہ تم اور احساں کرو
بھلائی سے اس کو پشیماں کرو
ہے شرمندگی اس کے دل کاعلاج
سزا اور ملامت کی کیا احتیاج
بھلائی کرو تو کرو بے غرض
غرض کی بھلائی تو ہےاک مرض
جو محتاج مانگے تو دو تم ادھار
رہو واپسی کے نہ امیدوار
جو تم کو خدا نے دیاہےتودو
نہ خست کرو اس میں جوہوسوہو

☆☆☆

دنیا

جسے دنیا کی الفت ہو وہ انسان ہو نہیں سکتا
عمل سے ہو جو غافل وہ مسلمان ہو نہیں سکتا

☆☆☆

موت

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

☆☆☆

عمل

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

☆☆☆

اذان

اذان تو ازل سے تیرے عشق کا ترانہ ہے
نماز تو محض تیری زیارت کا اک بہانہ ہے

☆☆☆

منزل

نہر سمندروں سے اٹھتی ہے کناروں سے نہیں
منزلیں ہمت سے ملتی ہے سہاروں سے نہیں

☆☆☆

ندامت

اس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے
اک بار خطاء ہوجاتی ہے سو بار ندامت ہوتی ہے

☆☆☆

میری ڈائری ،جلد اول

